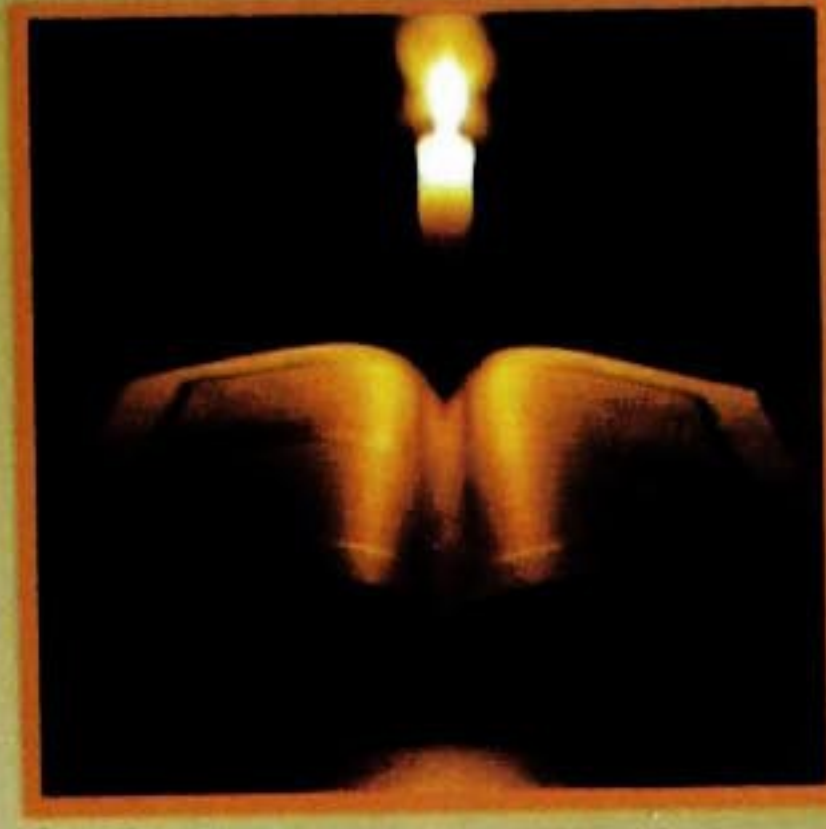


سید امانہ و تخریج شدہ ایڈیشن



# قواعد التفسیر

فہم تفسیر کے متعلق ہزاروں ادراک کے مطالعہ کے بعد  
۱۶۶۹ اہم قواعد پر مشتمل نیا علم کیلئے نیا باب تحفہ



تالیف مولانا محمد سعد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ یوسف بنوری ناؤں کراچی  
استاد جامعہ انوار العلوم، مہراں ناؤں، کورنگی کراچی

13

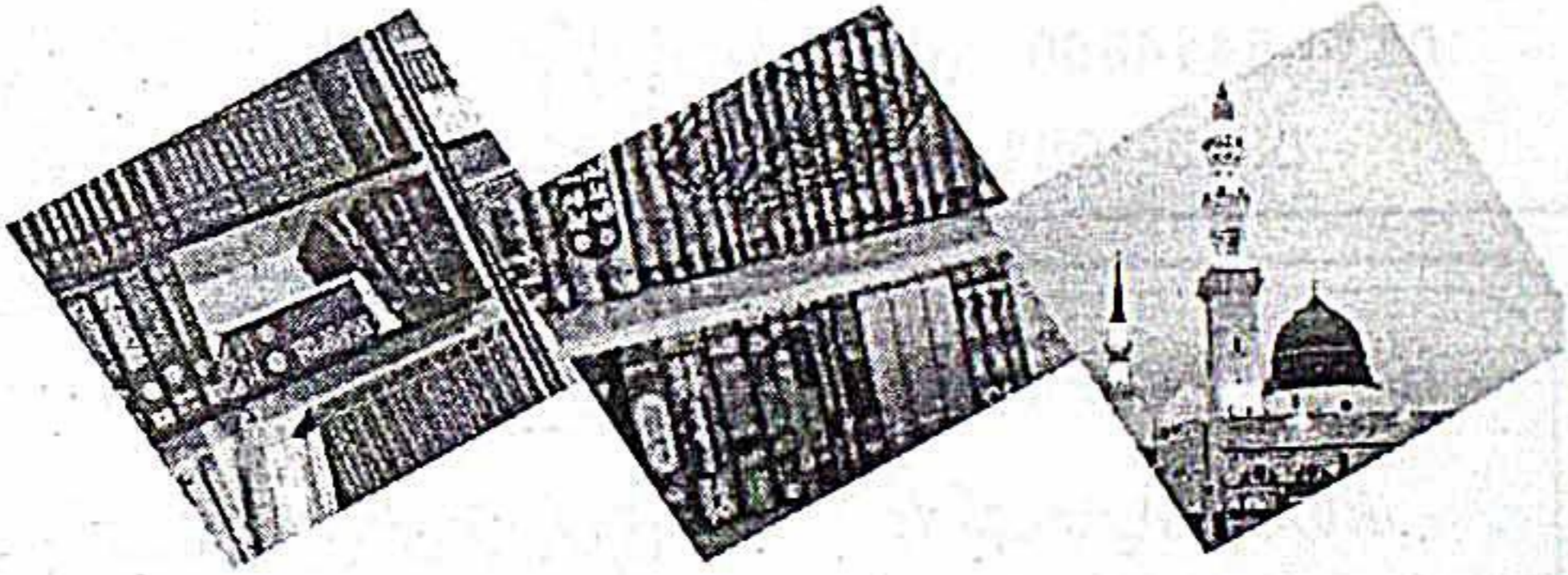
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



جدید اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن

# قواعد الفقہ

فہم تفسیر کے متعلق ہزاروں اوراق کے مطالعہ کے بعد  
۱۶۶ اہم قواعد پرستمل اہل علم کیلئے نایاب تحفہ



تالیف

مولانا محمد سعید نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی  
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر و مصنف محفوظ ہیں

قواعد التفسیر

☆ نام کتاب

297. 161

مَوْلَانَا مُحَمَّدُ نَجْمَان

☆ تالیف .....

0332-2557675

ن 693 ق

دارالناشر

☆ ناشر .....

مولانا طارق محمود صاحب

☆ اہتمام .....

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ بمطابق ۳۰ جون ۲۰۱۴

☆ سن اشاعت .....

ملنے کے پتے

مولانا ظہور صاحب جامعہ سراج الاسلام

محلہ نیواسلام آباد پارہوتی، مردان، 0334-8414660

0313-1991422, 0300-5886491

سرحد میں  
ملنے کا پتہ

☆ ادارۃ النور بنوری ٹاؤن کراچی

☆ ادارہ العلم ریاض سوک سنٹر نوشہرہ

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ القرآن بنوری ٹاؤن کراچی

☆ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوسٹہ

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ مکتبہ رشیدہ اکوڑہ خٹک

☆ ادارۃ الرشید بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ لدھیانوی بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور

☆ مکتبہ امام محمد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ نیازی کتب خانہ اکوڑہ خٹک

۲۱۰۰۹ - ۲۰۱۲

## فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۴۵	انتساب	۱
۴۶	تبصرہ	۲
۴۷	عرض مؤلف	۳
۴۹	مقدمہ	۴
۵۲	علم تفسیر کی تدوین	۵
۵۳	اولین تفسیر	۶
۵۸	تدوین اصول تفسیر	۷
۶۲	پہلا ماخذ: کتاب اللہ	۸
۶۲	پہلی قسم: بیان الموجد	۹
۶۳	دوسری قسم: تقييد مطلق	۱۰
۶۳	تیسری قسم: تخصيص عام	۱۱
۶۳	چوتھی قسم: بیان بالمنطوق او بالمفهوم	۱۲
۶۶	پانچویں قسم: تفسير اللفظ باللفظ	۱۳
۶۷	چھٹی قسم: تفسير المعنى بالمعنى	۱۴
۶۸	ساتویں قسم: تفسير الأسلوب بالأسلوب	۱۵

کتابت

۲۰۱۰/۲

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۷۱	متعدی بیک مفعول کی مثال	۱۶
۷۲	متعدی بدو مفعول کی مثال	۱۷
۷۲	ظرفِ زمانی کی مثال	۱۸
۷۳	ظرفِ مکانی کی مثال	۱۹
۷۴	امر کی مثال	۲۰
۷۴	نہی کی مثال	۲۱
۷۵	شرط کی مثال	۲۲
۷۶	آٹھویں قسم: تفسیر الموجز بالمفصل	۲۳
۷۷	نویں قسم: جمع القراءات الصحیحة	۲۴
۷۷	دوسرا ماخذ: حدیث	۲۵
۸۲	أحوال السنة مع القرآن	۲۶
۸۳	تیسرا ماخذ: اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم	۲۷
۸۴	پہلا مصدر: قرآن کریم	۲۸
۸۴	دوسرا مصدر: سنت نبویہ	۲۹
۸۶	تیسرا مصدر: لغت	۳۰
۸۷	چوتھا مصدر: نقل عن اهل الكتاب	۳۱
۸۸	پانچواں مصدر: فہم واجتہاد	۳۲
۸۸	چھٹا مصدر: اخذ عن الصحابی	۳۳
۸۹	ساتواں مصدر: تفسیر بالأحوال	۳۴
۹۰	صحابہ کے طرق تفسیر	۳۵

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۹۰	چوتھا ماخذ: اقوال تابعین	۳۶
۹۰	پہلا مصدر: قرآن	۳۷
۹۱	دوسرا مصدر: سنت نبویہ	۳۸
۹۲	تیسرا مصدر: اقوال صحابہ	۳۹
۹۲	چوتھا مصدر: اخذ عن التابعی	۴۰
۹۳	پانچواں مصدر: لغت	۴۱
۹۳	چھٹا مصدر: اخذ عن اهل الكتاب	۴۲
۹۳	ساتواں مصدر: فہم واجتہاد	۴۳
۹۴	آٹھواں مصدر: احوال ووقائع کا علم	۴۴
۹۵	تابعین کی تفسیروں کی صورتیں	۴۵
۹۵	پانچوں ماخذ: لغت عرب	۴۶
۹۶	چھٹا ماخذ: عقل سلیم	۴۷
۹۶	ماخذ تفسیر میں عقل سلیم کی حیثیت	۴۸
۹۸	تفسیر بالرائے کی حقیقت اور اس کا حکم	۴۹
۹۹	تفسیر بالرائے کی صورتیں	۵۰
۱۰۰	قاعدے کی لغوی تعریف	۵۱
۱۰۰	قاعدے کی اصطلاحی تعریف	۵۲
۱۰۱	تفسیر کی لغوی تعریف	۵۳
۱۰۱	تفسیر کی اصطلاحی تعریف	۵۴
۱۰۲	قواعد التفسیر کی تعریف	۵۵

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۱۰۳	موضوع	۵۶
۱۰۳	غرض و غایت	۵۷
۱۰۳	استمداد	۵۸
۱۰۳	شرف و فضیلت	۵۹
۱۰۳	باعتبار موضوع	۶۰
۱۰۳	باعتبار مقصود	۶۱
۱۰۴	باعتبار ضرورت	۶۲
۱۰۴	چند فروق	۶۳
۱۰۴	قاعدہ اور ضابطہ کا فرق	۶۴
۱۰۴	قواعد التفسیر اور علوم القرآن کا فرق	۶۵
۱۰۵	تفسیر اور قواعد التفسیر کا فرق	۶۶
۱۰۵	تفسیر اور تاویل کا فرق	۶۷
۱۰۶	شان نزول	۶۸
۱۰۷	شان نزول کی تعریف	۶۹
۱۰۸	شان نزول کی اہمیت	۷۰
۱۰۸	شان نزول کے فوائد	۷۱
۱۱۳	اسباب نزول اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ	۷۲
	الف	
۱۱۵	قاعدہ نمبر ۱	أَلَا صَلُّ عَدَمُ تَكَرُّرِ النَّزُولِ۔
۱۱۹	قاعدہ نمبر ۲	أَلَا مَرُّ الْوَارِدِ بَعْدَ الْحَظْرِ يَعُودُ حُكْمُهُ إِلَى حُكْمِهِ قَبْلَ الْحَظْرِ۔



نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعدہ نمبر ۳	إِذَا اتَّحِدَا الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ لَفْظًا دَلَّ عَلَى الْفَخَامَةِ۔	۱۲۰
قاعدہ نمبر ۴	إِذَا تَعَدَّدَتِ الْمَرْوِيَّاتُ فِي سَبَبِ النُّزُولِ نُظِرَ إِلَى الثُّبُوتِ، فَاقْتَصِرَ عَلَى الصَّحِيحِ ثُمَّ الْعِبَارَةُ، فَاقْتَصِرَ عَلَى الصَّرِيحِ، فَإِنْ تَقَارَبَ الزَّمَانُ حُمِلَ عَلَى الْجَمِيعِ، وَإِنْ تَبَاعَدَ حُكِمَ بِتَكَرُّرِ النُّزُولِ أَوْ التَّرْجِيحِ۔	۱۲۲
قاعدہ نمبر ۵	إِذَا اجْتَمَعَ فِي الضَّمَانِ مُرَاعَاةُ اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى بُدِءَ بِاللَّفْظِ ثُمَّ بِالْمَعْنَى۔	۱۳۳
قاعدہ نمبر ۶	كُلَّمَا أَخْبَرَ اللَّهُ بِلَفْظٍ كَيْفَ عَن نَفْسِهِ فَهُوَ اسْتِخْبَارٌ عَلَى طَرِيقِ التَّنْبِيهِ لِلْمُخَاطَبِ أَوْ التَّوْبِيخِ۔	۱۳۵
قاعدہ نمبر ۷	إِذَا اسْتُدِلَّ بِالْفِعْلِ لِشَيْئَيْنِ وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَحَدِهِمَا يُقَدَّرُ لِلْآخِرِ فِعْلٌ يُنَاسِبُهُ عَلَى الْأَصَحِّ۔	۱۳۶
قاعدہ نمبر ۸	إِذَا تَعَاقَبَتِ الضَّمَانُ فَلَا أَصْلَ أَنْ يَتَّحِدَ مَرْجِعُهَا۔	۱۳۷
قاعدہ نمبر ۹	إِذَا تَعَدَّدَتِ الْجُمَلُ وَجَاءَ بَعْدَهَا ضَمِيرٌ جَمْعٍ فَهُوَ رَاجِعٌ إِلَى جَمِيعِهَا فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا أُخْتُصَّ بِالْأَخِيرَةِ۔	۱۳۹
قاعدہ نمبر ۱۰	إِذَا جَاءَتْ "مِنْ" قَبْلَ الْمُبْتَدَاءِ أَوْ الْفَاعِلِ أَوْ الْمَفْعُولِ فَهِيَ لِتَاكِيدِ النَّفْيِ وَزِيَادَةِ التَّنْكِيرِ وَالتَّنْصِيصِ فِي الْعُمُومِ۔	۱۴۱
قاعدہ نمبر ۱۱	إِذَا جَاءَ ذِكْرُ الطَّيِّبَاتِ فِي مَعْرِضِ الْإِنْعَامِ فَالْمَرَادُ الْمُسْتَلَذَاتُ وَإِذَا جَاءَ فِي مَعْرِضِ التَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيمِ فَالْمَرَادُ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ۔	۱۴۳
قاعدہ نمبر ۱۲	إِذَا اخْتَلَفَتِ الْأَلْفَاظُ وَكَانَ مَرْجِعُهَا إِلَى أَمْرٍ وَاحِدٍ لَمْ يُوجِبْ ذَلِكَ اخْتِلَافًا۔	۱۴۷

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعده نمبر ۱۳	إِذَا دَخَلَ حَرْفُ الْإِسْتِفْهَامِ عَلَى فِعْلِ التَّرَجُّيِ أَفَادَ تَقْرِيرَ مَا هُوَ مُتَوَقَّعٌ وَأَشْعَرَ بِأَنَّهُ كَائِنٌ-	۱۳۸
قاعده نمبر ۱۴	إِذَا دَخَلَتِ الْأَلِفُ وَاللَّامُ عَلَى إِسْمٍ مَوْصُوفٍ اِقْتَضَتْ أَنَّهُ أَحَقُّ بِتِلْكَ الصِّفَةِ مِنْ غَيْرِهِ-	۱۳۹
قاعده نمبر ۱۵	إِذَا دَخَلَتْ "قَدْ" عَلَى الْمُضَارِعِ الْمُسْنَدِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فِيهِ لِلتَّحْقِيقِ دَائِمًا-	۱۵۱
قاعده نمبر ۱۶	إِذَا دَخَلَتْ هَمْزَةُ الْإِسْتِفْهَامِ عَلَى رَأْيٍ اِمْتَنَعَ أَنْ تَكُونَ مِنْ رُؤْيَةِ الْبَصَرِ أَوْ رُؤْيَةِ الْقَلْبِ وَصَارَ بِمَعْنَى أَخْبَرَنِي-	۱۵۲
قاعده نمبر ۱۷	إِذَا رَتَّبَ الشَّارِعُ الْحُكْمَ عَلَى وَصْفٍ مُنَاسِبٍ فَإِنَّ ذَلِكَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ ثُبُوتَهُ لِأَجَلِهِ-	۱۵۳
قاعده نمبر ۱۸	إِذَا عَلِقَ الْأَمْرُ عَلَى شَرْطٍ أَوْ صِفَةٍ فَإِنَّهُ يَقْتَضِي التَّكْرَارَ-	۱۵۴
قاعده نمبر ۱۹	إِذَا كَانَ ثُبُوتُ شَيْءٍ أَوْ نَفْيُهُ يَدُلُّ عَلَى ثُبُوتِ آخَرَ أَوْ نَفْيِهِ فَالْأَوْلَى الْأَقْتِصَارُ عَلَى الدَّالِ مِنْهَا فَإِنَّ ذِكْرًا فَالْأَوْلَى تَأْخِيرُ الدَّالِ-	۱۵۶
قاعده نمبر ۲۰	إِذَا كَانَ فِي الْآيَةِ ضَمِيرٌ يُحْتَمَلُ عَوْدُهُ إِلَى أَكْثَرِ مَنْ مَذْكَورٍ وَأَمَكَّنَ الْحَمْلُ عَلَى الْجَمِيعِ حُمِلَ عَلَيْهِ-	۱۵۶
قاعده نمبر ۲۱	إِذَا كَانَ لِلِاسْمِ الْوَاحِدِ عِدَّةٌ مَعَانٍ حُمِلَ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ مَا يَقْتَضِيهِ ذَلِكَ السِّيَاقُ-	۱۵۷
قاعده نمبر ۲۲	إِذَا كَانَ مُتَعَلِّقُ الْخِطَابِ مَقْدُورًا حُمِلَ عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ غَيْرُ ذَلِكَ صُرِفَ الْخِطَابُ لِشَمْرَتِهِ أَوْ سَبَبِهِ-	۱۵۹

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعده نمبر ۲۳	إِذَا وَرَدَ مُضَافٌ وَ مُضَافٌ إِلَيْهِ وَ جَاءَ بَعْدَهُمَا ضَمِيرٌ فَالْأَصْلُ عَوْدُهُ لِلْمُضَافِ-	۱۶۲
قاعده نمبر ۲۴	إِذَا وَقَعَتِ النَّكِرَةُ فِي سِيَاقِ النَّفْيِ أَوْ النَّهْيِ أَوْ الشَّرْطِ أَوْ الِاسْتِفْهَامِ دَلَّتْ عَلَى الْعُمُومِ-	۱۶۳
قاعده نمبر ۲۵	الِاسْتِفْهَامُ الْبِنْكَارِ يَكُونُ مُضْمِنًا مَعْنَى النَّفْيِ-	۱۶۸
قاعده نمبر ۲۶	إِعَادَةُ الظَّاهِرِ بِمَعْنَاهُ أَحْسَنُ مِنْ إِعَادَتِهِ بِلَفْظِهِ وَإِعَادَتُهُ ظَاهِرًا بَعْدَ الطُّوْلِ أَحْسَنُ مِنَ الْبِضْمَارِ-	۱۶۸
قاعده نمبر ۲۷	الِاسْتِفْهَامُ عَقِيبَ ذِكْرِ الْمَعَايِبِ أَبْلَغُ مِنَ الْأَمْرِ بِتَرْكِهَا-	۱۷۰
قاعده نمبر ۲۸	الِاسْمُ الْمَوْصُولُ يُفِيدُ عَلَيْهِ الْحُكْمَ-	۱۷۳
قاعده نمبر ۲۹	الْأَصْلُ إِبْقَاءُ الْمُطْلَقِ عَلَى إِطْلَاقِهِ حَتَّى يَرِدَ مَا يُقَيِّدُهُ-	۱۸۰
قاعده نمبر ۳۰	الْأَصْلُ أَنَّ الْكَلَامَ يُؤَكَّدُ إِذَا كَانَ الْمُخَاطَبُ مُنْكَرًا أَوْ مُتَرَدِّدًا وَ يَتَفَاوَتُ التَّكْيِيدُ بِحَسَبِ قُوَّةِ الْبِنْكَارِ وَ ضَعْفِهِ-- وَ قَدْ يُؤَكَّدُ وَ الْمُخَاطَبُ غَيْرُ مُنْكَرٍ لِعَدَمِ جَرِيهِ عَلَى مُقْتَضَى إِقْرَارِهِ فَيُنْزَلُ مَنْزِلَةَ الْمُنْكَرِ-- وَ قَدْ يُتْرَكُ التَّكْيِيدُ مَعَ إِنْكَارِ الْمُخَاطَبِ لِوُجُودِ أَدَلَّةٍ ظَاهِرَةٍ لَوْ تَأَمَّلَهَا لَرَجَعَ عَنِ الْبِنْكَارِ-	۱۸۱
قاعده نمبر ۳۱	الْأَصْلُ أَنَّ مَا أُبْهِمَ فِي الْقُرْآنِ فَلَا طَائِلَ فِي مَعْرِفَتِهِ-	۱۸۴
قاعده نمبر ۳۲	الْأَصْلُ حَمْلُ نُصُوصِ الْوَحْيِ عَلَى ظَوَاهِرِهَا إِلَّا لِذَلِيلٍ-	۱۸۶
قاعده نمبر ۳۳	الْأَصْلُ فِي صِفَاتِ الْمَدْحِ أَنْ يُنْقَلَ فِيهَا مِنَ الْأَدْنَى إِلَى الْأَعْلَى وَ صِفَاتِ الذَّمِّ بِعَكْسِ ذَلِكَ-	۱۹۰

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعده نمبر ۳۴	الْبَطْلَانُ يَقْتَضِي الْمَسَاوَاةَ۔	۱۹۱
قاعده نمبر ۳۵	الْإِقْتِرَانُ الْوَارِدُ فِي الْقُرْآنِ بَيْنَ بَعْضِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنَى يَدُلُّ عَلَى مَزِيدٍ مِّنَ الْكَمَالَاتِ۔	۱۹۲
قاعده نمبر ۳۶	الْأَمْرُ الْمَطْلُوقُ يَقْتَضِي الْوُجُوبَ إِلَّا لِصَارِفٍ۔	۱۹۵
قاعده نمبر ۳۷	الْأَمْرُ الْمُعْلَقُ عَلَى اسْمٍ هَلْ يَقْتَضِي الْإِقْتِصَارَ عَلَى أَوَّلِهِ۔	۱۹۶
قاعده نمبر ۳۸	الْأَمْرُ بِالشَّيْءِ يَسْتَلْزِمُ النَّهْيَ عَنْ ضِدِّهِ۔	۱۹۸
قاعده نمبر ۳۹	الْأَمْرُ بِوَاحِدٍ مُّبْهَمٍ مِّنْ أَشْيَاءٍ مُّخْتَلِفَةٍ مُّعَيَّنَةٌ هَلْ يُوجِبُ وَاحِدًا مِنْهَا عَلَى اسْتِوَاءٍ۔	۱۹۹
قاعده نمبر ۴۰	الْأَمْرُ لِجَمَاعَةٍ يَقْتَضِي وَجُوبَهُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَّا لِذَلِيلٍ۔	۲۰۱
قاعده نمبر ۴۱	الْأَوْصَافُ الْمُخْتَصَّةُ بِالْإِنَاثِ إِنْ أُرِيدَ بِهَا الْفِعْلُ لِحَقِّهَا التَّاءُ وَإِنْ أُرِيدَ بِهَا الْقُوَّةُ جُرِدَتْ مِنَ التَّاءِ۔	۲۰۳
قاعده نمبر ۴۲	الْآيَاتُ الَّتِي تُؤْهِمُ التَّعَارُضَ يُحْمَلُ كُلُّ نَوْعٍ مِنْهَا عَلَى مَا يَلِيْقُ بِهِ وَيُنَاسِبُ الْمَقَامَ كُلُّ بِحَسْبِهِ۔	۲۰۴
قاعده نمبر ۴۳	الْبَيْمَانُ بِظَاهِرِ التَّنْزِيلِ فَرَضٌ وَ مَاعِدَاةٌ فَمَوْضُوعٌ عَنَّا تَكَلَّفُ عَمَلَهُ إِذَا لَمْ تَأْتِ بِالْبَيَانِ عَنْهُ دَلَالَةٌ مِنْ كِتَابٍ أَوْ خَبَرٍ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔	۲۰۶
قاعده نمبر ۴۴	التَّعَجُّبُ كَمَا يَدُلُّ عَلَى مَحَبَّةِ اللَّهِ الْفِعْلُ فَإِنَّهُ قَدْ يَدُلُّ عَلَى بُغْضِهِ أَوْ إِمْتِنَاعِهِ وَ عَدَمِ حُسْنِهِ أَوْ يَدُلُّ عَلَى حُسْنِ الْمَنْعِ مِنْهُ وَأَنَّهُ لَا يَلِيْقُ فِعْلُهُ۔	۲۰۸
قاعده نمبر ۴۵	التَّعْقِيبُ بِالْمَصْدَرِ يُفِيدُ التَّعْظِيمَ أَوْ الذَّمَّ۔	۲۰۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
قاعدہ نمبر ۴۶	التَّفْسِيرُ إِذَا بَنِيَ ثَابِتٌ أَوْ رَأَى صَائِبٌ وَمَا سِوَاهُمَا فَبَاطِلٌ۔	۲۱۰
قاعدہ نمبر ۴۷	التَّفْسِيرُ بَعْدَ الْبَاهِمِ يَدُلُّ عَلَى التَّهْوِيلِ وَالتَّعْظِيمِ۔	۲۱۱
قاعدہ نمبر ۴۸	إِنَّ الْأَلْفَاظَ الْمَوْجُودَةَ فِي الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ إِذَا عُرِفَ تَفْسِيرُهَا وَمَا أُرِيدَ مِنْ جِهَةِ النَّبِيِّ لَمْ يَحْتَجَّ فِي ذَلِكَ إِلَى الْبُسْتِدْلَالِ بِأَقْوَالِ أَهْلِ اللُّغَةِ وَلَا غَيْرِهِمْ۔	۲۱۲
قاعدہ نمبر ۴۹	إِنَّمَا يَتَنَاقَضُ الْخَبْرَانِ اللَّذَانِ أَحَدُهُمَا نَفِيٌّ وَالْآخَرُ إِثْبَاتٌ إِذَا اسْتَوِيََا فِي الْخَبَرِ وَالْمُخْبِرِ عَنْهُ وَفِي الْمُتَعَلِّقِ بِهِمَا وَفِي الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَفِي الْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ۔	۲۱۲
قاعدہ نمبر ۵۰	التَّقَدُّمُ فِي الذِّكْرِ لَا يَعْنِي التَّقَدُّمَ فِي الْوُقُوعِ وَالْحُكْمِ۔	۲۱۳
قاعدہ نمبر ۵۱	التَّكْرِيرُ يَدُلُّ عَلَى الْإِعْتِنَاءِ۔	۲۱۵
قاعدہ نمبر ۵۲	التَّنْصِيفُ عَلَى الشَّيْءِ لَا يُلْزَمُ مِنْهُ النَّفْيُ عَمَّا عَدَاهُ۔	۲۱۸
قاعدہ نمبر ۵۳	التَّوَكُّيدُ يَنْفِي إِحْتِمَالَ الْمَجَازِ۔	۲۱۹
قاعدہ نمبر ۵۴	الْجُمْلَةُ الْإِسْمِيَّةُ تَدُلُّ عَلَى الدَّوَامِ وَالشُّبُوتِ وَالْفِعْلِيَّةُ تَدُلُّ عَلَى التَّجَدُّدِ۔	۲۲۰
قاعدہ نمبر ۵۵	الْحُكْمُ الْمُعَلَّقُ عَلَى وَصْفٍ يَقْوَى بِقُوَّتِهِ وَيَنْقُصُ بِنَقْصِهِ۔	۲۲۱
قاعدہ نمبر ۵۶	الشَّرْطُ لَا يَقْتَضِي جَوَازَ الْوُقُوعِ۔	۲۲۲
قاعدہ نمبر ۵۷	الشَّيْءُ الْوَاحِدُ إِذَا ذُكِرَ بِصِفَتَيْنِ مُخْتَلِفَتَيْنِ جَازَ عَطْفُ أَحَدَاهُمَا عَلَى الْآخَرِ تَنْزِيلًا لِتَغَايُرِ الصِّفَاتِ بِمَنْزِلَةِ تَغَايُرِ الذَّوَاتِ۔	۲۲۴
قاعدہ نمبر ۵۸	الصِّفَةُ إِذَا وَقَعَتْ لِلنَّكِرَةِ فَهِيَ مُخَصَّصَةٌ وَإِنْ جَاءَتْ لِلْمَعْرِفَةِ فَهِيَ مُوَضَّحَةٌ۔	۲۲۸
قاعدہ نمبر ۵۹	الْعِبْرَةُ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ السَّبَبِ۔	۲۳۰

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعده نمبر ٦٠	العرب إذا افتخرت قد تخرج الخبر مخرج الخبر عن الجماعة وإن كان ما افتخرت به من فعل واحد منهم.	٢٣٥
قاعده نمبر ٦١	العرب إذا جاءت بين الكلامين بجددين كان الكلام إخباراً.	٢٣٥
قاعده نمبر ٦٢	العرب تحذف ما كفى منه الظاهر في الكلام إذا لم تشك في معرفة السامع مكان الحذف.	٢٣٦
قاعده نمبر ٦٣	العرب تكرر الشيء في الاستفهام استبعاداً له.	٢٣٤
قاعده نمبر ٦٤	العرب قد تخرج الكلام مخرج الأمر ومعناه الجزاء.	٢٣٨
قاعده نمبر ٦٥	العرب قد تعلق الأمر بزائل والمراد به التأييد.	٢٣٨
قاعده نمبر ٦٦	العطف يقتضي المغايرة بين المعطوف والمعطوف عليه مع اشتراكهما في الحكم الذي ذكر لهما.	٢٣٠
قاعده نمبر ٦٧	الغالب في القرآن وفي كلام العرب أن الجواب المحذوف يذكر قبله ما يدل عليه.	٢٣٣
قاعده نمبر ٦٨	الفاظ الشارع محمولة على المعاني الشرعية فإن لم تكن فالعرفية فإن لم تكن فاللغوية.	٢٣٥
قاعده نمبر ٦٩	الفعل في سياق النفي وما في معناه يفيد العموم.	٢٣٤
قاعده نمبر ٧٠	القرآن مشتمل على أصول الدين دلائله ومسائله أما تعريفه للأحكام فأكثره كلي لا جزئي.	٢٣٩
قاعده نمبر ٧١	الكلمة إذا احتملت وجوهاً لم يكن لأحد صرف معناها إلى بعض وجوهاً دون بعض إلا بحجة.	٢٥١
قاعده نمبر ٧٢	المحترزات في القرآن تقع في كل المواضع عند الحاجة إليها.	٢٥٢
قاعده نمبر ٧٣	المطلق يحمل على الكامل.	٢٥٢

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

قاعده نمبر ٤٣ النفي المقصود به المدح لا بد من أن يكون متضمنًا  
لإثبات كمال ضده.

قاعده نمبر ٤٥ النكرة إذا تكررت دلت على التعدد بخلاف المعرفة -

قاعده نمبر ٤٦ النكرة في سياق الإثبات لا تعم إلا إذا أضيف إليها كل  
أو كانت في سياق الإمتنان.

قاعده نمبر ٤٧ النهي عن اللزوم أبلغ في الدلالة على النهي عن الملزوم  
في النهي عنه ابتداءً.

قاعده نمبر ٤٨ إيراد الإنشاء بصيغة الخبر أبلغ من إرادته بصيغة الإنشاء.

## ب

قاعده نمبر ٤٩ بعض الأسماء الواردة في القرآن إذا أورد دل على المعنى  
العام المناسب له وإذا قرن مع غيره دل على بعض المعنى  
و دل ما قرن معه على باقيه.

## ت

قاعده نمبر ٨٠ تحمل الآية على المعنى الذي استفاض النقل فيه عن  
أهل العلم وإن كان غيره محتملاً.

قاعده نمبر ٨١ تحمل نصوص الكتاب على معهود الأئمة في الخطاب.

قاعده نمبر ٨٢ تفهم معاني الأفعال على ضوء ما تتعدى به.

قاعده نمبر ٨٣ تقديم العتاب على الفعل من الله تعالى لا يدل على تحريمه.

## ج

قاعده نمبر ٨٤ جميع الأسئلة المتعلقة بتوحيد الربوبية استفهامات تقريرية.

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

قاعده نمبر ۸۵ جَمِيعُ أَوْزَانِ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ بِاسْمِ الْفَاعِلِ إِنْ قُصِدَ بِهَا ۲۷۹  
الْحُدُوثُ وَالتَّجَدُّدُ جَاءَتْ عَلَى وَزْنِ "فَاعِلٌ" مُطْلَقًا وَإِنْ  
لَمْ يُقْصَدِ الْحُدُوثُ وَالتَّجَدُّدُ بَقِيَ عَلَى أَصْلِهِ-

قاعده نمبر ۸۶ جَمِيعُ مَا وَرَدَ فِي الْقُرْآنِ حِكَايَةً عَنْ غَيْرِ أَهْلِ اللِّسَانِ مِنَ الْقُرُونِ ۲۸۰  
الْخَالِيَةِ إِنَّمَا هُوَ مِنْ مَعْرُوفٍ مَعَانِيَهُمْ وَلَيْسَ بِحَقِيقَةِ الْفَاطِمِ-

قاعده نمبر ۸۷ جِنْسُ فِعْلِ الْمَأْمُورِ بِهِ أَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ تَرْكِ الْمَنْهَى عَنْهُ ۲۸۳  
وَجِنْسُ تَرْكِ الْمَأْمُورِ بِهِ أَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ فِعْلِ الْمَنْهَى عَنْهُ  
كَمَا أَنَّ مَثُوبَةَ آدَاءِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنْ مَثُوبَةِ تَرْكِ  
الْمُحَرَّمَاتِ وَالْعُقُوبَةُ عَلَى تَرْكِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنْ  
الْعُقُوبَةِ عَلَى فِعْلِ الْمُحَرَّمَاتِ-

ح

قاعده نمبر ۸۸ حَذْفُ جَوَابِ الشَّرْطِ يَدُلُّ عَلَى تَعْظِيمِ الْأَمْرِ وَشِدَّتِهِ فِي ۲۸۴  
مَقَامَاتِ الْوَعِيدِ-

قاعده نمبر ۸۹ حَيْثُ وَقَعَتْ "إِذْ" بَعْدَ "أَذْكَرُ" فَالْمُرَادُ بِهِ الْأَمْرُ بِالنَّظَرِ إِلَى ۲۸۵  
مَا اشْتَمَلَ عَلَيْهِ ذَلِكَ الزَّمَانُ لِغَرَابَةِ مَا وَقَعَ فِيهِ فَهُوَ جَدِيرٌ  
بِأَنْ يُنْظَرَ فِيهِ-

ز

قاعده نمبر ۹۰ زِيَادَةُ الْمَبْنِيِّ تَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْمَعْنَى (قُوَّةُ اللَّفْظِ لِقُوَّةِ الْمَعْنَى)- ۲۸۷

س

قاعده نمبر ۹۱ سَبْعَةُ أُمُورٍ يَنْدَفِعُ بِهَا الْإِشْكَالُ عَنِ التَّفْسِيرِ ۲۸۸



نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

قاعده نمبر ۹۲ سَبِيلُ الْوَاجِبَاتِ الْإِتْيَانُ بِالْمَصْدَرِ مَرْفُوعًا وَسَبِيلُ الْمُنْدُوبَاتِ الْإِتْيَانُ بِالْمَصْدَرِ مَنْصُوبًا۔

ص

قاعده نمبر ۹۳ صِيغَةُ التَّفْضِيلِ قَدْ تَطَلَّقَ فِي الْقُرْآنِ وَاللُّغَةِ مُرَادًا بِهَا الْإِتِّصَافُ لَا تَفْضِيلَ شَيْءٍ عَلَى شَيْءٍ۔

قاعده نمبر ۹۴ صِيغَةُ الْمُضَارِعِ بَعْدَ لَفْظَةِ "كَانَ" تَدُلُّ عَلَى كَثْرَةِ التَّكْرَارِ وَالْمُدَاوِمَةِ عَلَى ذَلِكَ الْفِعْلِ۔

ض

قاعده نمبر ۹۵ ضَمِيرُ الْغَائِبِ قَدْ يَعُودُ عَلَى غَيْرِ مَلْفُوظٍ بِهِ كَالَّذِي يُفَسِّرُهُ سِيَاقُ الْكَلَامِ۔

ع

قاعده نمبر ۹۶ عَطْفُ الْجُمْلَةِ الْإِسْمِيَّةِ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ يُفِيدُ الدَّوَامَ وَالثَّبَاتَ۔

قاعده نمبر ۹۷ عَطْفُ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ التَّنْبِيهُ عَلَى فَضْلِهِ حَتَّى كَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْعَامِّ تَنْزِيلًا لِلتَّغْيِيرِ فِي الْوَصْفِ مَنْزِلَةَ التَّغْيِيرِ فِي الذَّاتِ۔

قاعده نمبر ۹۸ عَطْفُ الْعَامِّ عَلَى الْخَاصِّ يَدُلُّ عَلَى التَّعْمِيمِ وَعَلَى أَهْمِيَّةِ الْأَوَّلِ۔

قاعده نمبر ۹۹ عِلْمُ الْمُبْهَمَاتِ مَوْقُوفٌ عَلَى النِّقْلِ الْمَحْضِ وَلَا مَجَالَ لِلرَّأْيِ فِيهِ۔

قاعده نمبر ۱۰۰ عِنْدَ عَطْفِ صِفَةٍ عَلَى صِفَةٍ لِمَوْصُوفٍ وَاحِدٍ فَالْأَفْصَحُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ تَرْكُ إِدْخَالِ الْوَاوِ وَإِذَا أُرِيدَ بِالْوَصْفِ الثَّانِي مَوْصُوفٌ آخَرٌ غَيْرُ الْأَوَّلِ أُدْخِلَتِ الْوَاوُ۔

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

## ف

قاعده نمبر ۱۰۱ فی تفسیر القرآن بمقتضی اللغه یراعی المعنی الاغلب  
والاشهر والافصح دون الشاذ او القلیل۔

## ق

قاعده نمبر ۱۰۲ قد یتجاذب اللفظة الواحدة المعنی ولإعراب فیتمسک  
بصححة المعنی و یؤول لصحة الإعراب۔

قاعده نمبر ۱۰۳ قد یشنی الضمیر مع کونه عائدا علی أحد المذکورین  
دون الآخر۔

قاعده نمبر ۱۰۴ قد یجیء الضمیر متصلا بشیء وهو لغيره عائدا علی  
ملابس ما هو له۔

قاعده نمبر ۱۰۵ قد یحتمل اللفظ عدة معانٍ و یكون أحدها هو الغالب  
استعمالاً فی القرآن فیقدم۔

قاعده نمبر ۱۰۶ قد یختلف اللفظان المعبر بهما عن الشیء الواحد  
فیستملح ذکرهما علی وجه التأكيد۔

قاعده نمبر ۱۰۷ قد یدکر شیئان و یعود الضمیر علی أحدهما إكتفاءً  
بذکره عن الآخر مع کون الجميع مقصوداً۔

قاعده نمبر ۱۰۸ قد یرد التکرار لتعدد المتعلق۔

قاعده نمبر ۱۰۹ قد یرد الخطاب بالشیء فی القرآن علی اعتقاد المخاطب  
دون ما فی نفس الأمر۔

قاعده نمبر ۱۱۰ قد یرد نفی الشیء مقیداً والمراد نفيه مطلقاً مبالغة فی  
النفی وتأكيداً له۔

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
قاعده نمبر ۱۱۱	قَدْ يَقْتَضِي الْمَقَامُ ذِكْرَ شَيْئَيْنِ بَيْنَهُمَا تَلَازُمٌ وَإِرْتِبَاطٌ فِيكْتَفَى بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْآخَرِ-	۳۲۷
قاعده نمبر ۱۱۲	قَدْ يَكُونُ اللَّفْظُ مُحْتَمَلًا لِمَعْنِيَيْنِ فِي مَوْضِعٍ وَيُعَيَّنُ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ-	۳۲۸
قاعده نمبر ۱۱۳	قَدْ يَكُونُ سَبَبُ النَّزُولِ وَاحِدًا وَالْآيَاتُ النَّزْلَةُ مُتَفَرِّقَةً وَالْعَكْسُ-	۳۳۰
قاعده نمبر ۱۱۴	قَدْ يَنْفَى الشَّيْءُ فِي الْقُرْآنِ رَأْسًا وَإِنْ كَانَتْ صُورَتُهُ مَوْجُودَةً لِعَدَمِ كَمَالِ وَصْفِهِ أَوْ لِانْتِفَاءِ ثَمَرَتِهِ-	۳۳۲
قاعده نمبر ۱۱۵	قَدْ يَرِدُ اللَّفْظُ فِي الْقُرْآنِ مُتَّصِلًا بِالْآخِرِ وَالْمَعْنَى عَلَى خِلَافٍ-	۳۳۴
قاعده نمبر ۱۱۶	قَدْ يَقْتَضِي الْكَلَامُ ذِكْرَ شَيْئَيْنِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى أَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُودُ-	۳۳۵

## ك

قاعده نمبر ۱۱۷	كَثِيرًا مَا تُخْتَمُ الْآيَاتُ الْقُرْآنِيَّةُ بِبَعْضِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنَى لِلتَّذْلِيلِ عَلَى أَنَّ الْحُكْمَ الْمَذْكُورَ لَهُ تَعَلُّقٌ بِذَلِكَ الْإِسْمِ الْكَرِيمِ-	۳۳۶
قاعده نمبر ۱۱۸	كُلُّ إِسْمٍ مَعْرِفَةٍ ذِي أَفْرَادٍ يُفِيدُ الْعُمُومَ-	۳۳۸
قاعده نمبر ۱۱۹	كُلُّ أَمْرٍ قَدْ عَلِقَ بِمَلَا يَكُونُ قَدَّ نَفِي كَوْنُهُ عَلَى أَعْدِ الْوُجُوهِ-	۳۴۰
قاعده نمبر ۱۲۰	كُلُّ حَرْفٍ زِيدَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ لِلتَّأَكِيدِ فَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ إِعَادَةِ الْجُمْلَةِ مَرَّةً أُخْرَى-	۳۴۱
قاعده نمبر ۱۲۱	كُلُّ حَرْفٍ لَهُ مَعْنَى مُتَبَادِرٌ ثُمَّ اسْتُعْمِلَ فِي غَيْرِهِ فَإِنَّهُ لَا يُتْرَكُ ذَلِكَ الْمَعْنَى الْمُتَبَادِرُ بِالْكُلِّيَّةِ بَلْ يَبْقَى فِيهِ رَائِحَةٌ مِنْهُ وَيَلَا حَظَّ مَعَهُ-	۳۴۲

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

قاعده نمبر ١٢٢ كُلُّ فِعْلٍ لِلَّهِ تَعَالَى مَذْكُورٌ فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ فِيهِ إِضْمَارٌ ٣٢٣

لَفِظِ الْجَلَالَةِ "اللَّهُ" وَإِنْ لَمْ يَسْبِقْ ذِكْرُهُ لِتَعَيُّنِهِ فِي الْعُقُولِ-

قاعده نمبر ١٢٣ كُلُّ مَا أَضَافَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَى نَفْسِهِ فَلَهُ مِنَ الْمَزِيَّةِ وَ ٣٢٣

الِاخْتِصَاصِ عَلَى غَيْرِهِ مَا أَوْجَبَ لَهُ الْإِصْطِفَاءَ وَالْإِجْتِبَاءَ-

قاعده نمبر ١٢٤ كُلُّ مَا كَانَ مِنَ الْأَوْصَافِ أَبْعَدَ مِنْ بِنْيَةِ الْفِعْلِ فَهُوَ أَبْلَغُ- ٣٢٥

قاعده نمبر ١٢٥ كُلُّ مَعْنَى مُسْتَنْبِطٍ مِنَ الْقُرْآنِ غَيْرِ جَارٍ عَلَى اللِّسَانِ ٣٢٦

الْعَرَبِيِّ فَلَيْسَ مِنْ عُلُومِ الْقُرْآنِ فِي شَيْءٍ-

قاعده نمبر ١٢٦ كَلِمًا عَظُمَ الْإِهْتِمَامُ كَثَرَ التَّكْيِيدُ- ٣٢٩

## ل

قاعده نمبر ١٢٧ لَا زَائِدَ فِي الْقُرْآنِ- ٣٥٠

قاعده نمبر ١٢٨ لَا يُبْحَثُ عَنْ مُبْهَمٍ أَخْبَرَ اللَّهُ بِاسْتِثْنَائِهِ بَعْلِيهِ- ٣٥١

قاعده نمبر ١٢٩ لَا يُقَدَّدُ مِنَ الْمَحْدُوفَاتِ إِلَّا أَفْصَحُهَا أَوْ أَشَدَّهَا مُوَافَقَةً لِلْغَرَضِ- ٣٥٢

قاعده نمبر ١٣٠ لَا يَكُونُ الْقَسَمُ إِلَّا بِاسْمِ مُعْظَمٍ- ٣٥٢

قاعده نمبر ١٣١ لَا يُمْتَنُّ بِمَمْنُوعٍ- ٣٥٦

قاعده نمبر ١٣٢ لَا يَحِلُّ الْقَوْلُ فِي أَسْبَابِ النُّزُولِ إِلَّا بِالرِّوَايَةِ وَالسَّمَاعِ ٣٥٤

مِمَّنْ شَاهَدُوا التَّنْزِيلَ وَوَقَفُوا عَلَى الْأَسْبَابِ-

قاعده نمبر ١٣٣ لِكُلِّ حَرْفٍ مِنْ حُرُوفِ الْمَعَانِي وَجْهٌ هُوَ أَوْلَى بِهِ مِنْ غَيْرِهِ ٣٥٨

فَلَا يَجُوزُ تَحْوِيلُ ذَلِكَ عَنْهُ إِلَى غَيْرِهِ إِلَّا بِحُجَّةٍ-

قاعده نمبر ١٣٤ لَمْ يَقَعْ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَكَرُّرٌ بَيْنَ مُتَجَاوِرِينَ- ٣٦١

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

م

- قاعده نمبر ١٣٥ مافی جسم الإنسان من أجزاء مفردة لا تتعدد إذا ضم إليها  
مثلها جاز فيها ثلاثة أوجه، الأول: الجمع وهو الأكثر و  
الأفصح، الثاني: التثنية، الثالث: اللفراد.
- قاعده نمبر ١٣٦ متى جاءت "بلى أو نعم" بعد كلام يتعلق بها الجواب  
وليس قبلها ما يصلح أن يكون جواباً له فاعلم أن هناك  
سوالاً مقدراً لفظه لفظ الجواب.
- قاعده نمبر ١٣٧ متى علق الله تعالى علمه بالأمور بعد وجودها كان المراد  
بذلك العلم الذي يترتب عليه الجزاء.
- قاعده نمبر ١٣٨ المقرر في علم الحديث أن تفسير الصحابي المتعلق  
بسبب النزول له حكم الرفع.
- قاعده نمبر ١٣٩ من شأن العرب إذا أرادت بيان الوعد أو الوعيد على  
فعل أن تخرج أسماء أهل بيته بذكر الجميع أو الواحد دون  
الاثنتين إلا إذا كان الفعل إنما يقع من اثنتين.
- قاعده نمبر ١٤٠ من شأن العرب إذا تناولت صفة الواحد الاعتراض  
بالمدح و الذم بالنصب أحياناً و بالرفع أحياناً.
- قاعده نمبر ١٤١ من شأن العرب إذا خاطبت إنساناً و ضمت إليه غائباً  
فأرادت الخبر عنه، إن تغلب المخاطب فيخرج الخبر  
عنهما على وجه الخطاب.
- قاعده نمبر ١٤٢ من شأن العرب إضافة أفعال الأسلاف إلى الأبناء و خطاب  
الأبناء و إضافة الفعل إليهم وهو لا بانهم.

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

قاعده نمبر ۱۴۳ من شأن العرب التّعبير عن الماضي بالمضارع لإفادته ۳۷۲

تصوير الحال الواقع عند حدوث الحدث.

قاعده نمبر ۱۴۴ من شأن العرب العطف بالكلام على معنى نظير له قد ۳۷۳

تقدمه وإن خالف لفظه لفظه.

قاعده نمبر ۱۴۵ من شأن العرب أن تبدى الكلام في أسلوب وتنتقل ۳۷۴

إلى أسلوب آخر تجديداً لنشاطه وذلك يسمى التفاتاً.

قاعده نمبر ۱۴۶ من شأن العرب أن تُخبر عن غير العاقل بخبر العاقل إذا ۳۷۸

نسبت إليه شيئاً من أفعال العقلاء.

قاعده نمبر ۱۴۷ من شأن العرب أن تدخل الألف واللام في خبر ما ۳۷۹

والذي إذا كان الخبر عن معهود قد عرفه المخاطب و

المخاطب وإنما ياتي بغير الألف واللام إذا كان الخبر

عن مجهول غير معهود ولا مقصود قصد شيء بعينه.

قاعده نمبر ۱۴۸ من شأن العرب أن تذكر شيئاً من الواحد أو التثنية أو ۳۸۰

الجمع والمراد غيرها كما تخاطب الواحد وتريد غيرها.

قاعده نمبر ۱۴۹ من شأن العرب أن تستكبر الجمع بين ثنتين في لفظ ۳۸۲

واحد.

قاعده نمبر ۱۵۰ من شأن العرب أن تُعبر بالماضي عن المستقبل تنبيهاً ۳۸۳

على تحقق الوقوع.

قاعده نمبر ۱۵۱ من شأن العرب أن يضمروا لكل معانٍ نكرةً كان أو ۳۸۵

معرفةً هذا وهذه.

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

قاعده نمبر ۱۵۲ مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ تَحْوِيلُ الْفِعْلِ عَنْ مَوْضِعِهِ إِذَا كَانَ الْمُرَادُ بِهِ مَعْلُومًا۔ ۳۸۵

قاعده نمبر ۱۵۳ مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِضَافَةُ الْفِعْلِ إِلَى مَنْ وَجِدَ مِنْهُ وَإِنْ كَانَ مُسَبَّبُهُ غَيْرَ الَّذِي وَجِدَ مِنْهُ أَحْيَانًا وَ أَحْيَانًا إِلَى مُسَبَّبِهِ وَإِنْ كَانَ الَّذِي وَجِدَ مِنْهُ الْفِعْلُ غَيْرَهُ۔ ۳۸۷

قاعده نمبر ۱۵۴ مَهْمَا أَمَكْنَ حَمَلُ الْفَآظِ الْقُرْآنِ عَلَى عَدَمِ التَّرَادُفِ فَهُوَ الْمَطْلُوبُ۔ ۳۸۸

قاعده نمبر ۱۵۵ مَهْمَا أَمَكْنَ حَمَلُ كَلَامِ الشَّارِعِ عَلَى التَّشْرِيعِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى مُجَرَّدِ الْإِخْبَارِ عَنِ الْوَاقِعِ۔ ۳۸۹

## ن

قاعده نمبر ۱۵۶ نَزُولُ الْقُرْآنِ تَارَةً يَكُونُ مَعَ تَقْرِيرِ الْحُكْمِ وَ تَارَةً يَكُونُ قَبْلَهُ وَ الْعَكْسُ۔ ۳۹۱

قاعده نمبر ۱۵۷ نَفْيُ الْأَدْنَى أَبْلَغُ مِنْ نَفْيِ الْأَعْلَى۔ ۳۹۳

قاعده نمبر ۱۵۸ نَفْيُ الْإِسْتِطَاعَةِ قَدْ يُرَادُ بِهِ نَفْيُ الْقُدْرَةِ وَ الْإِمْكَانِ وَ قَدْ يُرَادُ بِهِ نَفْيُ الْإِمْتِنَاعِ وَ قَدْ يُرَادُ بِهِ الْوُقُوعُ بِمَشَقَّةٍ وَ كَلْفَةٍ۔ ۳۹۴

قاعده نمبر ۱۵۹ نَفْيُ التَّفْضِيلِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَ الْمَسَاوَاةِ۔ ۳۹۶

قاعده نمبر ۱۶۰ نَفْيُ الْجِلِّ يَسْتَلْزِمُ التَّحْرِيمَ۔ ۳۹۸

قاعده نمبر ۱۶۱ نَفْيُ الذَّاتِ الْمَوْصُوفَةِ قَدْ يَكُونُ نَفْيًا لِلصِّفَةِ دُونَ الذَّاتِ وَ قَدْ يَكُونُ لِلذَّاتِ كَذَلِكَ۔ ۳۹۹

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
-----------	--------	-----------

قاعده نمبر ۱۶۲ نَفَى الْعَامِّ أَحْسَنُ مِنْ نَفَى الْخَاصِّ وَ اثْبَاتُ الْخَاصِّ أَحْسَنُ مِنْ اثْبَاتِ الْعَامِّ۔

و

قاعده نمبر ۱۶۳ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ وَ عَكْسُهُ إِنَّمَا يَكُونُ لِنُكْتَةٍ۔

ی

قاعده نمبر ۱۶۴ يَحْصُلُ بِبِجْبُوعِ الْمُتَرَادِفِينَ مَعْنَى لَا يُوْجَدُ عِنْدَ انْفِرَادِهِمَا

قاعده نمبر ۱۶۵ يُسْتَدَلُّ عَلَى انْفِرَاقِ مَعَانِي الْحُرُوفِ بِانْفِرَاقِ الْأَجْوِبَةِ عَنْهَا۔

قاعده نمبر ۱۶۶ يُقَلَّلُ الْمُقَدَّرُ مَهْمَا أَمَكَّنَ لِتَقَلِّ مُخَالَفَةُ الْأَصْلِ۔

۱۶۸۵۳



## موضوعات کی ترتیب پر قواعد ایک نظر میں

صفحہ نمبر	قواعد
-----------	-------

### نزول القرآن وما يتعلق به

قاعدة: لَا يَحِلُّ الْقَوْلُ فِي أَسْبَابِ النَّزُولِ إِلَّا بِالرِّوَايَةِ وَالسَّمَاعِ  
مِمَّنْ شَاهَدُوا التَّنْزِيلَ وَوَقَفُوا عَلَى الْأَسْبَابِ-

قاعدة: الْمَقْرَرُ فِي عِلْمِ الْحَدِيثِ أَنْ تَفْسِيرَ الصَّحَابِيِّ الْمُتَعَلِّقِ  
بِسَبَبِ النَّزُولِ لَهُ حُكْمُ الرَّفْعِ-

قاعدة: نُزُولُ الْقُرْآنِ تَارَةً يَكُونُ مَعَ تَقْرِيرِ الْحُكْمِ وَتَارَةً  
يَكُونُ قَبْلَهُ وَالْعَكْسُ-

قاعدة: الْأَصْلُ عَدَمُ تَكَرُّرِ النَّزُولِ-

قاعدة: قَدْ يَكُونُ سَبَبُ النَّزُولِ وَاحِدًا وَالْآيَاتُ النَّازِلَةُ  
مُتَفَرِّقَةً وَالْعَكْسُ-

قاعدة: إِذَا تَعَدَّدَتِ الْمَرْوِيَّاتُ فِي سَبَبِ النَّزُولِ نُظِرَ إِلَى  
الثُّبُوتِ، فَأَقْتَصِرَ عَلَى الصَّحِيحِ ثُمَّ الْعِبَارَةُ فَأَقْتَصِرَ  
عَلَى الصَّرِيحِ، فَإِنْ تَقَارَبَ الزَّمَانُ حِمِلَ عَلَى الْجَمِيعِ  
وَإِنْ تَبَاعَدَ حُكِمَ بِتَكَرُّرِ النَّزُولِ أَوْ التَّرْجِيحِ-

قواعد	صفحة نمبر
-------	-----------

قاعدة: الْعِبْرَةُ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ السَّبَبِ- ٢٣٠

### طريقة التفسير

قاعدة: التَّفْسِيرُ إِمَّا بِنَقْلِ ثَابِتٍ أَوْ رَأْيِ صَائِبٍ وَمَا سِوَاهُمَا فَبَاطِلٌ- ٢١٠

قاعدة: إِنَّ الْأَلْفَاطَ الْمَوْجُودَةَ فِي الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ إِذَا عُرِفَ تَفْسِيرُهَا وَمَا أُرِيدَ مِنْ جِهَةِ النَّبِيِّ لَمْ يَحْتَجَّ فِي ذَلِكَ إِلَى الْإِسْتِدْلَالِ بِأَقْوَالِ أَهْلِ اللُّغَةِ وَلَا غَيْرِهِمْ- ٢١٢

قاعدة: أَلْفَاطُ الشَّارِعِ مَحْمُولَةٌ عَلَى الْمَعَانِي الشَّرْعِيَّةِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَالْعُرْفِيَّةُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَاللُّغَوِيَّةُ- ٢٣٥

قاعدة: فِي تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ بِمُقْتَضَى اللُّغَةِ يُرَاعَى الْمَعْنَى الْأَغْلَبُ وَالْأَشْهُرُ وَالْأَفْصَحُ دُونَ الشَّاذِّ أَوْ الْقَلِيلِ- ٣١٠

قاعدة: قَدْ يَتَجَاذَبُ اللَّفْظَةُ الْوَاحِدَةُ الْمَعْنَى وَلِإِعْرَابِ فَيَتَمَسَّكُ بِصِحَّةِ الْمَعْنَى وَيُؤَوَّلُ لِصِحَّةِ الْإِعْرَابِ- ٣١٣

قاعدة: تُحْمَلُ نُصُوصُ الْكِتَابِ عَلَى مَعْنَى الْأَمِينِ فِي الْخُطَابِ- ٢٤٢

قاعدة: كُلُّ مَعْنَى مُسْتَنْبَطٍ مِنَ الْقُرْآنِ غَيْرِ جَارٍ عَلَى اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ فَلَيْسَ مِنْ عُلُومِ الْقُرْآنِ فِي شَيْءٍ- ٣٣٦

### القواعد اللغوية

قاعدة: صِيغَةُ الْمُضَارِعِ بَعْدَ لَفْظَةِ "كَانَ" تَدُلُّ عَلَى كَثْرَةِ ٢٩٤

التَّكْرَارِ وَالْمُدَاوِمَةِ عَلَى ذَلِكَ الْفِعْلِ-

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: الْجُمْلَةُ الْإِسْمِيَّةُ تَدُلُّ عَلَى الدَّوَامِ وَ الثُّبُوتِ وَ الْفِعْلِيَّةُ تَدُلُّ عَلَى التَّجَدُّدِ-

قاعدة: صِيغَةُ التَّفْضِيلِ قَدْ تَطَلَّقَ فِي الْقُرْآنِ وَ اللُّغَةِ مُرَادًا بِهَا أَلَّا تَصَافُ لَا تَفْضِيلَ شَيْئٍ عَلَى شَيْئٍ-

قاعدة: تَفْهَمُ مَعَانِيَ الْأَفْعَالِ عَلَى ضَوْءِ مَا تَتَعَدَّى بِهِ-

قاعدة: التَّعْقِيبُ بِالْمَصْدَرِ يُفِيدُ التَّعْظِيمَ أَوْ الذَّمَّ-

قاعدة: مَا فِي جِسْمِ الْبِنْسَانِ مِنْ أَجْزَاءٍ مُفْرَدَةٍ لَا تَتَعَدَّدُ إِذَا ضُمَّ إِلَيْهَا مِثْلُهَا جَازَ فِيهَا ثَلَاثَةٌ أَوْجِهٍ، الْأَوَّلُ: الْجَمْعُ وَ هُوَ الْأَكْثَرُ وَ الْأَقْصَحُ الثَّانِي: الثَّنِيَّةُ الثَّلَاثُ: الْبِأَفْرَادٍ-

### وجوه المخاطبات

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَبْتَدِيَ الْكَلَامَ فِي أُسْلُوبٍ وَتَنْتَقِلَ إِلَى أُسْلُوبٍ آخَرَ تَجْدِيدًا لِنَشَاطِهِ وَ ذَلِكَ يُسَمَّى التَّفَاتًا-

قاعدة: سَبِيلُ الْوَأَجِبَاتِ الْبَيِّنَاتِ بِالْمَصْدَرِ مَرْفُوعًا وَسَبِيلُ الْمُنْدُوبَاتِ الْإِتْيَانِ بِالْمَصْدَرِ مَنْصُوبًا-

قاعدة: الْعَرَبُ قَدْ تَعَلَّقَ الْأَمْرَ بِزَائِلٍ وَ الْمُرَادُ بِهِ التَّابِيدُ-

قاعدة: قَدْ يَرِدُ الْخِطَابُ بِالشَّيْءِ فِي الْقُرْآنِ عَلَى إِعْتِقَادِ الْمُخَاطَبِ دُونَ مَا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ-

قواعد	صفحة نمبر
-------	-----------

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ التَّعْبِيرُ عَنِ الْمَاضِي بِالْمُضَارِعِ لِإِفَادَةِ  
تَصْوِيرِ الْحَالِ الْوَاقِعِ عِنْدَ حَدُوثِ الْحَدِيثِ-

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تُعَبَّرَ بِالْمَاضِي عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ  
تَنْبِيْهَا عَلَى تَحَقُّقِ الْوُقُوعِ-

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِذَا خَاطَبَتْ إِنْسَانًا وَضَمَّتْ إِلَيْهِ غَائِبًا  
فَأَرَادَتْ الْخَبَرَ عَنْهُ، إِنْ تَغَلَّبَ الْمُخَاطَبُ فَيُخْرِجُ الْخَبَرَ  
عَنْهَا عَلَى وَجْهِ الْخِطَابِ-

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِضَافَةُ الْفِعْلِ إِلَى مَنْ وَجِدَ مِنْهُ وَإِنْ  
كَانَ مُسَبَّبُهُ غَيْرَ الَّذِي وَجِدَ مِنْهُ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا إِلَى  
مُسَبَّبِهِ وَإِنْ كَانَ الَّذِي وَجِدَ مِنْهُ الْفِعْلُ غَيْرَهُ-

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ تَحْوِيلُ الْفِعْلِ عَنْ مَوْضِعِهِ إِذَا كَانَ  
الْمُرَادُ بِهِ مَعْلُومًا-

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تُخْبَرَ عَنْ غَيْرِ الْعَاقِلِ بِخَبَرِ  
الْعَاقِلِ إِذَا نَسَبَتْ إِلَيْهِ شَيْئًا مِنْ أَفْعَالِ الْعُقْلَاءِ-

قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تُدْخَلَ الْأَلِفُ وَاللَّامُ فِي خَبَرِ مَا  
وَالَّذِي إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَنْ مَعْهُودٍ قَدْ عَرَفَهُ الْمُخَاطَبُ  
وَالْمُخَاطَبُ وَإِنَّمَا يَأْتِي بِغَيْرِ الْأَلِفِ وَاللَّامِ إِذَا كَانَ الْخَبَرُ  
عَنْ مَجْهُولٍ غَيْرِ مَعْهُودٍ وَلَا مَقْصُودٍ قَصْدَ شَيْءٍ بَعِيْنِهِ-

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

٢٣٨ قاعدة: الْعَرَبُ قَدْ تُخْرِجُ الْكَلَامَ مَخْرَجَ الْأَمْرِ وَمَعْنَاهُ الْجَزَاءُ-

٣٣٣ قاعدة: قَدِيرُ اللَّفْظِ فِي الْقُرْآنِ مُتَّصِلًا بِالْآخِرِ وَالْمَعْنَى عَلَى خِلَافٍ-

٢٣٥ قاعدة: الْعَرَبُ إِذَا افْتَخَرَتْ قَدْ تُخْرِجُ الْخَبَرَ مَخْرَجَ الْخَبْرِ عَنِ الْجَمَاعَةِ وَإِنْ كَانَ مَا افْتَخَرَتْ بِهِ مِنْ فِعْلٍ وَاحِدٍ مِنْهُمْ-

٣٤١ قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِضَافَةُ أَفْعَالِ الْأَسْلَافِ إِلَى الْأَبْنَاءِ وَخِطَابِ الْأَبْنَاءِ وَإِضَافَةُ الْفِعْلِ إِلَيْهِمْ وَهُوَ لَا بَأْسَ بِهِمْ-

٣٢٩ قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِذَا تَطَاوَلَتْ صِفَةُ الْوَاحِدِ الْإِعْتِرَاضُ بِالْمَدْحِ وَالذَّمِّ بِالنَّصْبِ أَحْيَانًا وَبِالرَّفْعِ أَحْيَانًا-

٣٨٥ قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَذُكَّرَ شَيْئًا مِنَ الْوَاحِدِ أَوِ التَّثْنِيَةِ أَوِ الْجَمْعِ وَالْمُرَادُ غَيْرُهُ كَمَا تُخَاطَبُ الْوَاحِدَ وَتُرِيدُ غَيْرَهُ-

٣٦٨ قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِذَا أَرَادَتْ بَيَانَ الْوَعْدِ أَوِ الْوَعِيدِ عَلَى فِعْلٍ أَنْ تُخْرِجَ أَسْمَاءَ أَهْلِهِ بِذِكْرِ الْجَمِيعِ أَوِ الْوَاحِدِ دُونَ الْإِثْنَيْنِ إِلَّا إِذَا كَانَ الْفِعْلُ إِنَّمَا يَقَعُ مِنْ إِثْنَيْنِ-

٣٨٢ قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَسْتَكْرِهَ الْجَمْعَ بَيْنَ ثِنْتَيْنِ فِي لَفْظٍ وَاحِدٍ-

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

## الإظهار والإضمار

- قاعدة: وَضَعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ المُضْمَرِ وَعَكْسُهُ إِنَّمَا يَكُونُ لِنُكْتَةٍ  
٣٠١
- قاعدة: إِعَادَةُ الظَّاهِرِ بِمَعْنَاهُ أَحْسَنُ مِنْ إِعَادَتِهِ بِلَفْظِهِ وَإِعَادَتُهُ  
١٦٨ ظَاهِرًا بَعْدَ الطُّوْلِ أَحْسَنُ مِنَ الْإِضْمَارِ-
- قاعدة: مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ يُضْمِرُوا لِكُلِّ مُعَايِنٍ نِكْرَةً كَانَ  
٣٨٥ أَوْ مَعْرِفَةً هَذَا وَهَذِهِ-
- قاعدة: كُلُّ فِعْلٍ لِلَّهِ تَعَالَى مَذْكُورٌ فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ فِيهِ  
٣٣٣ إِضْمَارُ لَفْظِ الْجَلَالَةِ "اللَّهُ" وَإِنْ لَمْ يَسْبِقْ ذِكْرُهُ لِتَعْيِينِهِ فِي الْعَقُولِ-
- قاعدة: إِذَا اسْتُدِلَّ بِالْفِعْلِ لِشَيْئَيْنِ وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَحَدِهِمَا  
١٣٦ يُقَدَّرُ لِلْآخِرِ فِعْلٌ يَنَاسِبُهُ عَلَى الْأَصَحِّ-

## الزيادة والحذف والتقرير

- قاعدة: لَا زَائِدَ فِي الْقُرْآنِ-  
٣٥٠
- قاعدة: زِيَادَةُ الْمَبْنِيِّ تَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْمَعْنَى (قُوَّةُ اللَّفْظِ لِقُوَّةِ  
٢٨٤ الْمَعْنَى)-
- قاعدة: يَحْصُلُ بِمَجْمُوعِ الْمُتَرَادِفِينَ مَعْنَى لَا يُوجَدُ عِنْدَ  
٣٠٣ إِنْفِرَادِهِمَا
- قاعدة: كُلُّ حَرْفٍ زِيدَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ لِلتَّكْيِيدِ فَهُوَ قَائِمٌ  
٣٣١ مَقَامَ إِعَادَةِ الْجُمْلَةِ مَرَّةً أُخْرَى-

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: ٢٣٦: الْعَرَبُ تَحْذِفُ مَا كَفَى مِنْهُ الظَّاهِرُ فِي الْكَلَامِ إِذَا لَمْ تَشْكُ فِي مَعْرِفَةِ السَّامِعِ مَكَانَ الْحَذْفِ-

قاعدة: ٢٣٣: الْغَالِبُ فِي الْقُرْآنِ وَفِي كَلَامِ الْعَرَبِ أَنَّ الْجَوَابَ الْمَحْذُوفَ يُذَكِّرُ قَبْلَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ-

قاعدة: ٣٦٢: مَتَى جَاءَتْ "بَلَى أَوْ نَعَمْ" بَعْدَ كَلَامٍ يَتَعَلَّقُ بِهَا الْجَوَابُ وَلَيْسَ قَبْلَهَا مَا يَصْلَحُ أَنْ يَكُونَ جَوَابًا لَهُ فَاعْلَمْ أَنَّ هُنَاكَ سُؤَالَ مُقَدَّرًا لَفْظُهُ لَفْظُ الْجَوَابِ-

قاعدة: ١٥٦: إِذَا كَانَ ثُبُوتُ شَيْءٍ أَوْ نَفْيُهُ يَدُلُّ عَلَى ثُبُوتِ آخَرَ أَوْ نَفْيِهِ فَالْأَوْلَى الْأَقْتِصَارُ عَلَى الدَّالِ مِنْهَا فَإِنْ ذُكِرَا فَالْأَوْلَى تَأْخِيرُ الدَّالِ-

قاعدة: ٢٨٣: حَذْفُ جَوَابِ الشَّرْطِ يَدُلُّ عَلَى تَعْظِيمِ الْأَمْرِ وَشِدَّتِهِ فِي مَقَامَاتِ الْوَعِيدِ-

قاعدة: ٣٣٥: قَدْ يَقْتَضِي الْكَلَامُ ذِكْرَ شَيْئَيْنِ فَيُقْتَصَرُ عَلَى أَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُودُ-

قاعدة: ٣٢٤: قَدْ يَقْتَضِي الْمَقَامُ ذِكْرَ شَيْئَيْنِ بَيْنَهُمَا تَلَازُمٌ وَإِرْتِبَاطٌ فَيُكْتَفَى بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْآخَرِ-

قاعدة: ٣٥٣: لَا يُقَدَّرُ مِنَ الْمَحْذُوفَاتِ إِلَّا أَفْصَحُهَا أَوْ أَشَدَّهَا مُوَافَقَةً لِلْغَرَضِ-

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: يُقَلُّ الْمُقَدَّرُ مَهْمَا أُمُكِنَ لِتَقَلِّ مُخَالَفَةُ الْأَصْلِ - ٢٠٢

### التقديم والتأخير

قاعدة: التَّقْدُمُ فِي الذِّكْرِ لَا يَعْنِي التَّقَدُّمَ فِي الْوُقُوعِ وَ الْحُكْمِ - ٢١٣

### الأدوات التي يحتاج إليها المفسر

قاعدة: كُلُّ حَرْفٍ لَهُ مَعْنَى مُتَبَادِرٌ ثُمَّ اسْتُعْمِلَ فِي غَيْرِهِ فَإِنَّهُ لَا يُتْرَكُ ذَلِكَ الْمَعْنَى الْمُتَبَادِرُ بِالْكُلِّيَّةِ بَلْ يَبْقَى فِيهِ رَائِحَةٌ مِنْهُ وَيُلاحَظُ مَعَهُ - ٣٢٢

قاعدة: يُسْتَدَلُّ عَلَى إِفْتِرَاقِ مَعَانِي الْحُرُوفِ بِإِفْتِرَاقِ الْأَجُوبَةِ عَنْهَا - ٢٠٣

قاعدة: لِكُلِّ حَرْفٍ مِنْ حُرُوفِ الْمَعَانِي وَجْهٌ هُوَ أَوْلَى بِهِ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يَجُوزُ تَحْوِيلُ ذَلِكَ عَنْهُ إِلَى غَيْرِهِ إِلَّا بِحُجَّةٍ - ٣٥٨

قاعدة: إِذَا جَاءَتْ "مِنْ" قَبْلَ الْمُبْتَدَأِ أَوِ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُولِ فَهِيَ لِتَأْكِيدِ النَّفْيِ وَزِيَادَةِ التَّنْكِيرِ وَالتَّنْصِيصِ فِي الْعُمُومِ - ١٢١

قاعدة: إِذَا دَخَلَتْ "قَدْ" عَلَى الْمُضَارِعِ الْمُسْنَدِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَهِيَ لِلتَّحْقِيقِ دَائِمًا - ١٥١

قاعدة: إِذَا دَخَلَتْ الْأَلِفُ وَاللَّامُ عَلَى اسْمٍ مَوْصُوفٍ اقْتَضَتْ أَنَّهُ أَحَقُّ بِتِلْكَ الصِّفَةِ مِنْ غَيْرِهِ - ١٢٩



صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: ١٤٣: الْإِسْمُ الْمَوْصُولُ يُفِيدُ عَلَيْهِ الْحُكْمَ.

### الضمائر

قاعدة: ١٥٦: إِذَا كَانَ فِي الْآيَةِ ضَمِيرٌ يُحْتَمَلُ عَوْدُهُ إِلَى أَكْثَرِ مِنْ مَذْكُورٍ وَأَمَكَّنَ الْحَمْلُ عَلَى الْجَمِيعِ حُمِلَ عَلَيْهِ.

قاعدة: ١٦٢: إِذَا وَرَدَ مُضَافٌ وَمُضَافٌ إِلَيْهِ وَجَاءَ بَعْدَهُمَا ضَمِيرٌ فَلَا صُلَّ عَوْدُهُ لِلْمُضَافِ.

قاعدة: ٣١٦: قَدْ يَجِيءُ الضَّمِيرُ مُتَّصِلًا بِشَيْءٍ وَهُوَ لِغَيْرِهِ عَائِدًا عَلَى مُلَابِسٍ مَا هُوَ لَهُ.

قاعدة: ١٣٣: إِذَا اجْتَمَعَ فِي الضَّمَائِرِ مُرَاعَاةُ اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى بُدِءَ بِاللَّفْظِ ثُمَّ بِالْمَعْنَى.

قاعدة: ٣٢١: قَدْ يُذَكَّرُ شَيْئَانِ وَيَعُودُ الضَّمِيرُ عَلَى أَحَدِهِمَا إِكْتِفَاءً بِذِكْرِهِ عَنِ الْآخِرِ مَعَ كَوْنِ الْجَمِيعِ مَقْصُودًا.

قاعدة: ٣١٥: قَدْ يُثْنَى الضَّمِيرُ مَعَ كَوْنِهِ عَائِدًا عَلَى أَحَدِ الْمَذْكُورَيْنِ دُونَ الْآخِرِ.

قاعدة: ٢٩٨: ضَمِيرُ الْغَائِبِ قَدْ يَعُودُ عَلَى غَيْرِ مَلْفُوظٍ بِهِ كَالَّذِي يُفَسِّرُهُ سِيَاقُ الْكَلَامِ.

قاعدة: ١٣٩: إِذَا تَعَدَّدَتِ الْجُمَلُ وَجَاءَ بَعْدَهَا ضَمِيرٌ جَمَعَ فَهُوَ رَاجِعٌ إِلَى جَمِيعِهَا فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا أُخْتُصَّ بِالْأَخِيرَةِ.

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: إِذَا تَعَاقَبَتِ الضَّمَائِرُ فَالْأَصْلُ أَنْ يَتَّحِدَ مَرَّجُعُهَا۔  
١٣٤

### الأسماء في القرآن

قاعدة: إِذَا كَانَ لِلِاسْمِ الْوَاحِدِ عِدَّةٌ مَعَانٍ حُمِلَ فِي كُلِّ  
مَوْضِعٍ مَا يَقْتَضِيهِ ذَلِكَ السِّيَاقُ۔  
١٥٤

قاعدة: بَعْضُ الْأَسْمَاءِ الْوَارِدَةِ فِي الْقُرْآنِ إِذَا أُفْرِدَ دَلَّ عَلَى  
الْمَعْنَى الْعَامِ الْمُنَاسِبِ لَهُ وَإِذَا قُرِنَ مَعَ غَيْرِهِ دَلَّ عَلَى  
بَعْضِ الْمَعْنَى وَدَلَّ مَا قُرِنَ مَعَهُ عَلَى بَاقِيهِ۔  
٢٦٤

### العطف

قاعدة: عَطْفُ الْعَامِّ عَلَى الْخَاصِّ يَدُلُّ عَلَى التَّعْمِيمِ وَعَلَى  
أَهْمِيَّةِ الْأَوَّلِ۔  
٣٠٢

قاعدة: عَطْفُ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ التَّنْبِيهُ عَلَى فَضْلِهِ حَتَّى كَأَنَّهُ  
لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْعَامِّ تَنْزِيلًا لِلتَّغَايُرِ فِي الْوَصْفِ  
مَنْزِلَةَ التَّغَايُرِ فِي الدَّاتِ۔  
٣٠٠

قاعدة: عِنْدَ عَطْفِ صِفَةٍ عَلَى صِفَةٍ لِمَوْصُوفٍ وَاحِدٍ  
فَالْأَفْصَحُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ تَرْكُ ادِّخَالِ الْوَاوِ وَإِذَا  
أُرِيدَ بِالْوَصْفِ الثَّانِي مَوْصُوفٍ آخَرَ غَيْرِ الْأَوَّلِ  
أُدْخِلَتِ الْوَاوُ۔  
٣٠٨

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: الشئ الواحد إذا ذكر بصفتين مختلفتين جاز عطف  
 ٢٢٣ إحداهما على الأخرى تنزيلاً لتغاير الصفات بمنزلة  
 تغاير الذوات.

قاعدة: العطف يقتضى المغايرة بين المعطوف والمعطوف  
 ٢٢٠ عليه مع اشتراكهما فى الحكم الذى ذكر لهما.

قاعدة: عطف الجملة الاسمية تلى الفعلية يفيد الدوام و  
 ٢٩٩ الثبات.

قاعدة: من شأن العرب العطف بالكلام على معنى نظير له  
 ٣٤٣ قد تقدمه وإن خالف لفظه لفظه.

### والوصف

قاعدة: كل ما كان من الأوصاف أبعد من بنية الفعل فهو أبلغ  
 ٣٢٥

قاعدة: الصفة إذا وقعت للنكرة فهي مخصصة وإن جاءت  
 ٢٢٨ للمعرفة فهي موصحة.

قاعدة: الأوصاف المختصة بالإناث إن أريد بها الفعل لحقها  
 ٢٠٣ التاء وإن أريد بها القوة جردت من التاء.

قاعدة: جميع أوزان الصفة المشبهة باسم الفاعل إن قصد بها  
 ٢٤٩ الحدوث والتجدد جاءت على وزن "فاعل" مطلقاً  
 وإن لم يقصد الحدوث والتجدد بقى على أصله.

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: الْأَصْلُ فِي صِفَاتِ الْمَدْحِ أَنْ يُنْقَلَ فِيهَا مِنَ الْأَدْنَى إِلَى الْأَعْلَى وَصِفَاتِ الذَّمِّ بِعَكْسِ ذَلِكَ -

### التوكيد

قاعدة: التَّوَكِيدُ يَنْفِي إِحْتِمَالَ الْمَجَازِ -

قاعدة: كَلِمًا عَظِيمًا إِهْتِمَامًا كَثُرَ التَّائِيدُ -

قاعدة: الْأَصْلُ أَنَّ الْكَلَامَ يُؤَكَّدُ إِذَا كَانَ الْمُخَاطَبُ مُنْكَرًا أَوْ مُتَرَدِّدًا وَتَفَاوَتُ التَّائِيدُ بِحَسَبِ قُوَّةِ الْإِنْكَارِ وَضَعْفِهِ - - وَقَدْ يُؤَكَّدُ وَالْمُخَاطَبُ غَيْرُ مُنْكَرٍ لِعَدَمِ جَرِيهِ عَلَى مُقْتَضَى إِقْرَارِهِ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الْمُنْكَرِ - - وَقَدْ يُتْرَكُ التَّائِيدُ مَعَ إِنْكَارِ الْمُخَاطَبِ لَوْجُودِ أُدْلَةٍ ظَاهِرَةٍ لَوْ تَأَمَّلَهَا لَرَجَعَ عَنِ الْإِنْكَارِ -

### الترادف

قاعدة: مَهْمَا أَمَكَنَّ حَمْلُ الْفَظِ الْقُرْآنِ عَلَى عَدَمِ التَّرَادُفِ فَهُوَ الْمَطْلُوبُ -

قاعدة: قَدْ يَخْتَلِفُ اللَّفْظَانِ الْمُعْبَّرُ بِهِمَا عَنِ الشَّيْءِ الْوَاحِدِ فَيُسْتَمْلَحُ ذِكْرُهُمَا عَلَى وَجْهِ التَّائِيدِ -

### القسم في القرآن

قاعدة: لَا يَكُونُ الْقَسْمُ إِلَّا بِاسْمِ مُعْظَمٍ -

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

## الأمر والنهي

قاعدة: الأَمْرُ الْمُطْلَقُ يَقْتَضِي الْوَجُوبَ إِلَّا لِصَارِفٍ - ١٩٥

قاعدة: الأَمْرُ بِالشَّيْءِ يَسْتَلْزِمُ النَّهْيَ عَن ضِدِّهِ - ١٩٨

قاعدة: إِذَا عَلِقَ الأَمْرُ عَلَى شَرْطٍ أَوْ صِفَةٍ فَإِنَّهُ يَقْتَضِي التَّكْرَارَ - ١٥٣

قاعدة: الأَمْرُ الْوَارِدُ بَعْدَ الْحَظْرِ يَعُودُ حُكْمُهُ إِلَى حُكْمِهِ قَبْلَ الْحَظْرِ - ١١٩

قاعدة: الأَمْرُ الْمُعَلَّقُ عَلَى إِسْمٍ هَلْ يَقْتَضِي الْإِقْتِصَارَ عَلَى أَوَّلِهِ - ١٩٦

قاعدة: الأَمْرُ بِوَاحِدٍ مُبْهَمٍ مِنْ أَشْيَاءٍ مُخْتَلِفَةٍ مُعَيَّنَةٌ هَلْ يُوجِبُ وَاحِدًا مِنْهَا عَلَى إِسْتِوَاءٍ - ١٩٩

قاعدة: الأَمْرُ لِجَمَاعَةٍ يَقْتَضِي وَجُوبَهُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَّا لِذَلِيلٍ - ٢٠١

قاعدة: جِنْسُ فِعْلِ المَأْمُورِ بِهِ أَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ تَرْكِ المَنْهَى عَنْهُ وَجِنْسُ تَرْكِ المَأْمُورِ بِهِ أَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ فِعْلِ المَنْهَى عَنْهُ كَمَا أَنَّ مَثُوبَةَ أَدَاءِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنْ مَثُوبَةِ تَرْكِ المَحْرَمَاتِ وَالعُقُوبَةُ عَلَى تَرْكِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنَ الْعُقُوبَةِ عَلَى فِعْلِ المَحْرَمَاتِ - ٢٨٣

قواعد	صفحة نمبر
-------	-----------

قاعدة: النَّهْيُ عَنِ اللَّازِمِ أَبْلَغُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى النَّهْيِ عَنِ  
الْمَلْزُومِ فِي النَّهْيِ عَنْهُ ابْتِدَاءً- ٢٦٣

قاعدة: إِرَادُ الْإِنْشَاءِ بِصِغَةِ الْخَبْرِ أَبْلَغُ مِنْ إِرَادِهِ بِصِغَةِ  
الْإِنْشَاءِ- ٢٦٦

### النفي

قاعدة: نَفْيُ الْعَامِّ أَحْسَنُ مِنْ نَفْيِ الْخَاصِّ وَإِثْبَاتُ الْخَاصِّ  
أَحْسَنُ مِنْ إِثْبَاتِ الْعَامِّ- ٢٠٠

قاعدة: نَفْيُ الْأَدْنَى أَبْلَغُ مِنْ نَفْيِ الْأَعْلَى- ٣٩٣

قاعدة: الْعَرَبُ إِذَا جَاءَتْ بَيْنَ الْكَلَامَيْنِ بِجَحْدَيْنِ كَانَ  
الْكَلَامُ إِخْبَارًا- ٢٣٥

قاعدة: نَفْيُ الْإِسْطِطَاعَةِ قَدْ يُرَادُ بِهِ نَفْيُ الْقُدْرَةِ وَالْإِمْكَانِ  
وَقَدْ يُرَادُ بِهِ نَفْيُ الْإِمْتِنَاعِ وَقَدْ يُرَادُ بِهِ الْوُقُوعُ  
بِمَشَقَّةٍ وَكُلْفَةٍ- ٣٩٢

قاعدة: كُلُّ أَمْرٍ قَدْ عَلِقَ بِمَا لَا يَكُونُ فَقَدْ نَفِيَ كَوْنَهُ عَلَى  
أَبْعَدِ الْوُجُوهِ- ٣٢٠

قاعدة: قَدْ يَرِدُ نَفْيُ الشَّيْءِ مُقَيَّدًا وَالْمُرَادُ نَفْيُهُ مُطْلَقًا مُبَالِغَةً  
فِي النَّفْيِ وَتَاكِيدًا لَهُ- ٣٢٦

قاعدة: نَفْيُ التَّفْضِيلِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَ الْمَسَاوَاةِ- ٣٩٦

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: نَفَى الْجِلِّ يَسْتَلْزِمُ التَّحْرِيمَ - ٣٩٨

قاعدة: قَدْ يُنْفَى الشَّيْءُ فِي الْقُرْآنِ رَأْسًا وَإِنْ كَانَتْ صُورَتُهُ  
مَوْجُودَةً لِعَدَمِ كَمَالِ وَصْفِهِ أَوْ لِانْتِفَاءِ ثَمَرَتِهِ - ٣٣٢

قاعدة: نَفَى الذَّاتِ الْمَوْصُوفَةِ قَدْ يَكُونُ نَفْيًا لِلصِّفَةِ دُونَ  
الذَّاتِ وَقَدْ يَكُونُ لِلذَّاتِ كَذَلِكَ - ٣٩٩

قاعدة: النَّفْيُ الْمَقْصُودُ بِهِ الْمَدْحُ لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ مُتَضَمِّنًا  
لِلْإِثْبَاتِ كَمَالِ ضِدِّهِ - ٢٥٢

### الاستفهام

قاعدة: الْإِسْتِفْهَامُ عَقِيبَ ذِكْرِ الْمَعَايِبِ أَبْلَغُ مِنَ الْأَمْرِ  
بِتَرْكِهَا - ١٤٠

قاعدة: إِسْتِفْهَامُ الْإِنْكَارِ يَكُونُ مُضْمِنًا مَعْنَى النَّفْيِ - ١٦٨

قاعدة: كُلَّمَا أَخْبَرَ اللَّهُ بِلَفْظٍ كَيْفَ عَنْ نَفْسِهِ فَهُوَ اسْتِخْبَارٌ عَلَى  
طَرِيقِ التَّنْبِيهِ لِلْمُخَاطَبِ أَوْ التَّوْبِيخِ - ١٣٥

قاعدة: إِذَا دَخَلَتْ هَمْزَةُ الْإِسْتِفْهَامِ عَلَى رَأْيَتِ امْتِنَعَ أَنْ  
تَكُونَ مِنْ رُؤْيَةِ الْبَصَرِ أَوْ رُؤْيَةِ الْقَلْبِ وَصَارَ بِمَعْنَى  
أَخْبَرَنِي - ١٥٢

قاعدة: إِذَا دَخَلَ حَرْفُ الْإِسْتِفْهَامِ عَلَى فِعْلِ التَّرَجُّيِ أَفَادَ  
تَقْرِيرَ مَا هُوَ مُتَوَقَّعٌ وَأَشْعَرَ بِأَنَّهُ كَائِنٌ - ١٣٨

صفحة	قواعد
------	-------

قاعدة: جَمِيعُ الْأَسْئَلَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِتَوْحِيدِ الرُّبُوبِيَّةِ اسْتِفْهَامَاتٌ  
تَقْرِيرٌ - ٢٤٦

### العام والخاص

قاعدة: كُلُّ إِسْمٍ مَعْرِفَةٍ ذِي أَفْرَادٍ يُفِيدُ الْعُمُومَ - ٣٣٨

قاعدة: إِذَا وَقَعَتِ النَّكِرَةُ فِي سِيَاقِ النَّفْيِ أَوْ النَّهْيِ أَوْ الشَّرْطِ  
أَوْ الْإِسْتِفْهَامِ دَلَّتْ عَلَى الْعُمُومِ - ١٦٣

قاعدة: النَّكِرَةُ فِي سِيَاقِ الْإِثْبَاتِ لَا تَعْمُ إِلَّا إِذَا أُضِيفَ إِلَيْهَا  
كُلُّ أَوْ كَانَتْ فِي سِيَاقِ الْإِمْتِنَانِ - ٢٦٢

قاعدة: الْفِعْلُ فِي سِيَاقِ النَّفْيِ وَمَا فِي مَعْنَاهُ يُفِيدُ الْعُمُومَ - ٢٣٤

### المطلق والمقيد

قاعدة: الْأَصْلُ إِبْقَاءُ الْمُطْلَقِ عَلَى إِطْلَاقِهِ حَتَّى يَرِدَ مَا  
يُقَيِّدُهُ - ١٨٠

قاعدة: الْمُطْلَقُ يُحْمَلُ عَلَى الْكَامِلِ - ٢٥٣

قاعدة: الْإِطْلَاقُ يَقْتَضِي الْمَسَاوَاةَ - ١٩١

### المنطوق والمفهوم

قاعدة: إِذَا رَتَّبَ الشَّارِعُ الْحُكْمَ عَلَى وَصْفٍ مُنَاسِبٍ فَإِنَّ ذَلِكَ  
يَدُلُّ عَلَى أَنَّ ثُبُوتَهُ لِأَجَلِهِ - ١٥٣



صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: الْحُكْمُ الْمُعَلَّقُ عَلَى وَصْفٍ يَقْوَى بِقُوَّتِهِ وَ يَنْقُصُ

٢٢١

بِنَقْصِهِ-

قاعدة: حَيْثُ وَقَعَتْ "إِذْ" بَعْدَ "أذْكَرُ" فَالْمُرَادُ بِهِ الْأَمْرُ بِالنَّظَرِ

٢٨٥

إِلَى مَا اشْتَمَلَ عَلَيْهِ ذَلِكَ الزَّمَانُ لِغَرَابَةِ مَا وَقَعَ فِيهِ  
فَهُوَ جَدِيرٌ بِأَنْ يُنْظَرَ فِيهِ-

قاعدة: الشَّرْطُ لَا يَقْتَضِي جَوَازَ الْوُقُوعِ-

٢٢٢

قاعدة: التَّنْصِيصُ عَلَى الشَّيْءِ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ النَّفْيُ عَمَّا عَدَاهُ-

٢١٨

قاعدة: الْإِقْتِرَانُ الْوَارِدُ فِي الْقُرْآنِ بَيْنَ بَعْضِ الْأَسْمَاءِ

١٩٢

الْحُسْنَى يَدُلُّ عَلَى مَزِيدٍ مِّنَ الْكَمَالَاتِ-

### المجمل والمبين

قاعدة: الْقُرْآنُ مُشْتَمِلٌ عَلَى أُصُولِ الدِّينِ دَلَالِيهِ وَ مَسَائِلِهِ

٢٢٩

أَمَّا تَعْرِيفُهُ لِلْأَحْكَامِ فَأَكْثَرُهُ كَلِمِي لَا جُزْئِي-

قاعدة: التَّفْسِيرُ بَعْدَ الْإِبْهَامِ يَدُلُّ عَلَى التَّهْوِيلِ وَ التَّعْظِيمِ-

٢١١

### موهم الاختلاف والتعارض

قاعدة: إِذَا اخْتَلَفَتْ الْأَلْفَاظُ وَكَانَ مَرْجِعُهَا إِلَى أَمْرٍ وَاحِدٍ

١٣٤

لَمْ يُوجِبْ ذَلِكَ اخْتِلَافًا-

صفحة	قواعد
------	-------

قاعدة: إِنَّمَا يَتَنَاقَضُ الْخَبْرَانِ اللَّذَانِ أَحَدُهُمَا نَفِيٌّ وَالْآخَرُ  
 ٢١٢ اثْبَاتٌ إِذَا اسْتَوِيَا فِي الْخَبْرِ وَالْمُخْبِرِ عَنْهُ وَفِي  
 الْمُتَعَلِّقِ بِهِمَا وَفِي الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَفِي الْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ-

قاعدة: الْآيَاتُ الَّتِي تُؤْهِمُ التَّعَارُضَ يُحْمَلُ كُلُّ نَوْعٍ مِنْهَا عَلَى  
 ٢٠٣ مَا يَلِيقُ بِهِ وَيُنَاسِبُ الْمَقَامَ كُلُّ بِحَسْبِهِ-

### التكرار

قاعدة: قَدْ يَرِدُ التَّكْرَارُ لِتَعَدُّدِ الْمُتَعَلِّقِ-  
 ٣٢٣

قاعدة: لَمْ يَقَعْ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَكْرَارٌ بَيْنَ مُتَجَاوِرَيْنِ-  
 ٢٣٤

قاعدة: الْعَرَبُ تُكْرِرُ الشَّيْءَ فِي الْإِسْتِفْهَامِ اسْتِبْعَادًا لَهُ-  
 ٢٣٤

قاعدة: التَّكْرِيرُ يَدُلُّ عَلَى الْإِعْتِنَاءِ-  
 ٢١٥

قاعدة: النَّكْرَةُ إِذَا تَكَرَّرَتْ دَلَّتْ عَلَى التَّعَدُّدِ بِخِلَافِ  
 ٢٥٦ الْمَعْرِفَةِ-

قاعدة: إِذَا اتَّحَدَا الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ لَفْظًا دَلَّ عَلَى الْفَخَامَةِ-  
 ١٢٠

### مبهمات القرآن

قاعدة: لَا يُبْحَثُ عَنْ مُبْهِمٍ أَخْبَرَ اللَّهُ بِاسْتِثْنَائِهِ بِعِلْمِهِ-  
 ٣٥١

قاعدة: الْأَصْلُ أَنَّ مَا أُبْهِمَ فِي الْقُرْآنِ فَلَا طَائِلَ فِي مَعْرِفَتِهِ-  
 ١٨٣

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: عِلْمُ الْمُبْهَمَاتِ مَوْقُوفٌ عَلَى النُّقْلِ الْمَحْضِ وَلَا مَجَالَ لِلرَّأْيِ فِيهِ۔

### القواعد العامة

قاعدة: كَثِيرًا مَا تُخْتَمُ الْآيَاتُ الْقُرْآنِيَّةُ بِبَعْضِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنَى لِتَدْلِيلٍ عَلَى أَنَّ الْحُكْمَ الْمَذْكُورَ لَهُ تَعَلُّقٌ بِذَلِكَ الْإِسْمِ الْكَرِيمِ۔

قاعدة: مَتَى عُلِقَ اللَّهُ تَعَالَى عِلْمَهُ بِالْأُمُورِ بَعْدَ وُجُودِهَا كَانَ الْمُرَادُ بِذَلِكَ الْعِلْمِ الَّذِي يَتَرْتَبُ عَلَيْهِ الْجَزَاءُ۔

قاعدة: الْمُحْتَرَزَاتُ فِي الْقُرْآنِ تَقَعُ فِي كُلِّ الْمَوَاضِعِ عِنْدَ الْحَاجَةِ إِلَيْهَا۔

قاعدة: جَمِيعُ مَا وَرَدَ فِي الْقُرْآنِ حِكَايَةً عَنْ غَيْرِ أَهْلِ اللِّسَانِ مِنَ الْقُرُونِ الْخَالِيَةِ إِنَّمَا هُوَ مِنْ مَعْرُوفٍ مَعَانِيهِمْ وَ لَيْسَ بِحَقِيقَةٍ الْفَاطِمِمْ۔

قاعدة: سَبْعَةُ أُمُورٍ يَنْدَفِعُ بِهَا الْإِشْكَالُ عَنِ التَّفْسِيرِ

قاعدة: إِذَا كَانَ مُتَعَلِّقُ الْخِطَابِ مَقْدُورًا حَيْلَ عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ غَيْرُ ذَلِكَ صُرِفَ الْخِطَابُ لِثَمَرَتِهِ أَوْ سَبَبِهِ۔

قاعدة: مَهْمَا أَمَكَّنَ حَمْلُ كَلَامِ الشَّارِعِ عَلَى التَّشْرِيعِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى مُجَرَّدِ الْإِخْبَارِ عَنِ الْوَاقِعِ۔

قواعد	صفحة نمبر
-------	-----------

قاعدة: التَّعَجُّبُ كَمَا يَدُلُّ عَلَى مَحَبَّةِ اللَّهِ الْفِعْلُ فَإِنَّهُ قَدْ يَدُلُّ

٢٠٨

عَلَى بُغْضِهِ أَوْ اِمْتِنَاعِهِ وَ عَدَمِ حُسْنِهِ أَوْ يَدُلُّ عَلَى

حُسْنِ الْمَنْعِ مِنْهُ وَأَنَّهُ لَا يَلِيْقُ فِعْلُهُ-

قاعدة: الْكَلِمَةُ إِذَا اِحْتَمَلَتْ وُجُوْهَا لَمْ يَكُنْ لِأَحَدِ صَرْفٍ

٢٥١

مَعْنَاهَا إِلَى بَعْضِ وُجُوْهَا دُونَ بَعْضٍ إِلَّا بِحُجَّةٍ-

قاعدة: قَدْ يَحْتَمِلُ اللَّفْظُ عِدَّةَ مَعَانٍ وَيَكُونُ أَحَدُهَا هُوَ

٣١٨

الْغَالِبُ اسْتِعْمَالًا فِي الْقُرْآنِ فَيَقْدَمُ-

قاعدة: قَدْ يَكُونُ اللَّفْظُ مُحْتَمَلًا لِمَعْنَيَيْنِ فِي مَوْضِعٍ وَيُعَيَّنُ

٣٢٨

فِي مَوْضِعٍ آخَرَ-

قاعدة: تُحْمَلُ الْآيَةُ عَلَى الْمَعْنَى الَّتِي اسْتَفَاضَ النَّقْلُ فِيهِ

٢٤٠

عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَإِنْ كَانَ غَيْرُهُ مُحْتَمَلًا-

قاعدة: كُلُّ مَا أَضَافَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَى نَفْسِهِ فَلَهُ مِنَ الْمَزِيَّةِ وَ

٣٢٣

الْإِخْتِصَاصِ عَلَى غَيْرِهِ مَا أَوْجَبَ لَهُ الْإِصْطِفَاءَ

وَالْإِجْتِبَاءَ-

قاعدة: تَقْدِيمُ الْعِتَابِ عَلَى الْفِعْلِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لَا يَدُلُّ عَلَى

٢٤٣

تَحْرِيْمِهِ-

قاعدة: لَا يُؤْتَنُّ بِمَمْنُوعٍ-

٣٥٦

صفحة نمبر	قواعد
-----------	-------

قاعدة: الْأَصْلُ حَمْلُ نُصُوصِ الْوَحْيِ عَلَى ظَوَاهِرِهَا إِلَّا

۱۸۶

لِدَلِيلٍ-

۲۰۶

قاعدة: الْإِيمَانُ بِظَاهِرِ التَّنْزِيلِ فَرَضٌ وَمَاعِدَاةٌ فَمَوْضُوعٌ عَنَّا

تَكَلَّفُ عَمَلَهُ إِذَا لَمْ تَأْتِ بِالْبَيَانِ عَنْهُ دَلَالَةٌ مِنْ كِتَابٍ

أَوْ خَبَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

۱۴۳

قاعدة: إِذَا جَاءَ ذِكْرُ الطَّيِّبَاتِ فِي مَعْرِضِ الْإِنْعَامِ فَالْمُرَادُ

الْمُسْتَلَذَاتُ وَإِذَا جَاءَ فِي مَعْرِضِ التَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيمِ

فَالْمُرَادُ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ-

قواعد التفسير

قواعد التفسير

## انتساب

میں اپنی اس حقیر سے کاوش کو اپنی والدہ محترمہ کی طرف منسوب کرتا ہوں جنہیں خدا تعالیٰ نے چاند سے اس کا حسن، پھول کی پنکھڑی سے اس کی نزاکت، بلبلی سے اس کی چہک، پائل سے اس کی جھنکار، باغوں سے اس کی بہار، مور سے اس کی چال، قدرت سے اس کا پیار، ندیوں سے اس کا سکون، آبشاروں سے ان کا ترنم، فرشتوں سے اس کی محبت، ستاروں سے ان کی ٹھنڈک، چمن سے اس کی مہک، پہاڑوں سے ان کی سختی، سمندر سے اس کی وسعت، ہیرے سے اس کی چمک، قوس و قزح سے اس کا رنگ، موسموں سے ان کا تغیر، بارش سے اس کی نغمگی لے کر ان تمام چیزوں کو جب شفقت کے کھل میں ڈال کر پیار و محبت کے دستے سے رگڑا جو مرکب حاصل ہوا، اس کو تخلیق کے مراحل سے گزارا یوں ماں کی تکمیل ہوئی۔

اور ان تمام اساتذہ کرام کے نام جن کی تعلیم و تربیت کی بدولت اللہ سبحانہ نے مجھے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اور اپنے محسن بھائیوں کی طرف جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر میری خصوصی معاونت فرمائی۔

## تبصرہ

## از ماہنامہ ”بینات“

زیر نظر کتاب فاضل نوجوان مولانا محمد نعمان صاحب کی ایک شاہکار علمی کاوش ہے۔ انہوں نے بڑی عرق ریزی اور ہزاروں صفحات کے مطالعہ کے بعد تفسیر قرآن کے سمجھنے میں مدد و معاون قواعد کو یکجا جمع کر دیا ہے۔

یہ ۱۶۶ تفسیری قواعد مختلف کتابوں میں منتشر تھے۔ سب سے زیادہ یکجا قواعد عربی کی ایک کتاب ”القواعد الحسان لتفسیر القرآن“ میں ہیں، جن کی تعداد اے تک پہنچتی ہے۔ جبکہ مؤلف موصوف نے اس موضوع کی تمام کتابوں کے مطالعہ کے بعد ۱۶۶ قواعد کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ قواعد اکٹھے کرنے کے ساتھ ایک ایک قاعدہ کی وضاحت اور تفہیم کے لئے کئی کئی مثالیں دیں، علاوہ ازیں مثالوں کی قواعد سے تطبیق بھی دی گئی ہے، جس سے قاعدہ کا سمجھنا نہایت آسان ہو گیا ہے۔ نیز تمام قواعد باحوالہ ذکر کئے گئے ہیں۔ بلاشبہ اپنے موضوع پر اردو میں یہ پہلی کتاب ہے۔ مؤلف کا اردو دان طبقہ پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کتاب کا ٹائٹل اور کاغذ عمدہ ہے۔ علم دوست حضرات سے امید ہے کہ وہ اس کتاب کی قدر دانی فرمائیں گے۔

(ماہنامہ ”بینات“ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ / نومبر ۲۰۱۲ء)



## عرضِ مولف

بندے نے اپنی اس کاوش میں ایک سو چیا سٹھ (۱۶۶) قواعد کو جمع کیا ہے۔ ان قواعد کے لئے کس قدر محنت اور عرق ریزی کی گئی اس کا اندازہ پڑھنے سے ہوگا۔ بندے نے ان قواعد کو جمع کرنے کے لئے بیسوں کتابوں کے ہزاروں اوراق کا مطالعہ کیا، تب جا کر یہ گوہر نایاب دستیاب ہوئے۔ ان میں سے بعض قواعد ایسے بھی ہیں جو بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ موجود نہیں تھے بلکہ وہ طویل عبارت کی صورت میں تھے، یا مبہم اور غیر واضح الفاظ میں تھے، جن میں جامعیت اور اختصار نہیں تھا، تو بندے نے اسے اپنے الفاظ میں ایک قاعدے کی صورت میں بیان کیا۔ ہر قاعدے کو اعراب شدہ نقل کر کے پھر اس کا خلاصہ، تشریح اور قرآنی امثلہ پر اس کی تطبیق ذکر کی، ہر قاعدے کے لئے کوشش رہی کہ کم از کم قرآن کریم سے تین مثالیں نقل کی جائیں، ہر قاعدے کے لئے قرآنی آیات کی صورت میں امثلہ تلاش کرنا یہ بھی ایک نہایت دشوار کن مرحلہ تھا، اس کے لئے کئی مرتبہ قرآن کریم کو تلاوت کیا، اور ہر آیت تلاوت کرتے وقت ان قواعد کو مستحضر رکھا کہ یہ کس قاعدے کی مثال بن سکتے ہیں، اس طرح یہ امثلہ تلاش کی گئیں۔ اور ترجمہ زیادہ تر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے ”آسان ترجمہ“ سے نقل کیا جو نہایت عام فہم، معتمد اور مستند ہے۔ ہماری فنون اور درسِ نظامی کی کتابوں میں تعریفات اور قواعد کی تطبیق میں قرآنی آیات اور احادیث کو بطور مثال بہت کم پیش کیا جاتا ہے، کاش کوئی صاحبِ قلم اصولِ فقہ، صرف و نحو، منطق و بلاغت میں امثلہ قرآن و حدیث سے ذکر کرے تو یہ ایک اچھی کاوش ہوگی۔ بندے کی ایک کاوش ”قواعد الفقہ“ جس میں سو (۱۰۰) فقہی قواعد، ماخذ اور ہر قاعدے کے ساتھ

باحوالہ تفریحات ذکر کی گئی ہیں، اگر ان دونوں کتابوں کے قواعد مدارس میں طلبہ کو زبانی یاد کروا کر امثلہ میں اجراء کروادیا جائے تو یہ فہم تفسیر اور دیگر علوم عربیت میں نہایت معاون و مفید ہوں گے۔ چونکہ اکثر قواعد کا تعلق فن تفسیر سے ہے اور امثلہ بھی قرآنی نقل کی ہیں اس لئے کتاب کا نام ”قواعد التفسیر“ رکھا۔ الحمد للہ اردو زبان میں اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کاوش ہے۔

اس ایڈیشن میں پوری کتاب پر دوبارہ نظر ثانی کی گئی اور از سر نو دوبارہ اس پر کام کیا، اور کئی جگہ اضافات اور ترمیمات بھی کیں۔ بندے نے اپنی بساط کے وقت اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی لیکن ”الإنسان من النسیان“ کے پیش نظر اس بات کا قوی امکان ہے کہ کئی قابل اصلاح امور رہ گئے ہوں، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی بات قابل اصلاح رہ گئی ہو تو نشانہ ہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

آخر میں مفتی عبدالحق عثمانی اور مفتی عبدالمتمین صاحب کا نہایت ممنون ہوں جو بندے کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دست بدست دعا ہے کہ پروردگار عالم اس کاوش کو قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مفید اور بندے کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ / ۲۵۵۷۶۷۵ / ۰۳۳۲

## مقدمہ

قرآن پاک نوع انسانی کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دائمی معجزہ ہے، اس نے اپنے نزول کے ساتھ تاریخ عالم کا دھارا بدل دیا اور بھراپنی جامعیت اور گہرائی کے اعتبار سے، ہر دور میں انسانی عقل و فکر کے لئے رہنما ہے۔ اس کی زبان معجزانہ ہے اور انداز بیان اچھوتا، اس کی تفسیر و تاویل، اعجاز و اعراب، تاریخ و جغرافیہ، اسلوب بیان وغیرہ پر جس قدر لکھا جا چکا ہے وہ بھی معجزہ سے کم نہیں۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ نے ہر دور میں اپنے خصوصی ذوق اور ماحول کے مطابق اس کی خدمت کی ہے اور تفسیر کے لئے مخصوص مناہج اور اصول اپنے سامنے رکھے ہیں۔ دوسری صدی کے علماء کی تفاسیر پر نظر ڈالیں تو وہ قرآن پاک کی قرآن و سنت کی تفسیر کے ساتھ ساتھ اکثر طور پر صرف صحابہ و تابعین کے اقوال پر مشتمل نظر آئیں گی مگر اس کے بعد ہر دور میں علوم تفسیر میں اضافہ ہی نظر آتا ہے حتیٰ کہ فی زمانہ یہ علوم اس قدر پھیل چکے ہیں کہ کسی ایک علم پر احاطہ بھی مشکل ہے، اور علوم تفسیر نے اس قدر ارتقائی شکل اختیار کر لی ہے کہ ان کا تاریخی جائزہ بھی بجائے خود ایک اہم موضوع بن چکا ہے۔ ان علوم کے ارتقاء اور ان کی تفصیل سے قطع نظر، غور طلب معاملہ یہ ہے کہ وہ کون سے عناصر اور وسائل ہیں جو تفسیر قرآن میں مدد و معاون ہو سکتے ہیں اور جن کو ملحوظ نہ رکھنے سے قرآن فہمی مشکل ہے۔

جمہور علمائے تفسیر نے قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں عموماً درج ذیل اصولوں سے استفادہ کیا ہے اور ان میں ترتیب دیتے ہوئے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ان عناصر کی ترتیبی حیثیت سے صرف نظر کرنا بہت سے گمراہیوں اور لغزشوں کا موجب بن سکتا ہے، دور حاضر

میں بھی ان کی اہمیت میں اضافہ ہی ہوا ہے، اور متاخرین کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کا مطالعہ انہی بنیادی اصولوں کی روشنی میں کریں تاکہ قرآن فہمی کا دشوار راستہ سہل ہو جائے۔ قرآن کی تلاوت اور اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے بعض حقائق کو ذہن نشین کرانے کے لئے متعدد مقامات پر ان کا اعادہ کیا ہے لیکن ہر مقام پر انداز بیان جداگانہ ہے۔ ایک مقام پر اگر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو تفصیل سے بیان فرما دیا ہے اور پھر مقصد و استدلال کے اعتبار سے بھی نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کے سلسلہ میں اختلاف قراءت کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ بعض آیات کی تفسیر میں اختلاف قراءت سے استفادہ کرتے رہے ہیں، خصوصاً سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی قراءات تو تفسیر کے سلسلہ میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات کو اختیار کرتا تو میرے بہت سے سوالات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے استفسار کئے بغیر ہی حل ہو جاتے۔

قرآن فہمی کے سلسلہ میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ مراد الہی ہے) کو دوسرے مرجع کی حیثیت حاصل رہی ہے بلکہ ائمہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے شارح کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ آیت ”﴿ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ﴾“ (النحل: ۴۴) میں قرآن کی تبیین کو اہم ترین فریضہ رسالت بتلا دیا گیا ہے۔ اس بنا پر علمائے اسلام رحمہم اللہ نے حدیث نبوی کی تدوین میں بھی خصوصاً دلچسپی کا اظہار کیا ہے، اس کی حجیت سے انکار دراصل تفسیر بالقرآن کے مذموم کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے، محقق علماء نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے سنت کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور قرآن فہمی کے لئے اس کو لازم قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فیصلہ صادر فرمایا ہے، وہ قرآن کریم سے سمجھ کر ہی صادر فرمایا ہے۔

اگر قرآن کریم کی کوئی مشکل خود قرآن اور حدیث سے حل نہ ہو رہی ہو تو اقوال صحابہ

رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع لازمی ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جاہلی ادب، اہل کتاب کے عادات و اطوار اور لغت کے اوضاع و اسرار سے بخوبی واقف تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جن احوال و ظروف میں قرآن نازل ہو رہا تھا وہ ان کی نظروں کے سامنے تھے اور وہ آیات کے پس منظر سے آگاہ تھے، پھر ان کے اذہان بھی صاف ستھرے اور گرد و پیش کی آلائشوں سے منزہ تھے۔ خصوصاً ان صحابہ کرام میں سے خلفائے اربعہ، سیدنا ابن مسعود، ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے اقوال سے بے اعتنائی ناممکن سی ہے۔ جب تفسیر نہ قرآن میں ملے، نہ سنت میں، نہ اقوال صحابہ میں، تو بہت سے ائمہ ایسی صورت میں کبار تابعین مثلاً مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن بصری، مسروق، سعید بن مسیب، ابو العالیہ، ربیع، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ تو علم تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ فرمایا کرتے تھے: میں نے مصحف قرآنی شروع سے آخر تک تین مرتبہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا، ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور تفسیر پوچھتا تھا:

عرضت المصحف علی ابن عباس ثلاث عرضات من فاتحة إلی

خاتمته، أوقفه عند كل آية منه وأسأله عنها۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ جب مجاہد رحمہ اللہ سے تفسیر ملے تو یہ تمہارے لئے کافی ہے:

(۱) إذا جاءك التفسير عن مجاهد فحسبك به۔

اگر کسی آیت کے مفہوم پر کتاب و سنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روشنی پڑتی ہو اور تابعین بھی اس کی تاویل میں مختلف ہوں تو پھر لغت عرب اور محاورات کی طرف رجوع ہوگا، تاہم یہ ایسا ذریعہ اور عنصر نہیں ہے کہ تفسیر کے دوسرے سرچشموں سے بے نیاز کر

(۱) تفسیر الطبری: مقدمة المؤلف، ذكر الأخبار عن بعض السلف فيمن كان من قدماء

المفسرين، ج ۱ ص ۹۰، ۹۱

سکے، یہی وجہ ہے کہ جن علماء نے تفاسیر میں لغت و محاورات سے استفادہ کیا ہے اور لغوی تشریحات کے لئے شواہد تک کو چھان مارا ہے انہوں نے بھی اپنی تفسیروں میں سنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے اعتنا کیا ہے بلکہ ان کو مقدم رکھا ہے، اور باوجود اعتراف اور عقل پرست ہونے کے احادیث اور اقوال صحابہ سے مدد حاصل کی ہے۔ یہ وہ عناصر یا بنیادی اصول ہیں جن سے قرآن فہمی کے سلسلے میں بالترتیب استفادہ ضروری ہے، ان کے علاوہ اسباب نزول، تاریخ جاہلیت، نظم قرآنی اور اسرائیلیات پر عبور بھی قرآن فہمی میں معاون ہیں۔

### علم تفسیر کی تدوین

شروع کے ادوار میں تفسیری اقوال کو بطریق روایت نقل کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ اقوال نقل کرتے تھے اور باہم ایک دوسرے سے بھی۔ اسی طرح تابعین عظام صحابہ کرام سے بھی کسب فیض کرتے تھے اور آپس میں بھی۔ یہ تفسیر کا پہلا مرحلہ تھا۔

عصر صحابہ و تابعین کے بعد تفسیر کے دوسرے مرحلے کا آغاز تب ہوا جب تدوین حدیث کی داغ بیل پڑی۔ حدیث نبوی مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ان میں ایک باب تفسیر پر بھی مشتمل تھا، اس دور میں ایسی تالیف نہیں ہوئی تھی جس میں ہر ہر سورت اور آیت کی الگ الگ تفسیر کی گئی ہو، ایسے علماء موجود تھے جو مختلف شہروں میں گھوم پھر کر احادیث مبارکہ کے ساتھ ساتھ تفسیری اقوال بھی جمع کرتے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ و تابعین کی طرف منسوب تھے۔

ان حضرات میں درج ذیل اکابر قابل ذکر ہیں:

شعبہ بن حجاج (متوفی ۱۶۰ھ)، وکیع بن جراح (متوفی ۱۹۷ھ)، سفیان بن عیینہ

(متوفی ۱۹۸ھ)، روح بن عبادہ بصری (متوفی ۲۰۵ھ)، یزید بن ہارون (متوفی ۲۰۶ھ)

عبدالرزاق بن ہمام (متوفی ۲۱۱ھ)، آدم بن ابی ایاس (متوفی ۲۲۱ھ)، اور عبد بن حمید

(متوفی ۲۳۹ھ) رحمہم اللہ وغیرہم۔

یہ تمام علماء محدثین میں سے تھے اور تفسیری اقوال کو الگ طور پر نہیں بلکہ احادیث کی حیثیت سے جمع کرتے تھے، انہوں نے اپنے پیش روائمہ تفسیر سے جو کچھ بھی نقل کیا تھا اس کو ان کی جانب منسوب کر دیا تھا۔ لیکن گردش زمانہ سے ان میں سے بعض مجموعے ہم تک نہ پہنچ سکے۔ تیسرے مرحلے پر پہنچ کر تفسیر قرآن نے حدیث نبوی سے الگ ہو کر ایک جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر آیت کی تفسیر مرتب کی جانے لگی۔ اس میں حسب ذیل علماء نے حصہ لیا۔

امام ابن ماجہ (متوفی ۲۴۳ھ)، قتی بن مخلد قرطبی (متوفی ۲۷۶ھ)، ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ)، ابو بکر بن منذر نیشاپوری (متوفی ۳۱۸ھ)، ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ)، ابوالشیخ اصہبانی (متوفی ۳۶۹ھ)، امام حاکم (متوفی ۴۰۵ھ) اور ابو بکر بن مردویہ (متوفی ۴۱۰ھ) رحمہم اللہ وغیرہم۔

یہ تمام تفاسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ، تابعین واتباع تابعین سے بالاسناد منقول ہیں، ان میں تفسیر بالماثور کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ اس دور کی جس تفسیر کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہو وہ امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر ”جامع البیان فی تاویل القرآن“ ہے، جو تفسیر بالماثور کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) نے اس میں تفسیری اقوال ذکر کر کے ان کی توجیہ کی اور بعض کو راجح اور دوسروں کو مرجوح قرار دیا ہے، جہاں ضرورت پڑی وہاں بعض کلمات کی اعرابی حالت بھی بتائی ہے، جن آیات مبارکہ سے احکام کا استنباط ممکن تھا ان سے شرعی احکام اخذ کئے ہیں۔

اس دور میں امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) نے لغوی اور عقلی زاویہ نظر سے، امام علی بن حسن بن فضال رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) نے شیعہ نقطہ نظر سے، امام ابوہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۳ھ) نے متصوفانہ اسلوب سے، امام ابو علی جبائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ) نے معتزلی نقطہ نظر سے، امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۴ھ)، امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ (متوفی ۳۳۳ھ) نے اہل سنت والجماعت

کے نقطہ نظر سے تفسیریں لکھیں۔

پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن فورک رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۶ھ) نے کلامیہ انداز میں ”معانی القرآن“ ابو عبد الرحمن سلمی رحمہ اللہ (متوفی ۴۱۲ھ) صوفیانہ اسلوب سے ”حقائق التفسیر“ ابو اسحاق بن احمد بن محمد ثعلبی رحمہ اللہ (متوفی ۴۲۷ھ) نے لغوی و فقہی طریقے سے ”الکشف والبیان فی تفسیر القرآن“ اور ابو جعفر طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے شیعہ نقطہ نظر کے موافق ”البیان فی تفسیر القرآن“ کے نام سے کتب تفسیر لکھیں۔ ان میں مؤخر الذکر کتاب خاصی ضخیم ہے۔

اس مرحلے میں تفسیر کے حدیث نبوی سے جدا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے قبل تفسیر کے سلسلہ میں قبل ازیں جو مساعی انجام دی گئی تھیں وہ سب رائیگاں ہو گئیں۔ بلکہ تفسیر کا تدریجی سلسلہ جاری رہا، ابتدائی مرحلہ میں تفسیری اقوال بطریق اخذ و روایت نقل کئے جاتے تھے، دوسرے مرحلہ میں تفسیر کی تدوین ابواب حدیث کے ایک باب کے اعتبار سے کی جانے لگی۔ جبکہ تیسرے مرحلے میں ایک مستقل علم کی حیثیت سے جداگانہ طور پر تفسیر کا تدوین کا آغاز ہوا۔ مگر ایسے محدثین بھی تھے جو اس مرحلہ میں بھی تفسیری اقوال کو حدیث کے ایک باب ہی کے ضمن میں جمع کرتے رہے، اس میں ان کا دار و مدار فقط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول احادیث و آثار پر تھا۔

### اولین تفسیر

یہ آسان سوال نہیں کہ اولین مفسر کون تھا جس نے مکمل قرآن کریم کی تفسیر قرآنی ترتیب کے مطابق مدون کی۔ مشہور مؤرخ ابن الندیم (متوفی ۴۳۸ھ) کے مطابق امام فراء نحوی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۷ھ) نے ابو العباس ثعلب کے ایما پر ”کتاب المعانی“ کے نام سے قرآن کی تفسیر مرتب کی۔<sup>(۱)</sup>

(۱) الفہرست: الفن الثانی: فی اخبار العلماء من النحویین واللغویین، ص ۹۱



لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام فراء رحمہ اللہ سے قبل مفسرین نے صرف حل مشکلات پر اکتفاء کیا تھا اور تفصیلاً قرآن کریم کی تفسیر نہیں لکھی تھی، اور نہ ہی امام ابن الندیم کی عبارت سے حتمی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ ویسے بھی ”معانی القرآن“ ترتیب و تہذیب کے اعتبار سے امام ابو عبیدہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۸ھ) کی ”مجاز القرآن“ سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہے۔

علمائے سلف کے اقوال سے محسوس ہوتا ہے کہ جملہ آیات و سورتوں کی بالاستیعاب تفسیر کا کام تیسری صدی کے اوائل میں نہیں بلکہ بہت پہلے شروع ہوا۔ سیدنا ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷ھ) فرماتے ہیں:

رایت مجاہدا یسأل ابن عباس عن تفسیر القرآن ومعہ الواحہ،

فیقول لہ ابن عباس: اکتب، قال: حتی سألہ عن التفسیر کلہ۔<sup>(۱)</sup>

کہ میں نے دیکھا کہ امام مجاہد رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور ان کے پاس تختیاں تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے کہ لکھتے جاؤ حتیٰ کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پورے قرآن کی تفسیر معلوم کر لی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) امام عطاء بن دینار رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۶ھ) کے حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال علی بن الحسن الہسنجانی عن أحمد بن صالح: عطاء بن دینار

من ثقات المصریین، وتفسیرہ فیما یروی عن سعید بن جبیر

صحیفة، ولیس لہ دلالة علی أنه سمع من سعید بن جبیر، وقال أبو

حاتم: صالح الحدیث إلا أن التفسیر أخذہ من الديوان، وكان

(۱) تفسیر الطبری: مقدمة المؤلف، ذکر الأخبار عن بعض السلف فیمن كان من قدماء

المفسرین، ج ۱ ص ۹۰

عبد الملك بن مروان سأل سعيد بن جبیر أن يكتب إليه بتفسير القرآن، فكتب سعيد بهذا التفسير، فوجده عطاء بن دينار في الديوان فأخذه فأرسله عن سعيد بن جبیر - (۱)

کہ علی بن حسن، احمد بن صالح سے نقل کرتے ہیں کہ عطاء بن دینار صلحائے مصر میں سے ہیں۔ تفسیر کے سلسلہ میں عطاء جو اقوال نقل کرتے ہیں وہ سعید بن جبیر کی کتاب سے ماخوذ ہیں، انہوں نے براہ راست سعید بن جبیر سے نہیں سنا۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ عطاء یوں تو ثقہ ہیں مگر تفسیری اقوال انہوں نے سعید بن جبیر کی کتاب سے لئے ہیں۔ عبد الملك بن مروان نے سعید بن جبیر کو قرآن کی تفسیر لکھنے پر مامور کیا تھا۔ تو سعید بن جبیر نے یہ تفسیر لکھی، عطاء بن دینار کو یہ تفسیر کہیں سے مل گئی، چنانچہ انہوں نے اس تفسیر کو سعید بن جبیر سے ارسال کے ساتھ روایت کر دیا۔

عمرو بن عبید رحمہ اللہ نے بھی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کر کے ایک تفسیر مرتب کی تھی۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ (۲)

حضرت ابن جریج رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے بارے میں بھی معروف ہے کہ انہوں نے تین ضخیم اجزاء پر مشتمل ایک تفسیر لکھی تھی جس کو محمد بن ثور (متوفی ۱۹۰ھ) نے ان سے روایت کیا ہے۔ (۳)

جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی زندگی کے ساتھ قرآن کریم کا کس قدر گہرا ربط و تعلق ہے۔ مسلمان قرآن کریم سے شرعی احکام کا استنباط کرنے کے کس قدر دلدادہ تھے۔ اور اس کی کس قدر شدید ضرورت بھی تھی تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ تفسیر نویسی میں امام فراء

(۱) تہذیب التہذیب: حرف العین، ترجمہ: عطاء بن دینار الہذلی، ج ۷ ص ۱۹۸

(۲) وفيات الأعیان: ترجمہ: عمرو بن عبید، ج ۳ ص ۲۶۲

(۳) التفسیر والمفسرون: المفسرون من الصحابة، ج ۱ ص ۶۰

نحوی رحمہ اللہ کو سبقت و اولیت کا شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ اس سے قبل اس کام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ لیکن یقینی طور پر پہلے مفسر کے طور پر کسی کا تعین مشکل ہے۔ عصرِ تدوین سے لے کر تفسیر پر جو کام ہوا تھا، اگر ہم تک پہنچ جاتا تو باسانی اس بات کا تعین ہو سکتا تھا کہ وہ سعادت مند شخص کون ہے جس نے اس انداز پر سب سے پہلے تفسیر قرآن پر مشتمل کتاب لکھی۔ ان ادوار کے بعد تفسیر بالماثور کے ساتھ ساتھ تفسیر بالرائے مذموم کی آمیزش شروع ہو گئی۔ تفسیر میں بکثرت تصانیف منظر عام پر آنے لگیں، اسناد میں اختصار کیا جانے لگا، روایت بلا اسناد کی قید باقی نہ رہی۔ جو تفسیری اقوال مفسرین سلف سے منقول تھے ان کی جانب منسوب کئے بغیر ان کو نقل و روایت کیا جانے لگا۔ جس کے نتیجے میں تفسیر میں وضع و اختراع کا عمل دخل شروع ہوا، صحیح اور ضعیف اقوال میں فرق و امتیاز نہ رہا۔ ان کتب تفسیر کو پڑھنے والا اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا کہ ان میں جو کچھ بھی ہے، صحیح ہے۔ چنانچہ متاخرین بلا جھجک اسرائیلیات کو ایک حقیقت سمجھ کر نقل کرنے لگے۔ اس سے تفسیر میں موضوعات اور اسرائیلیات کا دروازہ کھل گیا۔

آہستہ آہستہ عقل و نقل میں باہم آمیزش و اختلاط کا آغاز ہوا، ان مفسرین میں وہ بھی تھے جن کا مقصد وحید مختلف اقوال و آثار کو جمع کرنا تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب بھی انہیں کسی قول کا پتہ چلتا یا کوئی نئی بات سوجھتی تو فوراً اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے۔ ان کے بعد آنے والے ان اقوال کو بلا سوچے سمجھے نقل کر دیتے اور مطلقاً اس جانب توجہ نہ دیتے کہ مفسرین صحابہ و تابعین نے اس ضمن میں کیا لکھا ہے؟ اس کا محرک یہ حسن ظن تھا کہ ان کتب میں جو کچھ بھی مرقوم ہے، وہ صحیح اور درست ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض مفسرین نے ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کی تفسیر میں دس اقوال نقل کئے ہیں، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی جو تفسیر منقول ہے وہ یہود و نصاریٰ ہے۔ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ اس میں سرے سے مفسرین کے مابین کوئی اختلاف

موجود ہی نہیں۔<sup>(۱)</sup>

عقلی تفسیر کا آغاز شروع میں انفرادی فہم و ادراک سے ہوا اور اس کی روشنی میں بعض اقوال کو بعض کے مقابلہ میں ترجیح دی جانے لگی۔ شروع میں اسے اچھی نظر سے دیکھا گیا بشرطیکہ اس کا انحصار قرآنی کلمات کے معنی و مفہوم اور عربی لغت پر ہو۔ پھر مختلف و متنوع علم و معارف اور متضاد افکار کے زیر اثر اس کے دائرہ میں وسعت آتی چلی گئی۔ نتیجہ کے طور پر ایسی کتب تفسیر بھی منظر عام پر آئیں جن میں تفسیر کے سوا اور سب کچھ موجود تھا۔ عصر حاضر میں بھی ایسے مفسر موجود ہیں جن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کو ظاہری و باطنی طور پر عصری علوم کا گنجینہ ثابت کر دیں۔ ان کے نزدیک گویا قرآن کے وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ زمانہ کے ساتھ چل سکے۔ حق بات یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کے ساتھ زیادتی ہے جس سے قرآن اپنے ہدف و نصب العین سے نکل جاتا ہے جس کے لئے اسے اتارا گیا ہے۔ لیکن اس عقلی تفسیر کے باوجود بھی تفسیر بالمنقول کا تصور بالکل ختم نہ ہو سکا۔ مختلف ازمینہ میں ایسے علمائے ربانی موجود رہے جو اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے خالص نقلی انداز میں قرآن کی تفسیریں لکھیں، ان میں سے بعض اس سلسلے میں صحیح و سقیم روایات میں امتیاز بھی نہ کر سکے۔

## تدوین اصول تفسیر

حب علمائے کرام نے تفسیروں میں وضع و اختراع، صحیح و سقیم، اسرائیلیات کی بہتات، اور غیر متعلقہ مباحث کی یہ صورتحال دیکھی، تو متاخرین کی تفسیروں کا تقابل متقدمین کی تفسیروں سے کیا، تو لا محالہ ان میں یہ فکر پیدا ہوئی کہ ان اصول و قواعد کو مدوّن کیا جائے جو قرآن کریم کے فہم اور تفسیر میں مدد و معاون ثابت ہو سکیں، جنہیں صحابہ و تابعین تفسیر قرآن میں مد نظر رکھتے تھے، تاکہ تفسیر بالمنقول و المعقول میں حق اور باطل کے درمیان امتیاز ہو

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع الثمانون فی طبقات المفسرین، ج ۲ ص ۲۴۳

سکے اور صحیح تفسیری اقوال کو باطل سے جدا کیا جاسکے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) ”مقدمة فی اصول التفسیر“ کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما بعد! فقد سألني بعض الإخوان أن أكتب له مقدمة تتضمن قواعد كلية تعين على فهم القرآن ومعرفة تفسيره ومعانيه والتمييز في منقول ذلك ومعقوله بين الحق وأنواع الأباطيل والتنبيه على الدليل الفاصل بين الأقاويل۔

(مقدمة فی اصول التفسیر: مقدمة، ص ۷)

اگر اصول تفسیر کی تدوین کے حوالے سے پچھلے علماء کی علمی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے تو چار قسم کی کتب سامنے آتی ہیں:

۱..... کتب اصول فقہ: جن میں فقہاء کرام نے قرآن و سنت سے استدلال و استنباط کرنے کے اصول واضح کئے، ان کتابوں میں اصول تفسیر کو بھی مفصل طور پر واضح کیا گیا۔ اس سلسلے کی پہلی جامع کتاب امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) کی کتاب ”الرسالة“ ہے، جس میں انہوں نے کتاب و سنت کی بنیادی مباحث، مراتب بیان، نسخ و منسوخ، عموم خصوص، مجمل مفصل اور امر و نہی وغیرہ کے متعلق تفصیلی بحث کی، اور یہ تمام علوم اصول تفسیر اور اصول فقہ میں مشترک ہیں۔

۲..... کتب تفسیر: جن کے مقدمات میں مفسرین نے مصادر تفسیر ذکر کئے یا بعض آیات کی تفسیر کے دوران اصول تفسیر کی بعض جزئیات پر بحث کی، ان میں سے بعض کتب حسب ذیل ہیں:

۱..... جامع البيان لابن جرير (المتوفى ۳۱۰ھ)

۲..... النکت والعيون للماوردي (المتوفى ۳۵۰ھ)

۳..... جامع التفاسير للراغب الأصفهاني (المتوفى ۵۰۲ھ)

- ۴..... المحرر الوجيز لابن عطية (المتوفى ۵۴۲ھ)
- ۵..... الجامع لأحكام القرآن لمحمد بن أحمد القرطبي (المتوفى ۶۷۱ھ)
- ۶..... تفسير القرآن العظيم لابن كثير الدمشقي (المتوفى ۷۷۴ھ)
- ۷..... التحرير والتنوير للطاهر ابن عاشور (المتوفى ۱۳۹۳ھ)
- ۸..... أضواء البيان لمحمد الأمين الشنقيطي (المتوفى ۱۳۹۳ھ)
- ۳..... کتب علوم القرآن: ان کتابوں میں شاید کوئی ایسی کتاب ہو جس میں مصادر تفسیر جیسے اہم ترین موضوع پر گفتگو نہ کی گئی ہو۔ ان میں سے بعض اہم کتب یہ ہیں:
- ۱..... البرهان للزركشي (المتوفى ۷۹۴ھ)
- ۲..... الإتيان للسيوطي (المتوفى ۹۱۱ھ)
- ۳..... مناهل العرفان للزرقاني (المتوفى ۱۳۶۷ھ)
- ۴..... مباحث في علوم القرآن لمناع القطان (المتوفى ۱۴۲۰ھ)
- ۴..... وہ کتب جو اصول تفسیر یا مناج تفسیر کا نام سے لکھی گئیں، اس طرز پر باقاعدہ تدوین آٹھویں صدی ہجری میں ہوئی۔ اس حوالے سے پہلی کتاب علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہے۔ اصول تفسیر کے حوالے سے معروف کتب کے نام حسب ذیل ہیں:
- ۱..... مقدمة في أصول التفسير لابن تيمية (المتوفى ۷۲۸ھ)
- ۲..... أصول التفسير لابن قيم الجوزية (المتوفى ۷۵۱ھ) غير مطبوع
- ۳..... التيسير في قواعد علم التفسير لمحمد بن سليمان الكافيجي (المتوفى ۸۷۹ھ)
- ۴..... الفوز الكبير في أصول التفسير شاه ولي الله الدهلوي (المتوفى ۱۱۷۶ھ)
- ۵..... فتح الخبير في أصول التفسير لشاه ولي الله الدهلوي (المتوفى ۱۱۷۶ھ)
- ۶..... الإكسير في أصول التفسير لصديق حسن خان (المتوفى ۱۳۰۷ھ)

- ٧..... التكميل في أصول التأويل لعبد الحميد الفراهي (المتوفى ١٣٣٩هـ)
- ٨..... القواعد الحسان لتفسير القرآن لعبد الرحمن بن ناصر السعدي (المتوفى ١٣٤٦هـ)
- ٩..... التفسير والمفسرون للدكتور محمد حسين الذهبي (المتوفى ١٣٩٤هـ)
- ١٠..... التفسير ورجاله للفاضل بن عاشور (المتوفى ١٣٩٠هـ)
- ١١..... أصول في التفسير للشيخ محمد بن صالح العثيمين (المتوفى ١٣٢١هـ)
- ١٢..... قواعد التفسير للدكتور خالد بن عثمان السبت
- ١٣..... أصول التفسير وقواعده لخالد بن عبد الرحمن
- ١٤..... أصول التفسير وبحوث في أصول التفسير كلاهما للدكتور محمد لطفى الصباغ
- ١٥..... دراسات في أصول التفسير لمحسن عبد الحميد
- ١٦..... أصول التفسير ومناهجه للدكتور فهد الرومي
- ١٧..... فصول في أصول التفسير للدكتور مساعد بن سليمان الطيار
- ١٨..... مفهوم التفسير والتأويل والاستنباط والتدبر والمفسر للدكتور مساعد بن سليمان الطيار
- ١٩..... مناهج المفسرين للدكتور محمود النقراشي السيد علي
- ٢٠..... مناهج المفسرين للدكتور أحمد بن محمد الشرقاوي
- ٢١..... العرفان من أصول القرآن للشيخ محمد طاهر بنج بير صوابي
- ٢٢..... القول المنير في علم أصول التفسير للشيخ إسماعيل عنان زين . اليمنى المكي

قرآن مجید کی تفسیر کے بنیادی مآخذ دو ہیں: نقل صحیح، عقل سلیم، پھر نقل صحیح کے تحت درج ذیل مآخذ داخل ہیں:

- ۱..... کتاب اللہ
  - ۲..... سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
  - ۳..... اقوال صحابہ
  - ۴..... اقوال تابعین
  - ۵..... لغت
- اس طرح ان پانچ کے ساتھ عقل سلیم کو ملا کر کل تفسیری مآخذ چھ ہوئے۔

## پہلا مآخذ: کتاب اللہ

(یعنی تفسیر القرآن بالقرآن)

تفسیر القرآن بالقرآن کی دس (۱۰) قسمیں ہیں:

- ۱... بیان مجمل
- ۲... تقييد مطلق
- ۳... تخصيص عام
- ۴... بيان بالمنطوق أو المفهوم
- ۵... تفسير اللفظ باللفظ
- ۶... تفسير المعنى بالمعنى
- ۷... تفسير الأسلوب بالأسلوب
- ۸... تفسير الموجه بالمفصل
- ۹... تفسير بجميع القرائات
- ۱۰... جمع بين المتعارضات

## پہلی قسم: بیان المجمل

یعنی ایک آیت کے اجمال کو دوسری آیت بیان کر دے، اس کی دو صورتیں ہیں:

- ۱..... بیان بالمتصل
- ۲..... بیان بالمنفصل

بیان بالمتصل: یعنی مجمل کا بیان اسی مضمون میں متصلاً وارد ہو:

مثال..... وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

(البقرة: ۱۸۷)

ترجمہ: اور اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے

ممتاز ہو کر تم پر واضح (نہ) ہو جائے۔



یہاں ”الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ“ اور ”الْخَيْطُ الْأَسْوَدُ“ کا بیان ”مِنَ الْفَجْرِ“ کے ذریعہ متصل آ گیا ہے۔

بیان بالمنفصل: یعنی بیان کسی دوسری آیت میں ہو:

مثال..... أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ۔ (المائدة: ۱)

ترجمہ: تمہارے لئے وہ چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں جو مویشیوں میں داخل

(یا ان کے مشابہ) ہوں، سوائے اُن کے جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا

جائے گا۔

”مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ“ کا بیان آگے کی آیت ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ... إلخ“

(المائدة: ۳) میں مذکور ہے۔

### دوسری قسم: تقييد مطلق

ایک آیت کے حکم مطلق کو دوسری آیت کے ذریعہ کسی قید کے ساتھ مقید کرنا۔

مثال..... إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ۔

(آل عمران: ۹۰)

ترجمہ: (اس کے برخلاف) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا

پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

قَالَ إِنِّي تُبْتُ النَّوَءَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا ۗ (النساء: ۱۸)

ترجمہ: توبہ کی قبولیت ان کے لئے نہیں جو برے کام کئے جاتے ہیں، یہاں

تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آکھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ

میں نے اب توبہ کر لی ہے، اور نہ ان کے لئے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر

جاتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت مطلق ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کفار کی

توبہ علی الاطلاق کسی بھی حالت میں مقبول نہیں، مگر دوسری آیت نے اس کو مقید کر دیا کہ عدم قبولیت توبہ کی بات اس وقت کے ساتھ مقید ہے جب کہ کافر کفر پر برقرار رہتے رہتے نزع کی حالت میں پہنچ جائے، پھر توبہ کرے تو یہ توبہ مقبول نہیں۔

### تیسری قسم: تخصیص عام

مثال: فَإِنَّكُمْ حَوْامًا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (النساء: ۳)

ترجمہ: پس نکاح کرو جو تمہیں پسند آئیں عورتوں میں سے۔

اس آیت سے ہر پسندیدہ عورت سے نکاح کی اجازت معلوم ہوتی ہے، خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم۔ مگر دوسری آیت سے چند عورتوں کی تخصیص کر دی گئی ہے، جن سے نکاح کی اجازت نہیں۔ وہ آیت یہ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ ..... الخ۔ (النساء: ۲۳)

ترجمہ: تم پر حرام کر دی گئی ہیں تمہارے مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں۔

### چوتھی قسم: بیان بالمنطوق أو بالمفہوم

اس کی چار صورتیں ہیں:

۱..... بیان المنطوق بالمنطوق: جیسے: إِلَّا مَا يَتْلُو عَلَيْكُمْ كَوْحُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ  
نے صراحتاً بیان کر دیا۔

۲..... بیان المفہوم بالمنطوق: یعنی آیت سے نکلنے والے مفہوم اور مقتضا کو کوئی دوسری آیت لفظوں میں بیان کر دے۔ مثلاً: ”هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“ اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ قرآن صرف اہل تقویٰ کے لئے ہدایت ہے، یہی مفہوم دوسری جگہ صراحتاً مذکور ہے، سورہ فصلت میں ہے:

وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُرْءَانٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (حم السجدة: ۴۴)

ترجمہ: جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے، اور یہ

ان کے لئے اندھیرے میں بھٹکنے کا سامان ہے۔

اسی طرح بنی اسرائیل میں ہے:

وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿۱۰﴾ (الاسراء)

ترجمہ: البتہ ظالموں کے حصے میں اس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔

۳..... بیان المنطوق بالمفہوم: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ (المائدة: ۹۳)

یہاں دم کی حرمت منطوقاً وارد ہے، مگر دم کا بیان دوسری آیت کے مفہوم سے ہوتا ہے،

وہ آیت یہ ہے:

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ

مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا (الأنعام: ۱۴۵)

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اس میں تو میں

کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو، الا یہ کہ

وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو۔

یہاں دم کے ساتھ مسفوح کی قید لگائی گئی ہے، اس سے مفہوم یہ ہوا کہ دم غیر مسفوح

حرام نہیں ہے۔

۴..... بیان المفہوم بالمفہوم

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ﴿۲۲۸﴾ (البقرة: ۲۲۸)

ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہے وہ تین مرتبہ حیض آنے تک

اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

یہاں ”ثَلَاثَةَ“ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قروء سے مراد حیض ہے، کیوں کہ حیض مراد

لینے کی صورت ہی میں ”ثَلَاثَةَ“ کے مقتضایاً عمل ہو سکتا ہے، یہی مفہوم سورہ طلاق کی آیت

سے بھی نکلتا ہے ”فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ“ (الطلاق: ۱)

ترجمہ: تو انہیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو۔

اس آیت میں زمانہ طہر میں طلاق دینے کا امر ہے، تاکہ تین حیض عدت کے مکمل ہو سکیں، تو گویا دونوں آیتوں میں سے ایک آیت کا مفہوم دوسری آیت کے مفہوم کو واضح کرتا ہے۔

پانچویں قسم: تفسیر اللفظ باللفظ

اس کی دو صورتیں ہیں:

۱..... تفسیر اللفظ الغریب بالمشہور ۲..... تفسیر اللفظ بسباق الآیة۔

۱..... تفسیر اللفظ الغریب بالمشہور (یعنی غیر مشہور لفظ کی مشہور لفظ سے تفسیر

کرنا) کی مثال:

وَ أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿۵۱﴾ (الحجر)

ترجمہ: اور ہم نے ان پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش برسا دی۔

یہاں ”سِجِّيلٍ“ ایک غریب (غیر مشہور) لفظ ہے، جس کی تفسیر دوسری آیت میں

یوں آئی ہے:

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَابًا مِّنْ طِينٍ ﴿۳۱﴾ (الذاریات)

ترجمہ: تاکہ ہم ان پر پکی مٹی کے پتھر برسائیں۔

۲..... تفسیر اللفظ بسباق الآیة: (یعنی آیت کے سیاق و سباق سے لفظ کی مراد

واضح کرنا) کی مثال:

أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا

فَفَتَقْنَاهُمَا ﴿۳۰﴾ (الأنبياء: ۳۰)

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان

اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھول دیا۔

یہاں لفظ ”فَفَتَقْنَاهُمَا“ کی تفسیر دوسری آیات کے سیاق سے ہوتی ہے، اور وہ یہ ہیں:

وَ السَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَ الْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ (الطارق)

ترجمہ: قسم ہے بارش بھرے آسمانوں کی، اور پھوٹ پڑنے والی زمین کی۔

اور

فَلْيُنْظَرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۗ أَنَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۚ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ  
شَقًّا ۚ (العنكبوت)

ترجمہ: پھر ذرا انسان اپنے کھانے ہی کو دیکھ لے کہ ہم نے اوپر سے خوب پانی  
برسایا، پھر ہم نے زمین کو عجیب طرح پھاڑا۔

اس مثال میں ”ارض وسموات“ کے لئے ”جو“ فتق“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہ  
پھاڑنے کی معنی میں قلیل الاستعمال اور غیر مشہور ہے۔ تو اس کی تفسیر مذکورہ بالا آیات کے  
مضمون اور سیاق سے ہو رہی ہے، بایں طور کہ ان آیات میں رجح، صدع، شق کے الفاظ  
استعمال کئے گئے جو پھاڑنے کے معنی کو ادا کرتے ہیں، اس طرح ایک لفظ غریب کی،  
دوسری آیات کے سیاق کے ذریعہ تفسیر ہوئی۔

چھٹی قسم: تفسیر المعنى بالمعنى

تفسیر المعنى بالمعنى: (ایک آیت کے مفہوم سے دوسری آیت کے مفہوم کو  
واضح کرنا)

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ۗ وَلَا  
يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۙ (النساء)

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے اور رسول کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار  
کیا ہے، اس دن وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین (میں دھنسا کر اس)  
کے برابر کر دیا جائے، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

اس مضمون کو دوسری آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يُلَيْتُنِي كُنتُ تُرَابًا ۙ (النبأ)

ترجمہ: اور کافر یہ کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

## ساتویں قسم: تفسیر الأسلوب بالأسلوب

(اسلوب کی یکسانیت سے ایک جگہ کی مدد سے دوسری جگہ کی مراد کو سمجھنا)

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةً (البقرة: ۵۸) ای دخولنا حطة۔

ترجمہ: اور (بستی کے) دروازے میں جھکے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور یہ

کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں۔

یہ بنی اسرائیل کو قومِ عمالقہ کی بستی میں داخل ہونے کے وقت حکم دیا گیا تھا کہ ”حِطَّةً“

کہہ کر داخل ہونا، ”حِطَّةً“ کا مطلب یہ ہوگا ”دخولنا حطة“ ہمارا اس شہر میں داخل ہونا

گناہوں کے ”حِطَّةً“ یعنی مغفرت کا ذریعہ بن جائے، ”حِطَّةً“ کی تفسیر ”دخولنا حطة“

سے جو کی گئی ہے، ایک دوسری آیت کے اسلوب سے ماخوذ ہے، وہ آیت ہے: قَالُوا

مَعذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُم۔ (الأعراف: ۱۶۳) ”ای موعظتنا معذرة إلى ربكم“ دونوں آیتوں

کا اسلوب ایک جیسا ہے، اور یہاں ”مَعذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُم“ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نصیحت

تمہارے رب کی دربار میں عذر کرنے کے لئے ہے۔ پس یہیں سے ”قُولُوا حِطَّةً“ کا

مطلب بھی سمجھ میں آ گیا کہ ہمارا شہر میں دخول گناہوں کی مغفرت کے لئے ہے۔

## آٹھویں قسم: تفسیر الموجز بالمفصل

(مختصر کی تفسیر مفصل کے ذریعہ) اس کی بھی چند صورتیں ہیں:

(الف) ایک جگہ کوئی مضمون اخبار کی شکل میں ہو اور دوسری جگہ استخبار کی شکل میں،

یعنی سوال و جواب کی شکل میں ہو، اس سے بھی مضمون کی تبیین و توضیح ہو جاتی ہے۔

مثال: مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ (الفتاحہ) ترجمہ: جو روز جزا کا مالک ہے۔

سورۃ انفطار میں یہ مضمون استخبار کی صورت میں آیا ہے:

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ يَوْمَ

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝ (الانفطار)

ترجمہ: اور تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز ہے؟ ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز ہے؟ یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اُس دن اللہ ہی کا چلے گا۔

(ب) ایک جگہ نفس واقعہ کا ذکر ہو، دوسری جگہ کیفیت واقعہ بھی مذکور ہو:

مثال: وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعَجَلِ مِنَ بَعْدِ ۖ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝

(البقرة)

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ

ٹھہرایا تھا، پھر تم نے ان کے پیچھے (اپنی جانوں پر) ظلم کر کے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

یہاں موسیٰ علیہ السلام سے صرف وعدہ کا ذکر ہے، صورتِ وعدہ مذکور نہیں ہے یعنی

چالیس راتوں کا وعدہ ایک ساتھ کیا تھا یا متعدد اوقات میں، اس کو دوسری آیت میں بیان کیا گیا:

وَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ ۖ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ ۚ أَرْبَعِينَ

لَيْلَةً ۚ (الاعراف: ۱۴۲)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا (کہ ان راتوں میں کوہ

طور پر آ کر اعتکاف کریں) پھر دس راتیں مزید بڑھا کر ان کی تکمیل کی، اور اس

طرح ان کے رب کی ٹھہرائی ہوئی میعاد کل چالیس راتیں ہو گئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے تیس راتوں کا وعدہ کیا گیا، پھر دس راتوں کا اضافہ کیا گیا تھا۔

(ج) ایک جگہ مطلق امر ہو، دوسری جگہ صورتِ امر بھی مذکور ہو (یعنی یہ امر تجیزاً کیا

گیا یا تعلیقاً اس کا بیان ہو)

مثال: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ (الكهف: ۵۰)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔

یہاں سجدہ کا امر مطلق ہے یعنی یہ بیان نہیں کیا گیا کہ امر بالسجود علی الفور بلا تعلیق ہے یا

تعلیق کے ساتھ ہے، دوسری جگہ اس کی وضاحت آئی ہے:

وَ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلٰوٰتٍ مِّنْ حَمٰٓءٍ مَّسْنُوٰنٍ ۝۱۱

فَاِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَسَجُّوْا لَهٗ سٰجِدٰٓیْنَ ۝۱۲ (الحجر)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا میں

گارے کی کھنکھاتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ لہذا جب

میں اس کو پوری طرح بنا لوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب

اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

اور سورہ ص میں ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝۱۱ فَاِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَ نَفَخْتُ

فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَسَجُّوْا لَهٗ سٰجِدٰٓیْنَ ۝۱۲ (ص)

ترجمہ: یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گارے سے

ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، چنانچہ جب میں اُسے پوری طرح بنا دوں

اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ سجدہ کا حکم تعلیقاً تھا نہ کہ تجزیاً، یعنی تخلیقِ آدم کی تکمیل اور

نفخِ روح پر معلق تھا کہ جب آدم علیہ السلام مکمل بنا دیئے جائیں اور روح پھونک دی جائے تو

اے ملائکہ! ان کو سجدہ کرو۔

(د) ایک جگہ صرف طلب کا ذکر ہو، دوسری جگہ غرض طلب کا بھی بیان ہو:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا اُنزِلَ عَلَیْهِ مَلٰٓئِكٌ ۝۸ (الانعام: ۸)

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔

یہاں ”انزال ملک“ سے مشرکین کی کیا غرض تھی، نہیں بیان کیا گیا۔ سورہ فرقان

میں اس کی وضاحت آئی ہے:

وَ قَالُوْا مَا لِہٰذَا الرَّسُوْلِ یَا کُلَّ الطَّعٰمِ وَ یَشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ۝ لَوْ لَا اُنزِلَ



إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۖ (الفرقان)

ترجمہ: اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟

یہاں غرض انزال بتلائی گئی کہ رسول کے ساتھ وہ بھی انذار کا کام کرے۔  
(ھ) ایک جگہ خود شی مذکور ہو، دوسری جگہ اس کا متعلق مذکور ہو، اس کی بھی چند شکلیں ہیں:  
(۱) ایک جگہ شی مذکور ہو، دوسری جگہ اس کا سبب مذکور ہو:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۗ (البقرة: ۷۴)

ترجمہ: اس کے بعد تمہارے دل پھر سخت ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی زیادہ۔

یہاں قساوتِ قلبی کا ذکر ہے، دوسری جگہ اس کا سبب بھی بیان کیا گیا ہے:

فَبِمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً ۗ (المائدة: ۱۳)

ترجمہ: پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کیا اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔

فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ (الحديد: ۱۶)

ترجمہ: پھر ان کی ایک لمبی مدت گزر گئی، اور ان کے دل سخت ہو گئے۔

اس میں نقضِ میثاق کو لعنت اور قساوت کا سبب بتلایا گیا ہے۔

(۲) ایک جگہ شی کا ذکر ہو، دوسری جگہ اس کا مفعول مذکور ہو، اگر متعدی بیک مفعول

ہو، تو ایک مفعول محذوف ہو، متعدی بدو مفعول ہو، تو ایک مفعول کا ذکر ہو دوسرا محذوف ہو۔

متعدی بیک مفعول کی مثال

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِمَنْ يَخْشَى ۖ (النازعات)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو

اللہ کا خوف دل میں رکھتا ہو۔

اور دوسری جگہ اس کا مفعول مذکور ہے:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَن خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ (ہود: ۱۰۳)

ترجمہ: ان ساری باتوں میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے

عذاب سے ڈرتا ہو۔

اس دوسری آیت کے مفعول سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں ”يَخْشَى“ کا مفعول بھی

”عَذَابَ الْآخِرَةِ“ ہی ہے۔

### متعدی بد و مفعول کی مثال

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهَا (البقرة: ۵۱)

ترجمہ: پھر تم نے ان کے پیچھے نکھڑے کو معبود بنا لیا۔

دوسرے مقام پر مفعول ثانی کی طرف اشارہ ہے:

فَكَذَّبِكِ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۖ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورًا فَقَالُوا

هَذَا آ إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ ۖ فَتَسَىٰ ۖ (طہ)

ترجمہ: پھر اس طرح سامری نے کچھ ڈالا اور لوگوں کے سامنے ایک نکھڑا بنا کر

نکال لیا، ایک جسم تھا جس میں سے آواز نکلتی تھی، لوگ کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود

ہے اور موسیٰ کا معبود ہے، مگر موسیٰ بھول گئے ہیں۔

(۳) ایک جگہ شی کا ذکر ہو، دوسری جگہ اس کا ظرف مذکور ہو، زمانی یا مکانی۔

### ظرفِ زمانی کی مثال

لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرة: ۱۴۳)

ترجمہ: تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔

یہاں شہادت کا ظرفِ زمان موجود نہیں ہے، سورہ نساء کی آیت میں اس کی طرف

اشارہ ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ (النساء)

ترجمہ: پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت میں ایک گواہ لے کر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔

اس آیت میں ”إِذَا جِئْنَا“ کے ذریعہ ظرفِ زمان کا ذکر ہے۔

## ظرفِ مکانی کی مثال

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (الفاتحة)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اس مقام پر حمد کا ظرفِ مکانی مذکور نہیں ہے، دوسری آیت میں اس کا بیان آیا ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الروم: ۱۸)

ترجمہ: اور اسی کی حمد ہوتی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔

(۴) ایک جگہ شی کا متعلق مذکور نہ ہو، دوسری جگہ مذکور ہو۔

مثال..... وَحَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِ بِأَسِ الذِّينَ كَفَرُوا ۝ (النساء: ۸۴)

ترجمہ: مؤمنوں کو ترغیب دیتے رہو، کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور

توڑ دے۔

یہاں متعلق تحریر مذکور نہیں ہے کہ کس پر تحریر کا امر کیا گیا ہے، دوسری جگہ اس کی

وضاحت آئی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۝ (الأنفال: ۶۵)

ترجمہ: اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر ابھارو۔

(و) ایک مقام پر مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی بعض حکمتوں کا ذکر ہو، دوسری جگہ

دوسری حکمتوں کا ذکر ہو:

مثال..... وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا - (الأنعام: ۹۷)

ترجمہ: اور اس نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں، تاکہ تم ان کے ذریعے راستے معلوم کر سکو۔

یہاں ستاروں کی ایک حکمت یعنی اہتداء کا بیان ہے، دوسری جگہوں پر اس کے علاوہ دوسری حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ - (الملك: ۵)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان دنیا کو روشن چراغوں سے سجا رکھا ہے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ ۗ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ

مَّارِدٍ ۗ (صافات)

ترجمہ: بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی شکل میں ایک سجاوٹ عطا کی ہے، اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔

(ز) کسی مقام پر امر، نہی یا شرط کا ذکر ہو، دوسرے مقام پر امر و نہی کے امتثال، یا شرط کے حصول کو بیان کیا گیا۔

## امر کی مثال

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا - (البقرة: ۱۳۶)

ترجمہ: (مسلمانو!) کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اس کلام پر بھی جو ہم پر اتارا گیا۔

یہاں امر کے امتثال اور تحقق نہیں بتایا گیا، دوسری جگہ اس کا بیان آیا ہے:

أَمِنَ الرَّسُولُ ..... (البقرة: ۲۸۵)

## نہی کی مثال

وَ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ (النساء: ۱۵۳)

ترجمہ: اور ان سے کہا تھا کہ تم سنبچر کے دن کے بارے میں حد سے ناگزرنے۔

یہاں امتثال کے متعلق بیان نہیں ہے دوسری جگہ بیان آیا ہے کہ انہوں نے امتثال نہیں کیا تھا، چنانچہ اللہ نے فرمایا:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ - (البقرة: ۶۵)

ترجمہ: اور تم اپنے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو جو سنیچر کے معاملے میں حد سے گزر گئے تھے۔

## شرط کی مثال

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۗ (البقرة: ۲۱۷)

ترجمہ: اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔

یہاں یہ بتایا گیا کہ اگر کافروں کو ممکن ہو، تو تم کو دین سے پھیر کر رہیں گے۔ اس آیت میں شرط کے تحقق اور وقوع کے متعلق کوئی بات نہیں کہی گئی، دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ شرط کا تحقق نہیں ہوا ہے، وہ آیت یہ ہے:

الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ (المائدة: ۳)

ترجمہ: آج کافر لوگ تمہارے دین (کے مغلوب ہونے) سے ناامید ہو گئے ہیں۔

(ح) ایک مقام پر کسی شے کے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے کو بتایا گیا، دوسری جگہ یہ بتایا گیا ہو کہ واقع ہو چکا ہے:

مِثَال: سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا - (الانعام: ۱۳۸)

ترجمہ: جن لوگوں نے شرک اپنایا ہوا ہے وہ یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ (النحل: ۳۵)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے شرک اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم

اس کے سوا کسی اور چیز کی عبادت نہ کرتے۔

(ط) ایک مقام پر شی کا ذکر ہو، دوسری جگہ اس کی صفات کا ذکر ہو:

مثال: وَوَدَّ خَلْفَهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝ (النساء)

ترجمہ: اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔

یہاں جنت کے سایوں کا بیان ہے۔ دوسری آیات میں سایوں کی صفت آئی ہے:

أَكْطَاهَا دَأِيمٌ وَظِلُّهَا ۝ (الرعد: ۳۵)

ترجمہ: اور اس کے پھل بھی سدا بہار ہیں اور اس کی چھاؤں بھی۔

وَظِلٌّ مَّمدُودٌ ۝ (الواقعة: ۳۰)

ترجمہ: اور دُور تک پھیلے ہوئے سائے ہیں۔

(ی) ایک جگہ عام وارد ہوا ہو، دوسری جگہ اس عام کے کسی فرد کا صراحتاً ذکر کیا گیا ہو:

مثال: ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظِمُ شَعْرًا بِرِ اللَّهِ (الحج: ۳۲)

ترجمہ: یہ ساری باتیں یاد رکھو، اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے۔

یہاں شعائر اللہ عام ہے، دوسری جگہ بدنہ کو منجملہ شعائر اللہ میں ہونا بتلایا گیا ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ - (الحج: ۳۶)

ترجمہ: اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں

شامل کیا ہے۔

(ک) کوئی قصہ کسی جگہ اجمالاً ہو، دوسری جگہ تفصیلاً ہو:

انبیائے کرام کے قصوں میں قرآن عزیز میں ایسا بہت ہوا ہے، اسی طرح آسمان

وزمین کی تخلیق کا بیان کہیں اجمالاً آیا ہے، کہیں بسط و تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

یہ صورتیں آٹھویں قسم (تفسیر الموجز بالمفصل) کی تھیں، اس کے علاوہ اور بھی

اس کی صورتیں ہیں، طوالت کے خوف سے انہیں ترک کیا جاتا ہے۔

## نویں قسم: جمع القراءات الصحيحة

یعنی مراد آیت کی تفسیر و توضیح کے لئے تمام قراءات صحیحہ کو جمع کرنا۔ مثلاً:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدة: ۳۸)

ترجمہ: اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

اس میں قطع ید کا امر ہے، مگر ”ید“ کی تعین نہیں کی گئی، مگر اس کی تفسیر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے ہوتی ہے، ان کی قراءت یہ ہے: ”وَالسَّارِقُونَ وَالسَّارِقَاتُ فَاقْطَعُوا أَيْمَانَهُمْ“ اس سے معلوم ہوا کہ داہنا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

## دسویں قسم: جمع بین المتعارضات والمتشابهات

یعنی ایک ہی مضمون پر مشتمل متعدد آیات جن میں تعارض نظر آتا ہو، ان سب کو جمع کیا جائے، مثلاً: اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ تخلیق کے بارے میں کہیں ”تُرَابٍ“ کہا، کہیں ”طِينٍ“ کو بتلایا، کہیں ”صَلْصَالٍ مِنْ حَبَا قَسْنُونٍ“ بتلایا ہے اور کہیں ”صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ“ کہا ہے۔

ان میں کوئی تعارض نہیں، مطلب یہ ہے مختلف اطوار و مراحل کے اعتبار سے کہا گیا ہے، اول مرحلہ میں ”تُرَابٍ“ پھر اس مٹی کو پانی سے مخلوط کر دیا گیا، تو ”طِينٍ“، اور ”صَلْصَالٍ“ ہوگئی (صَلْصَالٍ: ایک مخصوص قسم کی مٹی کا نام ہے) پھر وہی مٹی جب سوکھ جاتی ہے تو مثل ”فخار“ ہو جاتی ہے۔

## دوسرا ماخذ: حدیث

(تفسیر القرآن بالسنة)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و ارشادات سے قرآن مجید کی تفسیر۔

اس کی آٹھ قسمیں ہیں:

۲..... تفسیر بتنصيص الآية

۱..... تفسیر بالقرآن

۳..... تفسیر المشکل

۴..... تفسیر بلا تنصیص الآیة

۵..... تفسیر بالجواب

۶..... تفسیر فی الاختلاف

۷..... تفسیر بالتلاوة

۸..... تفسیر بالعمل

### پہلی قسم: تفسیر بالقرآن

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی آیت کی تفسیر دوسری آیت سے فرمادیں، جیسے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام: ۸۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی، سورہ لقمان کی آیت:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان)

ترجمہ: یقین جانو کہ شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

### دوسری قسم: تنصیص علی تفسیر الآیة

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تصریح کر کے اس کی تفسیر فرمائی ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

۱..... پہلے تفسیر ذکر فرمائی ہو، پھر آیت کی تصریح کی ہو، جیسے کہ صحیحین میں حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت مذکور ہے:

لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلَا اللَّقْمَةُ

وَاللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ، وَأَقْرَبُوا إِنْ شِئْتُمْ، يَعْنِي



قَوْلُهُ: لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِحْقَافًا. (البقرة: ۲۷۳) (۱)

۲..... آیت کے بعد تفسیر فرمائی ہو، جیسا کہ صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ

عنه سے مروی ہے:

لَتَرَ كِبْنَ طَبَقًا عَنِ طَبَقٍ ① - (الانشقاق) حالاً بعد حال، قال: هذا

نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲)

### تیسری قسم: تفسیر المشکل

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کسی آیت کی تفسیر مخفی رہ گئی ہو، اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہو، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے، آپ پر سورہ جمعہ کی آیت ”وَآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ“ (الجمعة: ۳) نازل ہوئی، تو میں نے پوچھا آخرین سے کون سی قوم کے لوگ مراد ہیں؟ آپ خاموش رہے تین مرتبہ میں نے پوچھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، آپ علیہ السلام نے ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا: لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هَؤُلَاءِ۔ اگر ایمان روئے زمین سے اٹھ کر ثریا پر بھی پہنچ جائے، پھر بھی ان کی قوم کے لوگ اسے حاصل کر لیں گے۔ (۳)

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: لا یسألون الناس إحقافاً، ج ۶ ص ۳۲، رقم الحدیث: ۴۵۳۹ / صحیح مسلم: کتاب الزکاة، باب المسکین الذی لا یجد غنی.... إلخ، ج ۲ ص ۷۱۹، رقم الحدیث: ۱۰۳۹

(۲) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: لتركبن طبقاً عن طبق، ج ۶ ص ۱۶۸، رقم الحدیث: ۴۹۴۰

(۳) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: وآخِرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ، ج ۶ ص ۱۵۱، رقم الحدیث: ۴۸۹۷ / صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة، باب فضل فارس، ج ۴ ص ۱۹۷۲، رقم الحدیث: ۲۵۴۶

## چوتھی قسم: تفسیر بلا تنصیص آیة

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ذکر نہ فرمائی ہو، مگر آپ کے بیان سے کسی آیت کی تفسیر ہو جاتی ہو، جیسے کہ غزوة خندق کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی اس وقت آپ نے فرمایا تھا:

حَبَسُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوَسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ، مَلَأَ اللَّهُ قُبُورَهُمْ  
وَبَيوتَهُمْ نَارًا۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث سے آیت: حَفِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةَ وَالصَّلَاةَ الْوَسْطَى۔ (البقرة: ۲۳۸) میں وارد صلاۃ وسطی کی تفسیر ہو جاتی ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔

## پانچویں قسم: تفسیر بالجواب

اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے کسی آیت کے متعلق کوئی سوال پیش کریں، پھر خود ہی اس کا جواب دیں۔

جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر نازل ہوئی، تو آپ علیہ اسلام نے صحابہ کرام کے سامنے سورت پڑھی، اور پھر ان سے پوچھا: أَتَدْرُونَ مَا الْكُوثَرُ؟ جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ“ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَعَدْنِيهِ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ، هُوَ حَوْضٌ تَرِدُ

عَلَيْهِ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَنْيَّتُهُ عَدَدُ النُّجُومِ“<sup>(۲)</sup>

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: حَفِظُوا عَلَيَّ الصَّلَاةَ وَالصَّلَاةَ الْوَسْطَى، ج ۶ ص ۳۰،

رقم الحدیث: ۴۵۳۳

(۲) صحیح مسلم: کتاب الصلاة، باب حجة من قال: البسملة آية من أول كل سورة..... إلخ، ج ۱

ص ۳۰۰، رقم الحدیث: ۳۰۰

## چھٹی قسم: تفسیر فی الاختلاف

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان کسی آیت کے اندر اختلاف ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر فرما کر اس کو دور کیا ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بنو خدرہ اور بنو عمرو بن عوف کے دو آدمیوں کے درمیان اختلاف ہوا کہ ”لَمَسْجِدًا أُسَسَ عَلَى التَّقْوَى“ سے کونسی مسجد مراد ہے، قبیلہ خدرہ کے آدمی نے کہا: اس سے مراد مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور بنو عمرو کے آدمی نے کہا: نہیں! اس سے مراد مسجد قباء ہے، دونوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ سے دریافت فرمایا: آپ نے مسجد نبوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ہو هذا یعنی مسجدہ الخ۔<sup>(۱)</sup>

## ساتویں قسم: تفسیر بالتلاوة

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف آیت کی تلاوت فرمادیں۔

مثال: صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے میں الحاح اور آہ وزاری کے ساتھ دعا فرما رہے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اللَّهُمَّ إِن تَشَاءُ لَا تُعَبِّدْ بَعْدَ الْيَوْمِ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: حَسْبُكَ يَا رَسُولَ

اللَّهِ! اللہ کے رسول! بس کیجئے، آپ نے اپنے رب کو منالیا ہے، آپ اپنی زرہ پہنے ہوئے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

سَيُنزَلُ الْجَمْعُ وَيُؤْتُونَ الدُّبْرَ ۝ (القمر) <sup>(۲)</sup>

(۱) سنن الترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء في المسجد الذي أسس على التقوى، ج ۲ ص ۱۳۳، رقم الحديث: ۳۲۳

(۲) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: سَيُنزَلُ الْجَمْعُ وَيُؤْتُونَ الدُّبْرَ، ج ۶ ص ۱۶۸، رقم الحديث: ۴۸۷۵

آپ کی تلاوت کرنے سے تفسیر ہوگئی کہ یہ آیت غزوہ بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس میں مشرکین کی شکست کے متعلق پیشین گوئی وارد ہے۔

### آٹھویں قسم: تفسیر بالعمل

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے آیت کی تفسیر ہو جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت ”وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۱۳۱﴾“ (الشعراء) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر چڑھے اور ندا لگائی: يَا بَنِي فِهْرٍ، يَا بَنِي عَدِيٍّ ... إلخ۔<sup>(۱)</sup>

### أحوال السنة مع القرآن

یعنی احادیث مبارکہ سے آیات قرآنیہ کی کس کس شکل میں تفسیر ہوئی ہے۔

حدیث شریف میں یا تو قرآن کے کسی مضمون کی تاکید ہوئی ہے، یا اس سے زائد کوئی بات مذکور ہوئی ہے، یا صرف توضیح و تبیین ہوئی ہے۔

اگر حدیث کو اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ وہ قرآن کے لئے بیان ہے تو اس کی سات قسمیں بنتی ہیں:

۱..... تخصیص عام: مثلاً: الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (الأنعام: ۸۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی

ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا۔

اس میں ظلم عام ہے، مگر حدیث میں اس کی تفسیر شرک سے کی گئی ہے، جو ظلم کا ایک فرد

خاص ہے۔

۲..... تقييد مطلق: مثلاً: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدة: ۳۸)

ترجمہ: اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب الوصایا، باب إذا وقف أو أوصى لأقاربه، ج ۳ ص ۶، رقم الحدیث: ۲۷۵۲

اس میں ”ایدی“ کا لفظ مطلق وارد ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد ”رُسُغَيْن“ ہیں نہ کہ مرافق و مناكب۔

۳..... تعریف مبہم: مثلاً: عَلَيَّ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ⑤ - (الإسراء)

ترجمہ: امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔

اس میں مقام محمود کی مراد مبہم تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الشفاعة۔

۴..... بیان مجمل: مثلاً ”أَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ“ مجملاً نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے، مگر حدیث شریف سے اس کی تفصیلات، شرائط، ارکان، فرائض، آداب و سنن وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔

۵..... بیان الفاظ: مثلاً: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا - (البقرة: ۱۴۳) ایک حدیث

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وسط کا معنی ہے ”العدل“

۶..... تفصیل قصص: مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ، اسی طرح

”اصحاب اخدود“ کا واقعہ قرآن مجید میں مختصراً آیا ہے، پھر احادیث میں اس کو مفصل بیان فرمایا گیا ہے۔

۷..... بیان نسخ: مثلاً قرآن میں ایک آیت تھی جو خمس رضعات پر مشتمل تھی جو منسوخ

ہوگئی، ان کی منسوخیت کا علم حدیث کے ذریعے ہوا۔

## تیسرا ماخذ: اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اہل زبان تھے، نیز وہ نزول قرآن کے وقت

موجود تھے، آیت کے پس و پیش اور زمان نزول کے احوال و کوائف سے واقف تھے۔ نیز

صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے انہیں فہم و فراست اعلیٰ درجہ کی ملی تھی، اس

لئے ان کے اقوال تفسیر کے باب میں حجت ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے تفسیری مآخذ، درج ذیل سات مصادر تھے:

۱... کتاب اللہ

۲... سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۳... لغت

۴... نقل عن اهل الكتاب

۵... فہم واجتہاد

۶... أخذ عن الصحابی

۷... تفسیر بالأحوال

## پہلا مصدر: قرآن کریم

مثال: صحیح بخاری میں روایت ہے کہ عوام بن حوشب نے حضرت مجاہد سے پوچھا، سورہ ص میں ”وَوَظَنَ دَاوُدُ اَنْتَبَأْتَتْهُ فَاسْتَعْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَاَنْابَ ﴿۳۱﴾“ پر سجدہ ہے یا نہیں؟ تو فرمایا کہ یہی سوال حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا گیا تھا، تو آپ نے سورہ انعام کی ایک آیت ”اُولَئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهٰدَاهُمْ اَقْتَدِهٖ“ کی تلاوت فرمادی، گویا آپ نے پہلی آیت کی دوسری آیت سے تفسیر فرمادی، چوں کہ پہلی آیت میں حضرت داود علیہ السلام کے سجدے کا ذکر ہے، اور دوسری آیت میں تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والسلام کی اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے، لہذا سورہ ص کی آیت کی تلاوت کے وقت سجدہ کرنا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت پر سجدہ کیا کرتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

## دوسرا مصدر: سنت نبویہ

اس کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت: صحابی حدیثِ قولی مرفوع صریح سے تفسیر کرے جس میں تفسیر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صراحتاً مذکور ہو۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: وإن یونس لمن المرسلین، ج ۶ ص ۱۲۴، رقم

الحديث: ۲۸۰۶

مثال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی نقل کی: "أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ، مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ" اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

إِقْرَأُوا إِن شِئْتُمْ، فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ - (۱)

دوسری صورت: حدیث مرفوع حکمی غیر صریح سے صحابی آیت کی تفسیر کرے، جس میں تفسیر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صراحتاً نہ کی گئی ہو۔

مثال: لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝ - (النجم)

ترجمہ: سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر فرمائی ہے: "رَأَى رُفْرَفًا أَخْضَرَ قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ" اس تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کی تاہم چوں کہ یہ امور غیبیہ کی قبیل سے ہے، جس پر اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دیئے بغیر نہیں ہو سکتی، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ تفسیر حدیث مرفوع حکمی کہلائے گی۔ (۲)

تیسری صورت: صحابی آیت کی تفسیر سنت فعلی سے کرے، اس کی دو شکلیں ہیں: پہلی شکل یہ ہے کہ نسبت الی الرسول کی صراحت کر دے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ نسبت کی صراحت نہ کرے، مگر حکماً وہ حدیث مرفوع ہو۔  
نوع اول کی مثال: سنن ترمذی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے مذکور ہے:

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرۃ اعین، ج ۶ ص ۱۱۵، رقم الحدیث ۴۷۷۹

(۲) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: لقد رأى من آیات ربه الكبرى، ج ۶ ص ۱۳۱، رقم الحدیث: ۴۸۵۸

”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ تَطَوُّعًا حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ

بِهِ وَهُوَ جَاءَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ“ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آیت ”وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ  
وَالْمَغْرِبُ“ کی تفسیر فرمائی تھی۔

نوع ثانی کی مثال: صحیح بخاری میں روایت ہے، حضرت نافع حضرت عبد اللہ بن عمر  
رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ سے جب صلاة الخوف کے متعلق پوچھا جاتا تو  
آپ اس کا طریقہ بیان فرماتے:

يَتَقَدَّمُ الْإِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُصَلِّي بِهِنَّ الْإِمَامُ رُكْعَةً.....

الحدیث۔ (۲)

اس کے بعد نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے ہی بیان کیا ہوگا، اگرچہ یہاں انہوں نے طریقہ صلاة کی نسبت  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں فرمائی، تاہم اس کا فعل رسول ہونا متعین ہے، کیوں کہ  
ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی رائے سے یہ طریقہ بیان نہیں کر سکتے۔

### تیسرا مصدر: لغت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ”وَكَاَسًا دِهَاقًا“  
کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے ”دِهَاقًا“ کی تفسیر ”مَلَأَى مُتَتَابِعَةً“ سے فرمائی ہے اور  
کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے والد کو زمانہ جاہلیت میں یہ کہتے  
ہوئے سنا: ”إِسْقِنَا كَاَسًا دِهَاقًا“ جس کی مراد ہے ”مَلَأَى مُتَتَابِعَةً“ یعنی لبالب پیالہ۔ (۳)

(۱) سنن الترمذی: ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة البقرة، ج ۵ ص ۲۰۵، رقم الحدیث: ۲۹۵۸

(۲) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: فإن خفتهم فرجالا أو ركبانا... إلخ، ج ۶ ص ۳۰،

رقم الحدیث: ۴۵۳۵

(۳) صحیح البخاری: کتاب المناقب، باب أيام الجاهلية، ج ۵ ص ۴۱، رقم الحدیث: ۳۸۳۹



## چوتھا مصدر: نقل عن اهل الكتاب

یعنی اہل کتاب سے منقول اسرائیلی روایات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفسیری  
 آخذ میں ایک ماخذ رہی ہیں، مگر علی الاطلاق اسرائیلیات حجت نہیں ہیں بلکہ ان کی تین  
 قسمیں ہیں:

اول: وہ روایات جن کی صحت پر کتاب و سنت سے شہادت ملتی ہو، ایسی اسرائیلیات کا بیان  
 کرنا جائز ہے، مثلاً فرعون کا غرق ہو جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں سے  
 مقابلہ، آپ کا کوہ طور پر جانا۔

دوم: وہ روایات جن کے جھوٹ ہونے پر کتاب و سنت میں دلیل موجود ہو، اس کا بیان کرنا  
 بالکل جائز نہیں، مثلاً یہ کہانی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں (معاذ اللہ)  
 بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے، اسی طرح داود علیہ السلام کے بارے میں یہ من گھڑت  
 کہانی کہ آپ علیہ السلام (معاذ اللہ) اپنے سپہ سالار ”اوریا“ کی بیوی پر فریفتہ ہو  
 گئے تھے۔

سوم: مسکوت عنہا یعنی وہ روایات جن کے صدق و کذب پر کتاب اللہ میں کوئی دلیل یا  
 اشارہ نہ ہو، اس قسم کی روایات کا بیان کرنا تو جائز ہے، لیکن نہ ان پر کسی دینی مسئلہ کی  
 بنیاد رکھی جاسکتی ہے، نہ ان کی تصدیق یا تکذیب کی جاسکتی ہے۔ ایسی روایات کے  
 بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تَكذَّبُوهُمْ، وَقُولُوا: آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا  
 أَنْزَلَ إِلَيْنَا۔<sup>(۱)</sup>

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب قولوا آمنا باللہ وما أنزل إلینا، ج ۶ ص ۲۰، رقم

کتاب تفسیر میں موجود موضوعات اور اسرائیلی روایات کی نشاندہی کے لئے اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں ”الإسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر“

## پانچواں مصدر: فہم واجتہاد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے نزولِ قرآن ہوا، نیز ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا، مزید برآں صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے فہم و فراست انہیں اعلیٰ درجہ کی ملی تھی، اس لئے ان کے اجتہادات، تفسیر کے ماخذ میں ایک ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مثال: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ (النصر)

ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔

اس آیت کی تفسیر کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہاں ملکوں اور قلعوں کی فتح کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد سے بتلایا کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔<sup>(۱)</sup>

## چھٹا مصدر: أخذ عن الصحابی

یعنی ایک صحابی کسی آیت کی تفسیر دوسرے صحابی سے معلوم کرے۔

مثال: ..... وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ

خَفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ (النساء: ۱۰۱)

ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ

پریشان کریں گے، تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کر لو۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: روایت الناس یدخلون فی دین اللہ أفواجا، ج ۶

ص ۱۷۹، رقم الحدیث: ۳۹۶۹

صحیح مسلم میں ہے کہ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ اب تو لوگ پر امن ہو گئے (یعنی اب دشمن کا خوف نہ رہا، لہذا قصر صلاۃ کا حکم اب باقی نہ رہنا چاہئے کیوں کہ آیت میں قصر کی اجازت خوف پر معلق کی گئی ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس بارے میں تعجب ہوا تھا جیسے کہ تمہیں تعجب ہوا ہے، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا:

”صَدَقَ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صِدْقَتَهُ“

یعنی تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عنایت ہے اس کو قبول کر لو۔<sup>(۱)</sup>

### ساتواں مصدر: تفسیر بالأحوال

یعنی آیت جن احوال و وقائع کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی، ان کی مدد سے صحابی آیت کی تفسیر کرے۔

مثال: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ<sup>ط</sup> (البقرة: ۱۹۸)

ترجمہ: تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں منقول ہے کہ عکاظ، مجنۃ اور ذو الحجاز زمانہ جاہلیت کے بازار تھے، حج کے مواقع پر لوگ تجارت کرنے کو گناہ سمجھتے تھے، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ... إلخ۔<sup>(۲)</sup>

(۱) صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة المسافرين، ج ۱ ص ۴۷۸، رقم

الحديث: ۶۸۶

(۲) صحیح البخاری: کتاب البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في

الأرض، ج ۳ ص ۵۲، رقم الحديث: ۲۰۵۰

## صحابہ کے طرق تفسیر

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو تفسیر فرماتے تھے، وہ چھ طرح کی ہوتی تھی:

- ۱..... بیانِ تخصیص
- ۲..... بیانِ تفسیر
- ۳..... ایضاحِ مبہم
- ۴..... بیانِ مجمل
- ۵..... بیانِ نسخ
- ۶..... بیانِ سببِ نزول

## چوتھا ماخذ: اقوالِ تابعین

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ چوں کہ صحابہ کرام کے فیض یافتہ تلامذہ ہیں، نیز تقویٰ و دیانت، علم و فضل کے اعتبار سے صحابہ کے بعد انہیں کا درجہ ہے، مزید یہ کہ زبانِ عربی کے مزاج و مذاق سے واقفیت، بعد کے لوگوں سے زیادہ ان کو حاصل تھی، اس لئے بابِ تفسیر میں ان کے اقوال بھی ایک ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تابعین کے تفسیری ماخذ و مصادر بھی وہی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تھے البتہ ایک مصدر (اخذ عن التابعین) کے اضافہ کے ساتھ تابعین کے کل مصادر آٹھ ہوتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

- ۱..... قرآن مجید
- ۲..... سنتِ رسول
- ۳..... اقوالِ صحابہ
- ۴..... اخذ عن التابعین
- ۵..... لغت
- ۶..... نقل عن اہل الکتاب
- ۷..... فہم و اجتہاد
- ۸..... احوال و وقائع کا علم

## پہلا مصدر: قرآن

یعنی تابعی قرآن کی تفسیر قرآن سے کرے۔

مثال: کئی آیات میں لفظ ذکر وارد ہے اور مراد اس سے قرآن ہے، مثلاً:

۱..... قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ (الطلاق)

ترجمہ: اللہ نے تمہارے پاس ایک سراپا نصیحت بھیجی ہے۔

۲..... إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۝ (حم السجدة: ۴۱)

ترجمہ: بے شک (ان لوگوں نے بہت برا کیا ہے) جنہوں نے نصیحت کی اس کتاب کا انکار کیا جب کہ وہ ان کے پاس آچکی تھی۔

۳..... اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ① (الحجر)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

ان آیات میں ایک تابعی ابن زید رحمہ اللہ نے ”ذکر“ کی تفسیر قرآن سے فرمائی ہے، اور یہ تفسیر انہوں نے قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے اخذ کی ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحٰیْنَا اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ② - (الشوری: ۵۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہارے پاس اپنے حکم سے ایک رُوح بطور وحی نازل کی ہے۔

اس آیت میں اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شیء بذریعہ وحی نازل فرمائی ہے اس کو روح فرمایا، اور مذکورہ بالا آیات میں ان ہی نازل شدہ چیزوں کو ذکر فرمایا، اور ظاہر ہے کہ نازل ہونے والی شیء قرآن مجید ہے، پس اس طرح تابعی نے ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت کی مدد سے کی ہے۔<sup>(۱)</sup>

## دوسرا مصدر: سنتِ نبویہ

یعنی تابعی حدیث سے تفسیر کرے۔

مثال: وَ رَافَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ③ - (مریم: ۵۷)

ترجمہ: اور ہم نے انہیں رفعت دے کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا تھا۔

اس کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

(۱) تفسیر الطبری: سورة النحل آیت نمبر ۴۴ کے تحت، ج ۱۷ ص ۲۰۹، وفيه ايضا: سورة البقرة: آیت

نمبر ۸۷ کے تحت، ج ۲ ص ۱۲۳

معراج والی روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے (آسمان پر) لے جایا گیا، تو چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔<sup>(۱)</sup>  
 قتادہ تابعی ہیں، انہوں نے حدیث شریف سے آیت کی تفسیر فرمائی۔

## تیسرا مصدر: اقوال صحابہ

مثال: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ۗ (النجم)

ترجمہ: یہاں تک کہ وہ دو کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آگیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک۔

صحیحین میں ہے کہ ابو اسحاق شیبانی رحمہ اللہ نے زر بن حبیش رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر کی بابت پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے۔ اس میں تابعی نے صحابی کے قول کو اپنی تفسیر کا مدراٹھہرایا۔<sup>(۲)</sup>

## چوتھا مصدر: اخذ عن التابعی

یعنی ایک تابعی دوسرے تابعی سے نقل کر کے کسی آیت کی تفسیر بیان کرے۔

مذکورہ بالا مثال میں ابو اسحاق شیبانی رحمہ اللہ نے زر بن حبیش رحمہ اللہ سے آیت کی تفسیر پوچھی، اور دونوں (ابو اسحاق، زر بن حبیش رحمہما اللہ) تابعی ہیں، پس اس طرح کی یہ تفسیر تابعی عن التابعی ہوئی۔

(۱) سنن الترمذی: ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة مریم، ج ۵ ص ۳۱۵، رقم الحدیث:

۳۱۵۷

(۲) صحیح البخاری: کتب بدء الخلق، باب إذا قال أحدکم: آمین والملائكة فی السماء... إلخ، ج ۴

ص ۱۱۵، رقم الحدیث: ۳۲۳۲

## پانچواں مصدر: لغت

یعنی تابعی لغت کا سہارا لے کر آیت کی تفسیر کرے۔

مثال: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۹﴾ (الجاثية: ۲۹)

ترجمہ: تم جو کچھ کرتے تھے، ہم اُس سب کو لکھوا لیا کرتے تھے۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے ”نَسْتَنْسِخُ“ کی تفسیر ”نَكْتُبُ“ سے کی ہے، مجاہد رحمہ اللہ تابعی

ہیں، اور مذکورہ تفسیر لغت سے کی گئی ہے۔<sup>(۱)</sup>

## چھٹا مصدر: اخذ عن اہل الكتاب

مثال: اَدْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَانكُمُ غٰلِبُونَ ﴿۲۳﴾ (المائدة: ۲۳)

ترجمہ: تم ان پر چڑھائی کر کے (شہر کے) دروازے میں گھس تو جاؤ، جب

گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اہل کتاب سے اس آیت کی تفسیر کے تحت نقل کیا ہے کہ بنی

اسرائیل کو جب نقباء نے جبارہ کے متعلق خبر دی تو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سجدہ میں گر

پڑے اور بنی اسرائیل وہیں موجود تھے۔<sup>(۲)</sup>

## ساتواں مصدر: فہم واجتہاد

مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں۔

امام التفسیر مجاہد رحمہ اللہ نے محکمات کی تفسیر ”حلال و حرام“ سے کی ہے، مجاہد رحمہ اللہ

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: یوم نبطش البطشة الكبرى، ج ۶ ص ۱۳۳

(۲) تفسیر الطبری: سورة المائدة: آیت نمبر ۲۳ کے تحت، ج ۱۰ ص ۱۸۲

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد اور تابعی ہیں، آپ نے یہ تفسیر اپنے فہم واجتہاد سے کی ہے۔<sup>(۱)</sup>

## آٹھواں مصدر: احوال و وقائع کا علم

یعنی آیت کا نزول کن حالات کے تحت ہوا تھا ان کا جاننا۔

مثال: مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ (المائدة: ۱۰۳)

ترجمہ: اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حام۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، اور

حام کی تفسیر نقل فرمائی ہے کہ:

بحیرة: اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس کو

کوئی شخص دوہتا نہیں تھا۔

سائبة: وہ جانور جو کفار اپنے معبودوں کے لئے آزاد چھوڑتے تھے، اس پر بار برداری

نہیں کی جاتی تھی۔

وصيلة: وہ اونٹنی جو پہلے مادہ جنے، پھر دوسری مرتبہ میں بھی مادہ جنے، یعنی جو اونٹنی

مسلل دو مادہ جنے، اس کو اپنے اصنام کے لئے وقف کر دیتے تھے۔

حام: نراونٹ جس کے سبب بہت سے بچے ہو گئے ہوں، تو اس کو آزاد چھوڑ دیتے

تھے کہ جہاں چاہے چرے اور اس کے اوپر سوار نہیں ہوتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب: منه آیات محکمات، ج ۶ ص ۳۳

(۲) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب ما جعل اللہ من بحیرة ولا سائبة... إلخ، ج ۶

ص ۵۴، رقم الحدیث: ۴۶۲۳



## تابعین کی تفسیروں کی صورتیں

- ۱..... بیان الفاظ      ۲..... بیان تخصیص      ۳..... بیان تقیید  
 ۴..... بیان مجمل      ۵..... بیان نسخ      ۶..... ایضاح مبہم

## پانچوں ماخذ لغت عرب

قرآن کریم کی جس آیت کا مفہوم بدیہی طور پر واضح ہو اور جس کے مفہوم میں کوئی الجھن، اشتباہ یا ابہام و اجمال نہ ہو، اور نہ اسے سمجھنے کے لئے کسی تاریخی پس منظر کو جاننے کی ضرورت ہو، وہاں تو عربی لغت ہی تفسیر کا واحد ماخذ ہے، لیکن جہاں کوئی ابہام و اجمال پایا جا رہا ہو، یا جو آیت کسی واقعاتی پس منظر سے وابستہ ہو، یا اس سے فقہی احکام مستنبط کئے جا رہے ہوں، وہاں محض لغت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، ایسی صورت میں تفسیر کی اصل بنیاد، خود قرآن کریم، سنت نبوی اور آثار صحابہ و تابعین پر ہوگی، لیکن ان ماخذ کے بعد لغت عرب کو بھی سامنے رکھا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی ایک وسیع زبان ہے اور اس میں ایک ایک لفظ کئی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور ایک ایک جملے کے متعدد معنی ہو سکتے ہیں، لہذا لغت کی بنیاد پر ان میں سے کوئی مفہوم متعین کرنا، مغالطوں کا سبب بن جاتا ہے، اسی بنا پر بعض حضرات نے مطلق لغت کو مستقل ماخذ ماننے سے ہی انکار کیا، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ وہ لغت کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر کو مکروہ قرار دیتے تھے، لیکن علامہ زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا مقصد تفسیر میں لغت کو بالکل نظر انداز کرنا نہیں تھا، بلکہ مقصد یہ تھا کہ کسی آیت کے ظاہر اور متبادر معنی کو چھوڑ کر ایسے معنی بیان کرنا ممنوع ہے جو قلیل الاستعمال ہو، ظاہر ہے کہ قرآن کریم عرب کے عام محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے، لہذا جس جگہ قرآن و سنت یا آثار صحابہ میں سے کسی لفظ کی تفسیر موجود نہ ہو، وہاں آیت کی وہ تفسیر کی جائے گی جو اہل عرب کے عام محاورات میں متبادر طور پر سمجھی جاتی

ہو، ایسے مواقع پر اشعار عرب سے استدلال کر کے کوئی ایسے قلیل الاستعمال معنی بیان کرنا بالکل غلط ہے، جو لغت کی کتاب میں تو لکھے ہوئے ہیں، اور عام بول چال میں استعمال نہیں ہوتے۔ اس کو ایک واضح مثال سے سمجھئے، قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی کی فرمائش کی، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ”اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ“ اور اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو، یہ جملہ کسی زبان جاننے والے کے سامنے بولا جائے گا، تو وہ صراحتاً اس کا یہی مطلب سمجھے گا کہ لاٹھی کو پتھر پر مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے، چنانچہ یہ جملے کی تفسیر صحیح و معتبر ہے، لیکن سرسید احمد خان نے کہا کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر چلو، اس میں ”اضرِب“ کے معنی (مارو) کہ بجائے چلو اور حجر کے معنی (پتھر) کے بجائے چٹان بیان کرنا، ایک ایسی زبردستی ہے، جس کی تائید میں لغت کی کتابوں کا کوئی ایک آدھا حوالہ مل بھی جائے، تو عام محاورات عرب اس کی بالکل تردید کرتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بیان کی ہوئی اس تشریح کی کسی لغت سے بھی تائید نہیں ہوتی، اور لغت کے اعتبار سے بھی اس میں کئی غلطیاں ہیں، مثلاً ”ضرب“ جب چلنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے ساتھ ”فی“ ضرور ہوتا ہے، جیسے ”وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ“ اور یہاں ”فی“ نہیں ہے، نیز یہ تفسیر سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے لغت کے ذریعہ اسی قسم کی تفسیر بیان کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ لغت سے اس طرح کا کام لینے کو کوئی عقل و انصاف رکھنے والا شخص درست نہیں کہہ سکتا۔ (علوم القرآن: ص ۳۴۱، ۳۴۲)

## چھٹا ماخذ: عقل سلیم

ماخذ تفسیر میں عقل سلیم کی حیثیت

اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان میں جو بنیادی خزانے ودیعت کئے گئے ہیں، ان میں

ایک بہت بڑا نہایت قیمتی جوہر عقل و فہم ہے، دنیا کے ہر کام میں عقل کی ضرورت کا ہونا بالکل ظاہر ہے، قرآن کریم سے استفادہ میں عقل کی انتہائی ضرورت ہے، اور عقل کی رہنمائی معتبر بھی ہے، بشرطیکہ عقل، عقل سلیم ہو، عوارض خارجیہ کے گرد و غبار سے پاک ہو، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ قرآن کریم علوم ربانیہ اور اسرار الہیہ کا ایک بحرناپید کنارہ ہے، کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اب اس کی انتہا ہو گئی ہے، اور اب اس سلسلہ میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ان اسرار و حقائق پر غور و فکر کرنے کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے، اور جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم و عقل اور خشیت و انابت کی دولت سے نوازا ہو، وہ تدبر کے ذریعہ نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی اپنی فہم کے مطابق اس باب میں اضافہ کرتے آئے ہیں، اور یہی وہ چیز ہے جس کی دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے فرمائی تھی:

”اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ“

اے اللہ! اس کو قرآن کریم کا علم عطا فرما۔<sup>(۱)</sup>

چنانچہ اسی دعا کا ثمرہ تھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ترجمان القرآن، امام المفسرین اور حبر الامۃ جیسے القاب سے ملقب ہوئے، امام زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یوں تو مختلف صحابہ مختلف علوم میں ضرور ممتاز مقام رکھتے تھے مگر کسی کو سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ”بحر“ (سمندر) نہیں کہا گیا، بحر العلوم تو آپ ہی کی شخصیت ثابت ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو وہ بصیرت نصیب تھی کہ گویا آپ پس پردہ غیر منکشف علوم کو باریک عینک سے دیکھ لیا کرتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”نعم ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس“ لیکن اس سلسلہ میں یہ

(۱) صحیح البخاری: کتاب العلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اللہم علمہ الكتاب، ج ۱

ص ۲۶، رقم الحدیث: ۷۵

بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس طرح عقل و فہم سے مستنبط کئے ہوئے وہی حقائق و اسرار معتبر ہیں، جو دوسرے شرعی اصول اور مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں، اور اگر اصول شرعیہ کو توڑ کو کوئی نکتہ بیان کیا جائے، تو اس کی دین میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور اسی کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے جو ممنوع ہے۔

## تفسیر بالرائے کی حقیقت اور اس کا حکم

تفسیر بالرائے کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کے لئے جو اصول، اجماعی طور پر مسلم اور طے شدہ ہیں ان کو نظر انداز کر کے محض رائے کی بنیاد پر تفسیر کی جائے، اس طرح تفسیر کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس طرح رائے محض کو تفسیر کے معاملے میں دخل دے کر کوئی شخص اتفاقاً کسی صحیح نتیجہ پر بھی جائے تو وہ خطا کار ہوگا، کیوں کہ اس نے راستہ غلط اختیار کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ قَالَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ (۱)

جو شخص قرآن کریم کے بارے میں اپنی رائے سے گفتگو کرے تو اگر صحیح بات بھی کہے تو اس نے غلطی کی۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (۲)

جو شخص قرآن کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ محض اپنی رائے کو بنیاد بنا کر قرآن کی تفسیر کرنا

(۱) سنن ابی داؤد: کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم، ج ۳ ص ۳۲۰، رقم الحدیث:

۳۶۵۲

(۲) سنن الترمذی: ابواب تفسیر القرآن، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، ج ۵ ص ۱۹۹،

رقم الحدیث: ۲۹۵۰

حرام ہے، البتہ تفسیر کے اصولوں اور اسلام کے اجماعی طور پر طے شدہ ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے اگر تفسیر میں کسی ایسی رائے کا اظہار کیا جائے، جو قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو تو وہ اس حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض غلو پسند لوگوں نے ان حدیثوں میں یہ مطلب سمجھا کہ قرآن کریم کے بارے میں کوئی بات فکر و رائے کی بنیاد پر کہنا جائز نہیں، یہاں تک کہ اجتہاد کے ذریعہ قرآن کریم سے ایسے معانی بھی مستنبط نہیں کئے جاسکتے جو اصول شرعیہ کے مطابق ہوں، لیکن یہ خیال درست نہیں، کیوں کہ خود قرآن کریم نے تدبر اور استنباط کو جا بجا مستحسن قرار دیا ہے، اور اگر فکر و تدبر پر بالکل پابندی لگا دی جائے، تو قرآن و سنت سے شرعی احکام و قوانین مستنبط کرنے کا دروازہ ہی سرے سے بند ہو جائے گا، لہذا ان حدیثوں کا مطلب ہر قسم کی رائے پر پابندی لگانا نہیں ہے، چنانچہ اس بات پر جمہور علماء متفق ہیں کہ خود قرآن و سنت کے دوسرے دلائل کی روشنی میں ان حدیثوں کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم کے معاملے میں غور و فکر اور عقل و رائے کو بالکل استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

## تفسیر بالرائے کی صورتیں

۱..... جو شخص تفسیر قرآن کے بارے میں گفتگو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، وہ محض اپنی رائے کے بل بوتے پر تفسیر شروع کر دے۔

۲..... کسی آیت کی کوئی تفسیر صراحتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ و تابعین سے ثابت ہوا، اور وہ اسے نظر انداز کر کے محض اپنی عقل سے کوئی معنی بیان کرنے لگے۔

۳..... جن آیات میں صحابہ و تابعین سے کوئی صریح تفسیر منقول نہیں، ان میں لغت اور زبان و ادب کے اصولوں کو پامال کر کے کوئی تشریح بیان کرے۔

۴..... قرآن و سنت سے براہ راست احکام و قوانین مستنبط کرنے کے لئے اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو، اور پھر اجتہاد شروع کر دے۔

۵..... قرآن کریم کی متشابہ آیات (جن کے بارے میں قرآن نے خود کہہ دیا ہے کہ ان کی سو فی صد صحیح مراد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا) ان کی جزم و وثوق کے ساتھ کوئی تفسیر بیان کرے اور اس پر مُصر ہو۔

۶..... قرآن کریم کی ایسی تفسیر بیان کرے جس سے اسلام کے دوسرے اجماعی طور پر مسلم اور طے شدہ عقائد یا احکام مجروح ہوتے ہوں۔

۷..... تفسیر کے معاملہ میں جہاں عقل و فکر کا استعمال جائز ہے، وہاں کسی قطعی دلیل کے بغیر اپنی ذاتی رائے کو یقینی طور پر درست اور دوسرے مجتہدین کی آراء کو یقینی طور سے باطل قرار دے۔

یہ تمام صورتیں اس ”تفسیر بالرأی“ کی ہیں جن سے مذکورہ بالا حدیثوں میں منع کیا گیا ہے۔ (علوم القرآن بتغییر یسر: ص ۳۵۷، ۳۵۸)

### قاعدے کا لغوی معنی

قاعدہ لغت میں اساس اور بنیاد کو کہا جاتا ہے، اور قاعدہ اس معنی میں قرآن کریم میں بھی استعمال ہوا ہے:

وَ إِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ - (البقرة: ۱۲۷)

اور اس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

### قاعدے کی اصطلاحی تعریف

علامہ سید شریف الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۶ھ) فرماتے ہیں: قاعدہ اس کلی اور جامع عبارت کا نام ہے جو اپنی تمام جزئیات کو محیط ہو:

القاعدة: هي قضية كلية منطبقة على جميع جزئياتها. (۱)

(۱) التعريفات: باب القاف، ج ۱ ص ۱۷۱

## تفسیر کی لغوی تعریف

تفسیر کا لغوی معنی ہے واضح کرنا، بیان کرنا۔

علامہ عبد العظیم زرقانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں:

(۱) التفسیر فی اللغة: الإيضاح والتبيين.

التَّفْسِيرُ تَفْعِيلٌ مِنَ الْفَسْرِ، وَهُوَ الْبَيَانُ وَالْكَشْفُ، وَيُقَالُ: هُوَ مَقْلُوبٌ

السَّفَرُ، وَقِيلَ مَأْخُودٌ مِنَ التَّفْسِيرَةِ، وَهِيَ إِسْمٌ لِمَا يَعْرِفُ بِهِ الطَّبِيبُ الْمَرَضَ۔

تفسیر مشتق ہے ”فسر“ سے، جس کے معنی ہیں ”کھولنا“، تفسیر میں چونکہ مُغْلَقَاتِ

الفاظ اور قرآن کریم کے مفہوم کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اس لئے اسے تفسیر کہا جاتا ہے۔

تفسیر باب تفعیل کا مصدر ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ماخوذ ہے ”سفر“ سے، اس کا قلب کر کے ”فسر“ بنایا گیا،

پھر اس سے تفسیر مشتق ہے، سفر کے معنی بھی کھولنے کے آتے ہیں، سفر کو سفر اس لئے کہتے ہیں

کہ وہ بہت سے مخفی امور کے لئے کاشف ہوتا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ماخوذ ہے ”التفسرة“ سے، اور یہ اس صالحیت کا نام

ہے جس کے ذریعے سے طبیب مرض کی شناخت کرتا ہے۔ (۲)

## تفسیر کی اصطلاحی تعریف

علامہ بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ علم تفسیر وہ علم ہے

جس سے قرآن کریم کا فہم حاصل ہو، اس کے معانی کی وضاحت اور اس کے احکام اور

حکمتوں کا استنباط کیا جاسکے:

(۱) مناہل العرفان فی علوم القرآن: المبحث الثانی عشر فی التفسیر والمفسرین، ج ۲ ص ۲

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع السابع والسبعون، ج ۳ ص ۱۹۲ / البرهان فی علوم القرآن:

النوع الحادی والأربعون، ج ۲ ص ۱۳۷

التَّفْسِيرُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ فَهْمُ كِتَابِ اللَّهِ الْمُنَزَّلِ عَلَى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيَانُ مَعَانِيهِ وَاسْتِخْرَاجُ أَحْكَامِهِ وَحِكْمِهِ. (۱)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ علم تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی ادائیگی کی کیفیت، ان کے مفہوم، ان کے افرادی اور ترکیبی احکام اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے، جو ان الفاظ سے ترکیبی حالت میں مراد لئے جاتے ہیں، نیز ان معانی کے تہ سے بحث ہوتی ہے جیسے نسخ منسوخ، شان نزول اور قرآن کے ان مبہم قصوں کی معرفت جن کی وضاحت کی گئی ہو:

علم يبحث فيه عن كيفية النطق بألفاظ القرآن ومدلولاتها وأحكامها الإفرادية والتركيبية ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب وتتمتات لذلك كمعرفة النسخ وسبب النزول وقصة توضيح ما أبهم في القرآن. (۲)

علامہ عبد العظیم زرقانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں کہ علم تفسیر وہ علم ہے جس کے اندر مراد باری تعالیٰ کو جاننے کے لئے بقدرِ طاقت بشریہ قرآن کریم کے احوال سے بحث کی جائے:

والتفسير في الاصطلاح: علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث دلالاته على مراد الله تعالى بقدر الطاقة البشرية. (۳)

## قواعد التفسير کی تعریف

هي الأحكام التي يتوصل بها إلى معرفة معاني القرآن العظيم ومعرفة كيفية الاستفادة منها. (۴)

(۱) البرهان في علوم القرآن: مقدمة المؤلف، ج ۱ ص ۱۳

(۲) روح المعاني: مقدمة المؤلف، ج ۱ ص ۱۳

(۳) مناهل العرفان في علوم القرآن: المبحث الثاني عشر في التفسير والمفسرين، ج ۲ ص ۳

(۴) الخلاصة الجامعة لقواعد التفسير النافعة: مقدمة، ص ۲



قواعد التفسیر ان بنیادی اصولوں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعہ قرآن مجید کے معانی پہچاننے اور ان معانی سے استفادہ کی کیفیت کا علم ہو۔

### موضوع

اس علم کا موضوع قرآن کریم ہے۔

### غرض و غایت

مُرادات قرآنیہ کو سمجھنا تاکہ عمل کر کے سعادت دارین حاصل کر سکیں۔

### استمداد

اس علم میں مندرجہ ذیل چیزوں سے مدد لی گئی ہے۔

- ۱..... قرآن کریم
- ۲..... احادیث نبویہ
- ۳..... آثار صحابہ
- ۴..... اصول فقہ
- ۵..... لغت، بیان، نحو، صرف، بلاغت
- ۶..... کتب علوم القرآن اور مقدمات کتب تفسیر

### شرف و فضیلت

اس علم کی فضیلت کے کئی پہلو ہیں:

- ۱..... باعتبار موضوع
- ۲..... باعتبار مقصود
- ۳..... باعتبار ضرورت

### باعتبار موضوع

اس کا موضوع قرآن کریم ہے جو اشرف الکتب ہے تو وہ علم بھی اسی مقیاس پر اپنے دامن میں شرف و فضل سمیٹے ہوئے ہے۔

### باعتبار مقصود

ان قواعد سے مقصود مراد قرآنی کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے اور اس کی فضیلت و عظمت

ظاہر ہے۔

## باعتبارِ ضرورت

ہر دینی و دنیوی کامیابی علومِ شرعیہ سے وابستہ ہے، اور علومِ شرعیہ کا سرچشمہ قرآن ہے، پس اس اعتبار سے بھی ان قواعد کی اہمیت ظاہر ہے۔

## چند فروق

## قاعدہ اور ضابطہ کا فرق

قاعدہ اور ضابطہ دونوں من وجہ متحد ہیں اور من وجہ مختلف ہیں۔ متحد باین معنی کہ دونوں ایک عام قانون کلی کو کہا جاتا ہے جو اپنی جزئیات و افراد کو جامع ہو۔ اور مختلف باین معنی کہ قاعدہ مختلف ابواب کی جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے، اور ضابطہ کے تحت ایک ہی باب کی جزئیات پائی جاتی ہیں۔ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں:

وَالْفَرْقُ بَيْنَ الضَّابِطِ وَالْقَاعِدَةِ أَنَّ الْقَاعِدَةَ تَجْمَعُ فُرُوعًا مِنْ أَبْوَابٍ شَتَّى، وَالضَّابِطُ يَجْمَعُهَا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ. (۱)

## قواعد التفسیر اور علوم القرآن کا فرق

دونوں کے درمیان فرق کل و جز کا سا ہے، علوم القرآن ان تمام علوم کو کہا جاتا ہے جن کا کسی بھی نوع سے قرآن سے تعلق ہو، اور قواعد التفسیر ان تمام علوم کا ایک جز ہے، کبھی کبھی مجازاً تسمیۃ الجزء باسم الكل کی قبیل سے قواعد التفسیر کو بھی علوم القرآن کہا جاتا ہے:

والنسبة بينهما هي نسبة الجزء إلى الكل، وقد تطلق قواعد

التفسير على جملة علوم القرآن، وهذا إما أن يكون من باب

إطلاق الجزء على الكل. (۲)

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الثاني: الفوائد، ص ۱۳۷

(۲) نشر العبير في منظومة قواعد التفسير: الفرق بين قواعد التفسير وعلوم القرآن، ص ۵۰

## تفسیر اور قواعد التفسیر کا فرق

قواعد التفسیر: ہی تلك الضوابط التي تلتزم كى يتوصل

بواسطتها إلى المعنى المراد، أما التفسیر: فهو إيضاح المعانى۔<sup>(۱)</sup>

تفسیر کا حاصل مراد قرآنی کی وضاحت کرنا، اور قواعد التفسیر وہ اصول کہلاتے ہیں جن کا التزام کیا جائے تاکہ ان کے واسطے سے معنی مراد تک پہنچا جاسکے، (یعنی یہ قواعد قرآن کریم کے معانی اور بلاغت کے سمجھنے میں نہایت معاون و مفید ہیں)۔

## تفسیر اور تاویل کا فرق

قدیم زمانے میں تفسیر کے لئے ایک اور لفظ تاویل بھی بکثرت استعمال ہوتا تھا اور خود قرآن کریم نے بھی اپنی تفسیر کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے:

”وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ“ اس لئے بعد کے علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں لفظ بالکل ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟

۱..... متقدمین کے ہاں یہ دونوں لفظ بالکل مترادف ہیں اور ان کے درمیان نسبت تساوی کی ہے۔

۲..... تفسیر اور تاویل کے درمیان نسبت عموم و خصوص مطلق کی ہے۔

۳..... ان کے درمیان نسبت تباین کی ہے، تفسیر کہتے ہیں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، اور تاویل تردد کے ساتھ تشریح کرنے کو کہتے ہیں۔

۴..... کسی لفظ کی وضاحت اگر روایت سے ہو تو تفسیر ہے، اور اگر روایت سے ہو تو تاویل ہے۔

۵..... تفسیر ایک ایک لفظ کی انفرادی تشریح کا نام ہے، اور تاویل جملے کی مجموعی تشریح کا نام ہے۔

(۱) نشر العبیر فی منظومة قواعد التفسیر: الفرق بین التفسیر وقواعد التفسیر، ص ۵۰

۶..... تفسیر الفاظ کے ظاہری معنی بیان کرنے کو کہتے ہیں، اور تاویل اصل مراد کی توضیح کو۔  
 ۷..... تفسیر الفاظ کے مفہوم بیان کرنے کا نام ہے، اور تاویل اس مفہوم سے نکلنے والے سبق اور نتائج کی توضیح کا نام ہے۔

۸..... تفسیر نام ہے بیان المراد باللفظ کا، اور تاویل نام ہے بیان المراد بالمعنی کا۔

۹..... تفسیر اس لفظ کی تشریح کا نام ہے جس میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال نہ ہو، اور تاویل کہتے ہیں لفظ میں جو مختلف معانی محتمل ہیں قرآن اور دلائل کے ذریعہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا۔<sup>(۱)</sup>

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں متقدمین ہی کی رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں استعمال کے لحاظ سے کوئی حقیقی فرق نہیں، جن حضرات نے فرق بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے شدید اختلاف و آرا پر غور کرنے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کوئی معین اور اتفاقی اصطلاح نہیں بن سکی، اگر ان میں حقیقتاً فرق ہوتا تو ایسے شدید اختلاف کے کوئی معنی نہیں تھے، واقعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل علم نے تفسیر اور تاویل کو الگ الگ اصطلاحات قرار دینے کی کوشش کی ہوگی، لیکن اس میں ایسا اختلاف رونما ہوا کہ کوئی بھی اصطلاح عالم گیر قبولیت حاصل نہ کر سکی، یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے سے لے کر آج تک کے مفسرین ان الفاظ کے ساتھ عموماً ہم معنی الفاظ کا سا معاملہ کرتے آئے ہیں اور ایک کو دوسرے کی جگہ بلا تکلف استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

## شان نزول

نزول قرآن کی دو قسمیں ہیں۔ ۱..... سببی ۲..... غیر سببی

سببی: اس سے مراد وہ نزول ہے جو کسی واقعہ یا سوال یا خاص ماحول کے سبب پیش آیا۔

غیر سببی: اس سے مراد وہ نزول ہے جو کسی سبب کے بغیر پیش آیا۔

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع السابع والسبعون، ج ۴ ص ۱۹۲ / مناهل العرفان فی علوم القرآن: المبحث الثانی عشر، ج ۲ ص ۵

## شان نزول کی تعریف

جس واقعہ یا سوال یا احوال و پس منظر کی وجہ سے آیت نازل ہوئی ہو، اس کو شان نزول یا سبب نزول کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا ۗ وَلَا مُمْمِنَةٌ مُّؤْمِنَةٌ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا ۗ

لَوْ اَعْجَبْتِكُمْ (البقرة: ۲۲۱)

ترجمہ: اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آ رہی ہو۔

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی تھی، زمانہ جاہلیت میں حضرت مرشد بن ابی مرشد عنوی رضی اللہ عنہ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے اور عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی۔ ایک مرتبہ کسی کام سے حضرت مرشد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرشد رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں۔ مدینہ منورہ تشریف لا کر حضرت مرشد رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت طلب کی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی۔<sup>(۱)</sup>

(۱) اسباب النزول للواحدی: سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۱ کے تحت، ص ۷۴ / الدد المنثور فی التفسیر

المأثور: سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۱ کے تحت، ج ۱ ص ۶۱۳

## شان نزول کی اہمیت

شان نزول کا جاننا قرآن کریم کی صحیح مراد تک پہنچنے کے لئے ایک انتہائی ضروری اور اہم امر ہے، علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (متوفی ۷۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ معانی قرآن کے سمجھنے میں ایک مضبوط ذریعہ شان نزول کی معرفت ہے:

بَيَانُ سَبَبِ النَّزُولِ طَرِيقٌ قَوِيٌّ فِي فَهْمِ مَعَانِي الْقُرْآنِ۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) نے فرمایا کہ سبب نزول کی معرفت آیات کے فہم میں مددگار ہوتی ہے کیونکہ سبب سے مسبب کے علم میں سہولت ہونا امر ضروری ہے:

مَعْرِفَةُ سَبَبِ النَّزُولِ يُعِينُ عَلَى فَهْمِ الْآيَةِ فَإِنَّ الْعِلْمَ بِالسَّبَبِ يُورَثُ الْعِلْمَ بِالسَّبَبِ۔

علامہ واحدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ جب تک آیت کا سبب نزول اور متعلق معلوم نہ ہو اس وقت تک آیت کا مفہوم بیان کرنا ممکن نہیں:

لَا يُمَكِّنُ تَفْسِيرُ الْآيَةِ دُونَ الْوُقُوفِ عَلَى قِصَّتِهَا وَبَيَانِ نَزُولِهَا۔<sup>(۱)</sup>

اقوال مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا خیال درست نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن بذات خود اتنا واضح ہے کہ اس کی تشریح کے لئے اسباب نزول جاننے کی ضرورت نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر میں اسباب نزول کا علم ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

## شان نزول کے فوائد

شان نزول کی معرفت کے بے شمار فوائد ہیں جن میں سے چند یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

۱..... اس سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ

نے کن حالات میں اور کیوں نازل فرمایا؟ مثلاً سورہ نساء میں ارشاد ہے:

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع التاسع، معرفة سبب النزول، ج ۱ ص ۱۰۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا

تَقُولُونَ - (النساء: ۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے

قریب بھی نہ جانا جب تک کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو۔

اگر شانِ نزول کی روایات سامنے نہ ہوں تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب شراب از روئے قرآن بالکل حرام ہے تو کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، اس سوال کا جواب صرف شانِ نزول ہی سے مل سکتا ہے، چنانچہ اس کے سببِ نزول میں یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ شراب کی حرمت سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت کی، کھانے کے بعد وہاں شراب پی گئی اسی حالت میں نماز کا وقت ہو گیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامت کروائی، نشے کی وجہ سے نماز میں قرآنی آیت کی تلاوت میں غلطی کر گئے، اور اس سے آیت کا معنی بالکل تبدیل ہو گیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... بسا اوقات سببِ نزول کے بغیر آیت کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا، اور اگر سببِ نزول سامنے نہ ہو تو انسان آیت کا بالکل غلط مطلب سمجھ سکتا ہے۔ یہ بات چند مثالوں سے واضح ہوگی۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۗ (البقرة: ۱۱۵)

ترجمہ: مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ

کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

(۱) تفسیر الطبری: سورة النساء آیت نمبر ۴۳ کے تحت، ص ۸۶/۳ تفسیر ابن ابی حاتم: سورة النساء

آیت نمبر ۴۳ کے تحت، ج ۳ ص ۹۵۸

اگر اس آیت کا شانِ نزول پیش نظر نہ ہو تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص جہت کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں، مشرق و مغرب سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اور وہ ہر سمت میں موجود ہے اس لئے جس طرف بھی رخ کر لیا جائے نماز ہو جائے گی، حالانکہ یہ مفہوم بدیہی طور پر غلط ہے خود قرآن کریم نے دوسرے مقام پر کعبہ کی طرف رخ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔

یہ عقدہ صرف شانِ نزول کو دیکھ کر ہی حل ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ اس تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سمت اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور اللہ ہر طرف موجود ہے۔ لہذا وہ جس طرف بھی رخ کرنے کا حکم دے دے ادھر رخ کرنا واجب ہے، اس میں قیاسات کو دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔<sup>(۱)</sup>

۳.... قرآن کریم بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال فرماتا ہے جن کا شانِ نزول سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو وہ الفاظ (معاذ اللہ) بے فائدہ اور بعض اوقات بے جوڑ معلوم ہونے لگتے ہیں، جس سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر حرف آتا ہے۔ مثلاً:

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَدِّ كَرِ كُمْ (البقرة: ۲۰۰)

ترجمہ: پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ داداؤں کا ذکر کیا کرتے ہو۔

اگر سببِ نزول سامنے نہ ہو تو اس آیت کا یہ حصہ کہ جیسے اپنے آباء کو یاد کرتے ہو۔ بے جوڑ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس خاص مقام پر اللہ کی یاد

(۱) العجائب فی بیان الأسباب: سورة البقرة آیت نمبر ۱۱۵ کے تحت، ص ۱۶



کو آباء و اجداد کی یاد سے تشبیہ دینے کا کیا مطلب ہے، لیکن سبب نزول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، بات یہ ہے کہ یہاں مزدلفہ کے وقوف کا ذکر ہو رہا ہے اور مشرکین عرب کا معمول تھا کہ وہ ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد یہاں اپنے اپنے آباء و اجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب یہاں باپ دادوں کی تعریف کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔<sup>(۱)</sup>

۴.... بسا اوقات شان نزول کی وجہ سے قرآن کے مختصر ذکر کردہ واقعہ کی پوری تفصیل سامنے آ جاتی ہے جس کے سبب آیت کی پوری مراد سمجھ میں آ جاتی ہے۔ مثلاً:

وَ مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَ لَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الأنفال: ۱۷)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

در اصل اس آیت میں غزوہ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ایک مٹھی مٹی لے کر کفار کی طرف پھینکی، اللہ تعالیٰ نے وہ مٹی دشمن کے ہر فرد تک پہنچا دیں، جو ان کی آنکھوں میں چلے جانے کی وجہ سے انہیں کچھ نظر نہ آنے لگا اور اس سے لشکر میں افراتفری مچ گئی، اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر یہ سبب نزول ذہن میں نہ ہو تو آیت کا مطلب کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟<sup>(۲)</sup>

۵.... دفع تو ہم حصر: یعنی کسی مضمون میں بظاہر حصر کا مفہوم نظر آتا ہے مگر حصر نہیں ہوتا

اور یہ راز شان نزول کی معرفت سے ہی کھلتا ہے۔ مثلاً:

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ (الأنعام: ۱۴۵)

(۱) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۲۰۰ کے تحت، ج ۳ ص ۵۳۵ / معالم التنزیل للبغوی: سورة

البقرة آیت نمبر ۲۰۰ کے تحت، ج ۱ ص ۲۵۷

(۲) تفسیر ابن کثیر: سورة الأنفال آیت نمبر ۱۷ کے تحت، ج ۳ ص ۲۸

ترجمہ: (اے پیغمبر!) کہو کہ جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو۔

اس میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں، جن کو کفار نے حلال بنا رکھا ہے، اور حلال صرف وہی اشیاء ہیں جن کو کفار نے حرام سمجھ لیا ہے، لیکن آیت کی یہ مراد نہیں ہے، بلکہ آیت کی مراد یہ ہے کہ جس وقت کفار نے خدا کی حلال بنائی ہوئی چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دیا، اور وہ لوگ خواہ مخواہ ضد کی وجہ سے ایسا کرتے تھے، تو اس وقت یہ آیت ان کی غرض کی مناقضت کرنے کے لئے نازل کی گئی، گویا کہ خداوند کریم نے فرمایا کہ جس چیز کو تم (مشرکین) نے حرام قرار دیا ہے، اس کے سوا کوئی حلال چیز اور جس چیز کو تم نے حلال قرار دیا ہے، اس کے سوا کوئی حرام شئی نہیں ہے، (تقریب فہم کے لئے) جیسے دو مخالف شخصوں میں سے ایک شخص یہ کہے کہ میں آج بیٹھانہ کھاؤں گا اور دوسرا ضد پر آ کر کہہ اٹھے کہ میں تو آج بیٹھا ہی کھاؤں گا، اسی طرح باری تعالیٰ کے اس قول سے ضد کے مقابلہ میں ضد کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ درحقیقت نفی و اثبات مطلوب ہے، اس لئے گویا پروردگار عالم نے فرمایا کہ جن چیزوں (مردار، خون، سور کے گوشت اور غیر خدا کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں) کو تم نے حلال قرار دیا ہے، ان کے سوا کوئی چیز حرام ہی نہیں اور اس بات سے ان چیزوں کے سوا کا حلال ہونا مراد نہیں لیا، کیونکہ یہاں تو محض حرمت ثابت کرنے کا قصد تھا نہ کہ حلت کا ثابت کرنا:

إِنَّ الْكُفَّارَ لَمَّا حَرَّمُوا مَا أَحَلَّ اللَّهُ وَأَحَلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَكَانُوا عَلَى  
الْمُضَادَّةِ وَالْمُحَادَّةِ جَاءَتْ آيَةُ مُنَاقِضَةً لِمَا حَرَّمُوا فَكَانَتْ قَوْلًا لَا حَلَالَ  
إِلَّا مَا حَرَّمْتُمُوهُ وَلَا حَرَامَ إِلَّا مَا أَحَلَلْتُمُوهُ نَازِلًا مِّنْزِلَةً مَّنْ يَقُولُ لَا  
تَأْكُلِ الْيَوْمَ حَلَاوَةً فَتَقُولُ لَا أَكُلُ الْيَوْمَ إِلَّا الْحَلَاوَةَ وَالْغَرَضُ  
الْمُضَادَّةُ لَا النَّفْيُ وَالْبَيِّنَاتُ عَلَى الْحَقِيقَةِ فَكَانَتْ قَوْلًا لَا حَرَامَ إِلَّا مَا

حَلَلْتُمُوهُ مِنَ الْمَيِّتَةِ وَالْدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَلَمْ  
يَقْصِدْ حِلَّ مَا وَرَأَاهُ إِذَا الْقَصْدُ إِثْبَاتُ التَّحْرِيمِ لَا إِثْبَاتُ الْحِلِّ. (۱)

اسباب نزول اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”الفوز الکبیر فی  
اصول التفسیر“ میں اسباب نزول پر جو محققانہ بحث کی ہے، بعض لوگ اسے پوری طرح  
سمجھ نہیں سکے، اس لئے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ  
نے تفسیر میں اسباب نزول کو اہمیت نہیں دی، یا اس کی اہمیت کو کم کر دیا ہے، لیکن درحقیقت یہ  
خیال حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطلب نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ جمہور  
امت کی طرح وہ بھی اسباب نزول کے علم کو تفسیر کے لئے لازمی شرط قرار دیتے ہیں، لیکن  
انہوں نے جو بات لکھی ہے وہ یہ ہے:

و یذکر المحدثون فی ذیل آیات القرآن کثیراً من الأشياء لیست  
من قسم سبب النزول فی الحقیقة مثل ! استشهاد الصحابة فی  
مناظراتهم بأیة او تلاوته صلی اللہ علیہ وسلم آیة للإستشهاد فی  
کلامه الشریف أو رواية حدیث وافق الآیة فی أصل الغرض او  
تعیین موضع النزول او تعیین أسماء المذکورین بطریق الإیہام  
او بطریق التلفظ بكلمة قرآنية او فضل سور و آیات من القرآن  
او صورة امتثاله صلی اللہ علیہ وسلم یا أمر من او أمر القرآن و  
نحو ذلك و لیس شیء من هذا فی الحقیقة من أسباب النزول۔ (۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں ایک ایک آیت کے تحت بعض اوقات  
دسیوں روایات لکھی ہوتی ہیں، یہ تمام روایات اسباب نزول سے متعلق نہیں ہوتیں بلکہ اس

(۱) البرہان فی علوم القرآن: النوع التاسع، معرفة سبب النزول، ج ۱ ص ۱۱۰

(۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: ص ۶۱/ ناشر: المصباح اردو بازار لاہور

میں مندرجہ ذیل اشیاء شامل ہو جاتی ہیں:

۱..... بعض مرتبہ کسی علمی مباحثہ میں کسی صحابی نے وہ آیت بطور دلیل پیش کر دی، پھر مفسرین یہ واقعہ یعنی مباحثہ اس آیت کے تحت ادنیٰ مناسبت سے ذکر کر دیتے ہیں۔

۲..... بعض مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقعہ پر اس آیت سے استشہاد فرمایا، مفسرین اسے بھی آیت کے تحت نقل کر دیتے ہیں۔

۳..... جو بات کسی آیت میں بیان کی گئی ہے، بعض مرتبہ وہی بات کسی حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، تفسیر کی کتابوں میں وہ حدیث بھی اس آیت کے تحت روایت کر دی جاتی ہے۔

۴..... بعض مرتبہ مفسرین کوئی روایت محض یہ بتانے کے لئے نقل کرتے ہیں کہ آیت کس مقام پر نازل ہوئی، یہ روایت بھی تفسیر کے ذیل میں درج ہو جاتی ہے۔

۵..... بعض دفعہ قرآن کریم کچھ لوگوں کا ذکر مبہم طور پر فرماتا ہے اور ان کا نام ذکر نہیں کرتا، مفسرین روایتوں کے ذریعے ان لوگوں کے نام متعین کر دیتے ہیں۔

۶..... بعض مرتبہ کسی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے فلاں لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایات بھی درج ہوتی ہیں۔

۷..... بعض احادیث اور آیات میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں یا آیتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں مفسرین ان روایات کو بھی متعلقہ مقامات پر نقل کر دیتے ہیں۔

۸..... بعض مقامات پر ایسی احادیث تفسیر کے ذیل میں منقول ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے اس حکم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح عمل فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی روایات نہ سبب نزول کی تعریف میں داخل ہیں، اور نہ مفسر کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام روایات سے پوری طرح واقف ہو۔

البتہ جو روایات واقعاً آیت کا سبب نزول ہیں، ان کا جاننا مفسر کے لئے نہایت

ضروری ہے، اور اس کے بغیر علم تفسیر میں دخل دینا جائز نہیں، چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا شَرَطُ الْمَفْسِرِ أَمْرَانِ: الْأَوَّلُ مَا تَعْرَضُ بِهِ الْآيَاتُ مِنَ الْقِصَصِ فَلَا يَتَيَسَّرُ فَهْمُ الْإِيمَاءِ بِتِلْكَ الْآيَاتِ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ تِلْكَ الْقِصَصِ، وَالثَّانِي مَا يَخْصُصُ الْعَامَ مِنَ الْقِصَّةِ أَوْ مِثْلَ ذَلِكَ مِنْ وَجْهِ صَرَفِ الْكَلَامِ عَنِ الظَّاهِرِ فَلَا يَتَيَسَّرُ فَهْمُ الْمَقْصُودِ مِنَ الْآيَاتِ بِدُونِهَا-<sup>(۱)</sup>

البتہ مفسر کے لئے دو باتوں کا جاننا لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک تو وہ واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے، اور جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں۔ دوسرے کسی قصے وغیرہ میں بعض اوقات الفاظ عام ہوتے ہیں لیکن شان نزول سے اس میں تخصیص پیدا ہوتی ہے، یا کلام کا ظاہری مفہوم کچھ ہوتا ہے اور سبب نزول کوئی دوسرا مفہوم متعین کرتا ہے، اس جیسی روایات کا علم حاصل کئے بغیر آیات قرآنی کا سمجھنا مشکل ہے۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر ۱

أَلَّا صُلُّ عَدَمُ تَكَرُّرِ النَّزُولِ-<sup>(۳)</sup>

حاصل قاعدہ

اصل یہ ہے کہ شان نزول مکرر نہ ہو۔

تشریح

یعنی اصل یہ ہے کہ کسی آیت کا نزول ایک مرتبہ ہو مگر اس اصل سے کبھی عدول بھی کرنا

(۱) الفوز الكبير في أصول التفسير: ص ۶۲ (۲) علوم القرآن: ص ۷۹ تا ۸۲

(۳) فتح الباری شرح صحیح البخاری: کتاب التفسیر، سورة القصص، ج ۸ ص ۵۰۸

پڑتا ہے۔ مثلاً کسی آیت کے متعلق مختلف شانِ نزول منقول ہوں اور سب صحیح السند، صریح الہمتن ہوں، لیکن ان کے درمیان زمانہ کے اعتبار سے اتنا بُعد ہو (یعنی دونوں واقعات کے درمیان کا وقفہ اتنا طویل ہو) کہ آیت کے نزول کو تکرار پر محمول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو کہا جائے گا یہ آیت سابقہ حکم کی تاکید و تذکیر کے لئے دوبارہ نازل ہوئی ہے۔

اور یہ کوئی قابلِ تعجب امر نہیں اس لئے کہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید ایک سے زائد قراءات کے ساتھ نازل ہوا ہے، مکہ مکرمہ میں قرآن صرف قریش کی لغت کے مطابق نازل ہوا تھا، مدینہ منورہ میں دیگر قراءات کا نزول ہوا، اس لحاظ سے تمام اختلافی قراءات کا نزول مکرر ہوا ہے۔

صورتِ مذکورہ جہاں پیش آئے یعنی جس آیت کے متعلق متعدد مختلف روایات و واقعات ہوں تو ایسے مواقع پر اب دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱..... تطبیق ۲..... ترجیح

تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ دونوں واقعات سے آیت کو متعلق قرار دیا جائے، اور آیت کے نزول کو مکرر مانا جائے، اور ترجیح کا حاصل یہ ہوگا کہ ایک واقعہ کو کسی مرجح کی بناء پر شانِ نزول بنایا جائے اور دوسرے واقعہ کو اس سے غیر متعلق قرار دیا جائے، اب ایسی صورت میں تطبیق ترجیح بین الروایات سے اولیٰ ہے، کیونکہ ترجیح کی صورت میں دیگر روایات کا ترک لازم آتا ہے، اور تکرار پر محمول کرنے سے تمام روایات معمول بہا بن جاتی ہیں، کسی روایت کا ترک نہیں ہوتا:

إِعْمَالُ الْكَلَامِ أَوْلَىٰ مِنْ إِهْمَالِهِ مَتَىٰ أَمَكَنَّ، فَإِنْ لَمْ يُمْكِنَ أَهْمِلْ. (۱)

اور جب تک ممکن ہو روایت کو معمول بہا بنانا بہتر ہے مہمل کرنے سے۔

(۱) الأشباه والنظائر لابن نجيم: الفن الأول، القاعدة التاسعة، ص ۱۱۴

## تطبیق مثال

الْمَّ ۙ غُلِبَتِ الرُّومُ ۗ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ  
سَيَغْلِبُونَ ۗ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۗ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ ۗ وَيَوْمَئِذٍ  
يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۗ (الروم)

ترجمہ: رومی لوگ قریب کی سر زمین میں مغلوب ہو گئے، اور وہ اپنے مغلوب  
ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے، چند ہی سالوں میں، سارا اختیار  
اللہ ہی کا ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اس دن ایمان والے اللہ کی دی  
ہوئی فتح سے خوش ہوں گے۔

اس کے شان نزول کے سلسلے میں دو مختلف روایتیں منقول ہیں، اور دونوں روایتوں کی  
تخریج امام ترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) نے کی ہے۔ پہلی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ  
عنه سے منقول ہے کہ بدر کے دن روم، فارس پر غالب آئے۔ روم اہل کتاب تھے اور فارس  
مجوسی تھے اس لئے مسلمانوں کو رومیوں کی فتح پر خوشی ہوئی، اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں:

لَمَّا كَانَ يَوْمٌ بَدَّدَ ظَهْرَتِ الرُّومِ عَلَى فَارِسَ، فَأَعْجَبَ ذَلِكَ  
الْمُؤْمِنِينَ، فَنَزَلَتْ أَلَمْ غُلِبَتِ الرُّومُ إِلَى قَوْلِهِ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ قَالَ:  
فَفَرِحَ الْمُؤْمِنُونَ بِظُهُورِ الرُّومِ عَلَى فَارِسَ. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیات مدنی ہیں، ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں۔  
مگر دوسری روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس سے معلوم  
ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے، کیونکہ اس میں روم اور فارس کے مقابلے کے پس منظر میں  
حضرت ابوبکر اور مشرکین کے درمیان معاہدہ کا ایک مشہور واقعہ مذکور ہے، اور ظاہر ہے کہ  
مشرکین کے ساتھ یہ معاملہ مکہ میں ہی ہوا تھا، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ آیات قبل الہجرہ

(۱) سنن الترمذی: ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة الروم، ج ۵ ص ۱۸۹، رقم الحدیث: ۲۹۳۵

مکہ میں نازل ہوئی ہیں، اور یہ دونوں روایتیں سند کے اعتبار سے بھی صحیح ہیں متن بھی دونوں کا واضح اور صریح ہے، پس لامحالہ یہ کہنا ہوگا ان آیات کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے:

كَانَ الْمُشْرِكُونَ يُحِبُّونَ أَنْ يَظْهَرَ أَهْلُ فَارِسَ عَلَى الرُّومِ لِأَنَّهُمْ  
وَإِيَّاهُمْ أَهْلُ أَوْثَانٍ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُحِبُّونَ أَنْ يَظْهَرَ الرُّومُ عَلَى  
فَارِسَ لِأَنَّهُمْ أَهْلُ كِتَابٍ، فَذَكَرُوهُ لِأَبِي بَكْرٍ فَذَكَرَهُ أَبُو بَكْرٍ  
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَمَّا إِنَّهُمْ سَيَغْلِبُونَ، فَذَكَرَهُ  
أَبُو بَكْرٍ لَهُمْ، فَقَالُوا: اجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ أَجَلًا، فَإِنْ ظَهَرْنَا كَانَ لَنَا  
كَذًا وَكَذًا، وَإِنْ ظَهَرْتُمْ كَانَ لَكُمْ كَذًا وَكَذًا، فَجَعَلَ أَجَلًا خَمْسَ  
سِنِينَ، فَلَمْ يَظْهَرُوا، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،  
قَالَ: أَلَا جَعَلْتَهُ إِلَى دُونَ قَالَ: أَرَأَهُ الْعَشْرَ، قَالَ سَعِيدٌ: وَالْبِضْعُ مَا  
دُونَ الْعَشْرِ - (۱)

مشرکین اہل فارس کی رومیوں پر برتری سے خوش ہوتے تھے کیونکہ وہ دونوں بت پرست تھے جبکہ مسلمان چاہتے تھے کہ رومی غالب ہو جائیں کیونکہ اہل کتاب تھے۔ لوگوں نے اسکا تذکرہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عنقریب رومی غالب ہو جائیں گے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے اس کا ذکر کیا تو کہنے لگے ہمارے اور اپنے درمیان ایک مدت مقرر کر لو، اور اگر اس مدت میں ہم غالب ہو گئے تو تم ہمیں اتنا اتنا دو گے اور اگر تم لوگ (اہل روم) پر غالب ہو گئے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے، چنانچہ پانچ برس کی مدت متعین کر دی گئی، لیکن اس مدت میں روم غالب نہ ہوئے۔ جب اسکا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۱) سنن الترمذی: ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة الروم، ج ۵ ص ۳۳۳، رقم الحدیث: ۳۱۹۳



ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تم نے زیادہ مدت کیوں مقرر نہیں کی۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس کے قریب کہا۔ سعید کہتے ہیں کہ بضع دس سے کم کو کہتے ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۲)

الْأَمْرُ الْوَارِدُ بَعْدَ الْحَظْرِ يَعُودُ حُكْمُهُ إِلَى حُكْمِهِ قَبْلَ الْحَظْرِ۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

امر بعد المنع کا حکم امر قبل المنع کے مطابق ہوتا ہے، یعنی ممانعت کے بعد امر کا وہی حکم ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے تھا۔

تشریح

یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ امر اصلاً وجوب کے لئے آتا ہے، مگر قرینے کی بناء پر دوسرے معنی پر بھی محمول ہو جاتا ہے، اسی قرینے کے قبیل سے یہ ایک قاعدہ ہے کہ ایک عمل پہلے مشروع تھا پھر کسی وجہ سے اس کی ممانعت وارد ہو گئی، اور دوبارہ پھر اس کا حکم آیا تو یہ حکم کس درجہ میں ہوگا، واجب یا مباح؟ قاعدہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ممانعت سے قبل اس کی جو حیثیت تھی وہی حیثیت ممانعت کے بعد بھی قائم رہے گی۔

مثال نمبر ۱..... وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا<sup>(سورة المائدة: ۲)</sup>

ترجمہ: اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

شکار کا یہ حکم اباحت کے لئے ہے کیونکہ احرام سے پہلے شکار صرف مباح تھا، واجب نہیں تھا، جو احرام کی وجہ سے حرام کر دیا گیا تھا، پھر احرام کے بعد حلال کر دیا گیا تو پہلی حالت کی طرح مباح ہی ہوگا نہ کہ واجب۔

(۱) العدة فی اصول الفقه: مسألة فی ورود الأمر بعد الحظر، ج ۱ ص ۲۵۶ / المسودة فی اصول الفقه: مسألة صيغة الأمر بعد الحظر، ج ۱ ص ۱۹

مثال نمبر ۲..... فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا - (الجمعة: ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ۔

نماز جمعہ سے پہلے انتشار مباح ہے، واجب نہیں ہے، نماز کی وجہ سے بیع و شراء سے منع کیا گیا، پھر نماز کے بعد اس کی اجازت دے دی گئی، تو اب پہلی حالت کی طرح اباحت ہی ہوگی نہ کہ وجوب۔

مثال نمبر ۳..... فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ - (البقرة: ۲۲۲)

ترجمہ: جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ۔

حالت حیض سے قبل اہلیہ کے پاس جانا مباح ہے، پھر حیض کی وجہ سے شریعت نے جماع کرنے سے منع کیا ہے، اب جب پاک ہو جائیں تو حکم ہے کہ ان کے پاس جاؤ، اب یہ حکم اباحت کے لئے ہے کیونکہ ممانعت سے پہلے بھی اباحت تھی نہ کہ وجوب۔

مثال نمبر ۴..... فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ - (التوبة: ۵)

ترجمہ: چنانچہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو (جنہوں نے

تمہارے ساتھ بد عہدی کی تھی) قتل کر ڈالو۔

قتل مشرکین کا یہ حکم وجوب کے لئے ہے کیونکہ کہ اشہر حرم سے پہلے یہ حکم واجب تھا، جو اشہر حرم کی عظمت کی وجہ سے ممنوع کر دیا گیا تھا، پھر دوبارہ اس کا حکم آیا تو سابقہ حکم کی طرح یہ بھی وجوب کے لئے ہی ہوگا۔

### قاعدہ نمبر (۳)

إِذَا اتَّحَدَا الشَّرْطُ وَالْجَزَاءُ لَفْظًا دَلَّ عَلَى الْفَخَامَةِ<sup>(۱)</sup>

(۱) فتح الباری: کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداة والعشی، ج ۳ ص ۲۳۳

عمدة القاری: کتاب الجنائز، باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداة والعشی، ج ۸ ص ۲۰۹

## حاصل قاعدہ

جب شرط و جزاء لفظاً متحد ہوں تو عظمتِ شان پر دلالت کرتے ہیں۔

## تشریح

شرط و جزاء سے عام و مشہور معنی مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ کے بعد دوسرا کلمہ ایسا وارد ہو جس کا تعلق پہلے کلمے کے ساتھ جواب جیسا ہو۔

مثال نمبر ۱..... فَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ وَأَصْحَابُ الشُّمَالِ مَا أَصْحَابُ

الشُّمَالِ ۝ - (الواقعة: ۸، ۹)

ترجمہ: جو دائیں ہاتھ والے ہیں، کیا کہنا ان دائیں ہاتھ والوں کا، اور جو بائیں ہاتھ والے ہیں، کیا بتائیں وہ بائیں ہاتھ والے کیا ہیں۔

مثال نمبر ۲..... أَلْحَاقَةُ ۝ مَا أَلْحَاقَةُ ۝ - (الحاقة: ۲، ۱)

ترجمہ: وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی، کیا ہے وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی۔

مثال نمبر ۳..... إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ (القدر)

ترجمہ: بے شک ہم نے اسی (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے، اور تمہیں

کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟

مثال نمبر ۴..... الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ - (القارعة)

ترجمہ: (یاد کرو) وہ واقعہ جو دل ہلا کر رکھ دے گا، کیا ہے وہ دل ہلانے والا واقعہ؟

مذکورہ بالا تمام مثالوں میں شرط و جزاء لفظاً متحد ہیں، تو یہ عظمتِ شان اور ان افعال کی

اہمیت پر دلالت کرتے ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۴)

إِذَا تَعَدَّدَتِ الْمَرْوِيَّاتُ فِي سَبَبِ النُّزُولِ نُظِرَ إِلَى الثُّبُوتِ، فَاقْتَصِرَ  
عَلَى الصَّحِيحِ ثُمَّ الْعِبَارَةُ فَاقْتَصِرَ عَلَى الصَّرِيحِ، فَإِنْ تَقَارَبَ الزَّمَانُ  
حُدِلَ عَلَى الْجَمِيعِ، وَإِنْ تَبَاعَدَ حُكِمَ بِتَكَرُّرِ النُّزُولِ أَوْ التَّرْجِيحِ-<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

اگر کسی آیت کے شان نزول کی بابت کئی ایک روایتیں منقول ہوں تو اولاً سند پر نظر کی جائے گی جو واقعہ صحیح سند کے ساتھ منقول ہو اسے شان نزول قرار دیا جائے گا، پھر متن کو دیکھا جائے گا، جس روایت میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہوگی اسی کو سبب نزول قرار دیا جائے گا، اگر تمام واقعات کا زمانہ وقوع قریب قریب ہو تو سب کو شان نزول قرار دیا جائے گا، اور اگر ان میں طویل وقفہ ہو تو یا تو تکرار نزول پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر۔

## توضیح قاعدہ

جس آیت کی تفسیر کے متعلق متعدد اسباب نزول منقول ہوں، اس میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ کیا جائے گا۔

۱..... سند کے اعتبار سے جو روایت صحیح ہو اور پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اس کو لیا جائے گا، دیگر روایات کو ترک کر دیا جائے گا۔

۲..... صحیح الاسناد روایات میں جس روایت کی عبارت میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہو، اس کو سبب نزول قرار دیں گے دیگر روایات متروک ہوں گی۔

(۱) مأخوذ من الإلتقان فی علوم القرآن: النوع التاسع، المسألة الخامسة، ج ۱ ص ۱۱۷ تا ۱۲۳

۳..... اگر تمام روایتیں صحیح الاسناد ہوں اور سب میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہے، تو ان سب کا زمانہ وقوع دیکھا جائے، اگر تمام وقائع متقارب الوقوع ہیں تو سب کو شان نزول قرار دیا جائے گا۔

۴..... اگر ان سب واقعات کے زمانہ وقوع میں طویل وقفہ ہے تو تکرار نزول کا قول کیا جائے گا، اور بقول بعض علماء ترجیح کی راہ اختیار کی جائے گی، اور ان کے یہاں درجہ ذیل امور کو وجوہ ترجیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

شہد قصہ ہونا: یعنی روایات میں کوئی روایت ایسی ہے جس کا راوی واقعہ کے وقت حاضر رہا ہو تو اس روایت کو ترجیح ہوگی یعنی اسے ہی شان نزول شمار کیا جائے گا۔

روای کا مباشر واقعہ ہونا: یعنی روایات میں کوئی روایت ایسی ہے جس کا راوی خود بتلائے واقعہ تھا، ظاہری بات ہے وہ صورت حال سے سب سے زیادہ آگاہ ہوگا، پس اس کی روایت راجح ہوگی، اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ترجیح ہیں۔

ان دونوں صورتوں (تکرار نزول اور ترجیح روایات) میں پہلا طریقہ اولیٰ ہے کیوں اس میں تمام روایتیں معمول بہا ہو جائیں گی، ”والاعمال اولیٰ من الإہمال“

## تطبیق امثلہ

مثال بر جزء اول: (ایک روایت صحیح الاسناد ہو اور دیگر روایتیں غیر صحیح الاسناد ہوں)

وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ ۝ وَمَا قَلَىٰ ۝ (الضحیٰ)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اس کا

اندھیرا بیٹھ جائے، کہ تمہارے رب نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے۔

اس آیت کے متعلق روایات میں متعدد اسباب نزول مذکور ہیں:

۱..... پہلا سبب نزول وہ واقعہ ہے جو صحیحین کی روایت میں وارد ہے:

اَشْتَكِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا،

فَجَاءَتْ امْرَأَةً فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ  
تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِيبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ:  
وَالصُّحُفِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ۝ (۱)

حضرت جنذب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
بیمار ہوئے جس کی بناء پر دو یا تین رات تہجد کے لئے بیدار نہ ہو سکے، ایک عورت آئی اور آکر  
کہا، اے محمد! مجھے تو لگتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو تین راتوں سے  
تیرے قریب نہیں آیا، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

یہ روایت صحیح السند ہے، نیز اس میں ”فأنزل الله تعالى“ کے ذریعہ سبب نزول  
ہونے کی صراحت ہے، اس کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں مگر وہ سنداً صحیح نہیں ہیں نیز ان  
روایات میں شان نزول ہونے کی صراحت بھی نہیں ہے۔

۲..... دوسرا سبب نزول اس سلسلے میں کتیا کے بچہ کا آپ کی چار پائی کے نیچے پڑے  
رہنے کا مشہور واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۵۲ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَجَدْتُ الْآنَ فِي الطَّبْرَانِيِّ بِإِسْنَادٍ فِيهِ مَنْ لَا يُعْرَفُ أَنَّ سَبَبَ نُزُولِهَا  
وَجُودُ جَرَوْ كَلْبٍ تَحْتَ سَرِيرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَشْعُرْ بِهِ  
فَأَبْطَأَ عَنْهُ جَبْرِيلُ لِذَلِكَ وَقِصَّةُ إِبْطَاءِ جَبْرِيلَ بِسَبَبِ كَوْنِ الْكَلْبِ  
تَحْتَ سَرِيرِهِ مَشْهُورَةٌ لَكِنْ كَوْنُهَا سَبَبَ نُزُولِ هَذِهِ الْآيَةِ غَرِيبٌ بَلْ  
شَاذٌ مَرْدُودٌ بِمَا فِي الصَّحِيحِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ (۲)

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، باب ما ودعك ربك وما قلى، ج ۶ ص ۱۷۲، رقم الحدیث:

۳۹۵۰ / صحیح مسلم: کتاب الجهاد والسير، باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی

المشركين، ج ۳ ص ۱۴۲۲، رقم الحدیث: ۱۷۹۷

(۲) فتح الباری: کتاب التفسیر، باب ما ودعك ربك وما قلى، ج ۸ ص ۷۱۰

ترجمہ: میں نے طبرانی میں غیر معروف روایات کے حوالہ سے پایا کہ ان آیات کا سبب نزول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار پائی مبارک کے نیچے کتیا کا بچہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ تھا، جبریل علیہ السلام اس کی وجہ سے تاخیر سے وحی لے کر آئے۔ یہ قصہ مشہور ہے۔ مگر اس کا شان نزول ہونا غریب ہے، بلکہ صحیح روایات کی روشنی میں شاذ اور مردود ہے، واللہ اعلم۔

۳..... تیسرا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی تو ابتداء زمانہ میں جبریل علیہ السلام کئی دنوں تک نہیں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق گذرا اور مشرکین نے یوں کہنا شروع کیا اس کے رب نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اس سے ناراض ہے، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

لَمَّا نَزَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ أَبْطَأَ عَنْهُ جِبْرِيلُ أَيَّامًا فَتَغَيَّرَ بِذَلِكَ فَقَالُوا وَدَّعَهُ رَبُّهُ وَقَلَّاهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى - (۱)

۴..... چوتھا سبب نزول یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب فترت وحی کا زمانہ آیا تو آپ پر یہ بڑی گرانی گزری اور آپ کو نمکیان کر دیا، آپ نے فرمایا: مجھے یہ اندیشہ کہ میرا محبوب کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو گیا ہو، اس وقت جبریل علیہ السلام سورہ ضحیٰ لے کر آئے:

فَتَرَ الْوَحْيُ حَتَّى شَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَحْزَنَهُ فَقَالَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ صَاحِبِي قَلَانِي فَجَاءَ جِبْرِيلُ بِسُورَةِ وَالضُّحَى - (۲)

۵..... پانچواں سبب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب فترت وحی کا زمانہ آیا تو لوگوں نے یوں کہنا شروع کیا کہ اگر یہ کلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا تو ہمیشہ اترتا رہتا مگر وہ ناراض ہو گیا اور کلام اتارنا بند کر دیا، پس معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے، اس وقت یہ سورت اور سورہ الم نشرح نازل ہوئی:

(۱) فتح الباری: کتاب التفسیر، باب ما ودعك ربك وما قلى، ج ۸ ص ۷۱۰

(۲) فتح الباری: کتاب التفسیر، باب ما ودعك ربك وما قلى، ج ۸ ص ۷۱۰

فَتَرَ الْوَحْيُ فَقَالُوا لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَتَتَابَعَهُ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَلَاهُ فَأَنْزَلَ

اللَّهُ وَالضُّحَى وَالْمَنْ نَشْرَحُ بِكَمَالِهِمَا<sup>(۱)</sup>

روایات مذکورہ خمسہ میں سے پہلی روایت کے علاوہ کوئی روایت سنداً ثابت نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں فترت وحی کا زمانہ مراد نہیں، کیوں کہ فترت کا زمانہ طویل زمانہ تھا اور یہ مختصر سی مدت کا وقفہ ہے۔ اول الذکر روایت صحیح السند صریح الممتن ہے، پس اسی کو شان نزول مانا جائے گا۔

مثال برجز ثانی: (بعض روایتیں صحیح اور صریح ہوں، بعض صحیح غیر صریح ہوں)

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ<sup>(البقرة: ۱۱۵)</sup>

ترجمہ: مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

اس کے سبب نزول میں متعدد روایات منقول ہیں۔

..... علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سب سے پہلا نسخ تحویل قبلہ کے متعلق تھا، واقعہ یہ پیش آیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو مدینہ کے اکثر باشندے یہودی تھے، ان کی موانست کے لئے اللہ رب العزت نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا امر کیا، چنانچہ یہود خوش ہو گئے اور آپ نے سولہ، سترہ مہینے اس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ ابراہیمی محبوب تھا، اس لئے آپ تحویل قبلہ کی دعا کرتے تھے اور اس کے اشتیاق میں نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ اس وقت اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ اپنے چہرے کو قبلہ کی طرف کر دیں، اس وقت یہود شک میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: کس چیز نے ان کو اپنے قبلہ سے پھیر دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

(۱) فتح الباری: کتاب التفسیر، باب ما ودعك ربك وما قلبي، ج ۸ ص ۷۱۰



كان اول ما نسخ من القرآن القبلة، وذلك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما هاجر إلى المدينة، وكان أكثر أهلها اليهود، أمره الله عز وجل ان يستقبل بيت المقدس، ففرحت اليهود فاستقبلها رسول الله صلى الله عليه وسلم بضعة عشر شهرا، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب قبلة إبراهيم عليه السلام، فكان يدعو وينظر إلى السماء، فأنزل الله تبارك وتعالى: قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ- إلى قوله: فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ فَارْتَابَ مِنْ ذَلِكَ الْيَهُودُ، وقالوا: مَا وَلَّهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ. (۱)

یہ روایت سنداً بھی صحیح ہے اور اس میں شانِ نزول کی صراحت بھی ہے۔

۲..... امام ترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، رات کی تاریکی تھی قبلہ کی جہت ہمیں معلوم نہیں تھی، ہر آدمی نے اپنے سامنے کی سمت پر رخ کر کے نماز پڑھی، صبح ہوئی تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَتَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ-

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ، فَلَمْ نَدْرِ أَيْنَ الْقِبْلَةُ، فَصَلَّى كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا عَلَى حِيَالِهِ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا ذَكَرْنَا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَتَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ- (۲)

یہ روایت بھی صحیح اور صریح ہے۔

(۱) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر: ۱۱۵ کے تحت، ج ۲ ص ۵۲۷

(۲) سنن الترمذی: أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي لغير القبلة في الغيم، ج ۲

ص ۱۷۶، رقم الحديث: ۳۳۵

۳..... تیسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ آتے ہوئے اپنی سواری پر نفل نماز پڑھتے، جس طرف سواری کا رخ ہوتا اسی سمت میں۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی:

”لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ“ رِخ، اور فرمایا: اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَأْسِهِ تَطَوُّعًا حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ وَهُوَ جَاءَ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ ثُمَّ قَرَأَ ابْنُ عُمَرَ، هَذِهِ الْآيَةَ: وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَقِي هَذَا أَنْزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ (۱)

یہ روایت سنداً صحیح اور ثابت ہے۔

۴..... علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) نے حضرت قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی نجاشی انتقال کر چکا ہے تم اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، لوگوں نے کہا ہم ایسے شخص کی نماز جنازہ کیسے پڑھیں جو مسلمان نہیں ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، جس میں یہ ہے کہ اہل کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی، راوی کہتے ہیں کہ پھر لوگوں نے کہا وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتا تھا، تو اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی: وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔۔ الخ

إِنْ أَخَاكُمْ النِّجَاشِي قَدْ مَاتَ فَصَلُّوا عَلَيْهِ، قَالُوا: نَصَلِّي عَلَى رَجُلٍ لَيْسَ بِمُسْلِمٍ! قَالَ فَنَزَلَتْ: وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ قَالَ: قَتَادَةُ، فَقَالُوا: إِنَّهُ كَانَ لَا يُصَلِّي إِلَى الْقِبْلَةِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَآيِنَمَا تَوَلَّوْا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ۔ (۲)

(۱) سنن الترمذی: أبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، ج ۵ ص ۲۰۵، رقم الحدیث: ۲۹۵۸

(۲) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۱۱۵ کے تحت، ج ۲ ص ۵۳۳

یہ روایت صریح تو ہے یعنی اس میں سبب نزول کی صراحت تو ہے مگر سنداً ضعیف ہے نیز یہ روایت مرسل ہے۔

۵.... امام ابن جریر رحمہ اللہ نے امام التفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی: ”ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ“ تو لوگوں نے کہا کس سمت رخ کر کے دعا کریں اس وقت آیت نازل ہوئی: فَأَيِّنَّمَا تُوَاقِفْتُمْ وَجْهَ اللَّهِ۔

لما نزلت: ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ قالوا: إلى أين؟ فنزلت: فَأَيِّنَّمَا تُوَاقِفْتُمْ وَجْهَ اللَّهِ۔<sup>(۱)</sup>

یہ روایت بھی صریح ہے لیکن سنداً ضعیف ہے۔ ان پانچ روایتوں میں پہلی اور دوسری روایت صحیح اور صریح ہے، باقی روایتیں یا تو غیر صحیح ہیں یا غیر صریح، اس لئے کہ تیسری روایت صحیح السنہ تو ہے لیکن غیر صریح ہے۔ چوتھی اور پانچویں روایت صریح عبارت تو ہے لیکن ضعیف الاسناد ہے، اس لئے از روئے قاعدہ پہلی اور دوسری روایتوں کو ہی شان نزول قرار دیں گے۔ دیگر روایات متروک ہوں گی۔

مثال برجزء ثالث: (صحیح الاسناد، صریح العبارة، متقارب النزول واقعات)

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ (النور: ۶)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں، اور اپنے سوا ان کے کوئی اور گواہ نہ ہوں۔

اس کے شان نزول کے سلسلہ میں دو واقعات مذکور ہیں۔

۱.... امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت

نقل کی ہے کہ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ حضرت عویمر عجلانی حضرت عاصم بن عدی کے پاس آئے، آپ بنو عجلان کے سردار تھے۔ آکر کہا کہ ایک شخص اپنی اہلیہ کے ساتھ کسی اور کو پائے اور اس کو قتل کر دے، تو اس کے بدلے تم اس کو قتل کرو گے، یا پھر وہ کیا کرے؟ آپ

(۱) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۱۱۵ کے تحت، ج ۲ ص ۵۳۳

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت پوچھے، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کی خدمت میں سوال عرض کیا، آپ نے سوال کو ناپسند فرمایا، حضرت عویمیر نے عاصم سے جواب کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کو ناپسند فرمایا، حضرت عویمیر نے کہا: میں اللہ کے رسول سے پوچھ کر رہوں گا، چنانچہ وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کو مشغول پائے، پس وہ شوہر اس کو قتل کر دے تو اس کے بدلے آپ اس کو قتل کر دیں گے، یا پھر وہ کیا کرے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہارے ساتھی کے متعلق آیت نازل ہوئی ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّ عُوَيْمِرًا، أَتَى عَاصِمَ بْنَ عَدِيٍّ وَكَانَ سَيِّدَ بَنِي عَجْلَانَ، فَقَالَ: كَيْفَ تَقُولُونَ فِي رَجُلٍ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيْقَتْلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ، أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ سَلَّ لِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَأَتَى عَاصِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ فَكِرَةٌ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ، فَسَأَلَهُ عُوَيْمِرٌ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ: وَاللَّهِ لَا أَنْتَهَى حَتَّى أَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَجَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ رَجُلٌ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيْقَتْلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ الْقُرْآنَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ. (۱)

۲.... دوسری روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنے

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، باب قوله عز وجل: والذین یرمون المحصنات۔ ج ۶ ص ۹۹،

رقم الحدیث: ۴۷۴۵

بیوی پر شریک بن سحاء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد کے کوڑے لگائے جائیں گے، ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو ملوث پائے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی جملہ دہراتے رہے کہ گواہ لاؤ ورنہ تم پر حد نافذ کی جائے گی۔ ہلال بن امیہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں اپنی بات میں سچا ہوں اللہ ضرور کوئی ایسا حکم نازل کرے گا جس سے میری پیٹھ حد سے بری ہو جائے گی، اس وقت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ۔۔۔ الخ

أَنَّ هِلَالَ بِنِ أُمِّيَّةَ، قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيكِ ابْنِ سَحْمَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْبَيِّنَةُ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: الْبَيِّنَةُ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ، فَلَيُنزِلَنَّ اللَّهُ مَا يَبْرءُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ، فَنَزَلَ جِبْرِيلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ۔ (۱)

یہ دونوں روایتیں صحیح الاسناد ہیں، دونوں میں سبب نزول ہونے کی صراحت ہے، نیز دونوں واقعے قریب قریب زمانے کے ہیں، پس از روئے قاعدہ دونوں قصوں کو شان نزول قرار دیا جائے گا اور بقول بعض علماء دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی۔

مثال بر جزء رابع: (متعدد واقعات صریح، صحیح الاسناد، متباعد الوقوع کی مثال)

وَ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۗ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (الإسراء: ۸۵)

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر، باب قوله عز وجل: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمَحْصَنَاتِ۔ ج ۶

ص ۱۰۰، رقم الحدیث: ۳۷۳۷

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دو: روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ اس کے شانِ نزول کے سلسلے میں دو واقعات منقول ہیں۔ ..... پہلا واقعہ وہ ہے جو صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مذکور ہے وہ فرماتے ہیں: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک کھیت میں کہیں جا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی ایک ٹہنی کا سہارا لئے ہوئے تھے، یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے آپ کا گذر ہوا، تو ان میں سے کسی نے کہا ان سے کچھ پوچھا جائے، دوسرا نے کہا مت پوچھو، تمہیں وہ ایسی بات سنائیں گے جو تم ناپسند کرتے ہو۔ بالآخر انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! روح کے متعلق کچھ بیان کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اور اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا، میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ نے فرمایا: وہ میرے رب کا حکم ہے:

كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرْثٍ بِالْمَدِينَةِ، وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ، فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ؟ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ، لَا يُسْمِعُكُمْ مَا تَكْرَهُونَ، فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالُوا: يَا أَبَا الْقَاسِمِ حَدِّثْنَا عَنِ الرُّوحِ، فَقَامَ سَاعَةً يَنْظُرُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي - (۱)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی کیونکہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا تھا۔

.....۲ دوسرا واقعہ سنن ترمذی میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مذکور

(۱) صحیح البخاری: کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما یکره من کثرة السؤال وتکلف ما

لا یعنیه، ج ۹ ص ۹۵، رقم الحدیث: ۷۲۹۷

۵۶۵۶: شریعہ اسلامیہ، ص ۲۰۱

ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قریش مکہ نے یہود سے کہا: ہمیں کوئی سوال بتاؤ اس آدمی (محمد) سے پوچھیں گے، تو یہود نے کہا: روح کے بارے میں ان سے پوچھو۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ-- الخ  
 قَالَتْ قُرَيْشٌ لِيَهُودَ: أَعْطُونَا شَيْئًا نَسْأَلُ هَذَا الرَّجُلَ، فَقَالَ: سَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي- (۱)

یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا۔

آیت مذکورہ کے متعلق دونوں واقعات صحیح الاسناد ہیں، نیز ان میں سبب نزول کی صراحت بھی موجود ہے، پس قاعدے کا مقتضایہ ہے کہ دونوں کو سبب نزول قرار دیا جائے، لیکن دونوں کے زمانہ وقوع میں بہت بعد ہے، اس طور پر کہ پہلا قصہ مدنی ہے، دوسرا مکی، اس لئے کہا جائے گا کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی، اور تکرار نزول کا یہ قول ان مفسرین کرام کے خیال و مسلک کے مطابق ہے جو روایات کے درمیان تطبیق کے قائل ہیں۔

رہ گئے وہ علماء جن کے یہاں ترجیح کا طریقہ راجح ہے، ان کے یہاں پہلے واقعہ کو ترجیح دی جائے گی اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس کے راوی (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) خود شاہد ہیں یعنی قصہ کے وقت موجود تھے۔

## قاعدہ نمبر (۵)

إِذَا اجْتَمَعَ فِي الضَّمَانِ مُرَاعَاةُ اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى بُدِءَ بِاللَّفْظِ ثُمَّ

بِالْمَعْنَى- (۲)

(۱) سنن الترمذی: أبواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة بنی اسرائیل، ج ۵ ص ۳۰۳، رقم

الحدیث: ۳۱۲۰

(۲) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع الثانی والأربعون، ج ۲ ص ۳۳۲ / الکلیات لأبی البقاء: فصل

الألف والجیم، ج ۱ ص ۲۷

## حاصل قاعدہ

اگر ضمیر میں لفظ اور معنی دونوں کی رعایت ممکن ہو تو پہلے لفظ کے مطابق ضمیر لائیں گے پھر معنی کے مطابق۔

## تشریح

بسا اوقات ضمیر کا مرجع باعتبار لفظ کے بھی ہوتا ہے اور باعتبار معنی کے بھی، اگر کلام میں کبھی ایسا موقع آجائے تو پہلے باعتبار لفظ کے ضمیر لائیں گے پھر باعتبار معنی کے۔

مثال نمبر ۱..... وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿البقرة﴾

ترجمہ: کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں۔

”يَقُولُ“ کے اندر ”هُوَ“ ضمیر کا مرجع لفظ ”مَنْ“ ہے جو مفرد ہے، اور ”وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ“ میں ”هُم“ کا مرجع معنی ”مَنْ“ جس سے مراد لوگوں کی ایک جماعت ہے، تو لفظ ”مَنْ“ کا اعتبار کرتے ہوئے ”يَقُولُ“ صیغہ واحد لائے، پھر معنی ”مَنْ“ کا اعتبار کرتے ہوئے ”وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ“ میں ضمیر جمع لائی گئی۔

مثال نمبر ۲..... وَمِنْهُمْ مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوْا۔

(الأنعام: ۲۵)

ترجمہ: اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں،

مگر (چونکہ یہ سننا طلبِ حق کے بجائے ضد پر اڑے رہنے کے لئے ہوتا ہے،

اس لئے) ہم نے ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھتے

نہیں ہیں۔

(۱)

یہاں پر بھی ”يَسْتَمِعُ“ کے اندر ”هُوَ“ ضمیر کا مرجع لفظ ”مَنْ“ ہے جو مفرد ہے، تو لفظ

کی رعایت کرتے ہوئے پہلے ضمیر مفرد لائے، پھر آگے ”هُم“ ضمیر کا مرجع معنی ”مَنْ“



ہے، تو معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع کی ضمیر لائی گئی۔

مثال نمبر ۳..... وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِذْنَنِي وَلَا تَفْتِنِّي ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ (التوبة: ۴۹)

ترجمہ: اور انہی میں وہ صاحب بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دے دیجئے

اور مجھے فتنے میں نہ ڈالئے، ارے فتنے ہی میں تو یہ خود پڑے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں بھی لفظ ”مَنْ“ کا اعتبار کرتے ہوئے پہلے ضمیر مفرد لائی، اور پھر معنی

”مَنْ“ کے اعتبار سے ”سَقَطُوا“ میں ضمیر جمع لائی۔

### قاعدہ نمبر (۶)

كَلَّمَا أَخْبَرَ اللَّهُ بِلَفْظِ كَيْفَ عَنْ نَفْسِهِ فَهُوَ اسْتِخْبَارٌ عَلَى طَرِيقِ

التَّنْبِيهِ لِلْمُخَاطَبِ أَوْ التَّوْبِيخِ (۱)

### حاصل قاعدہ

جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے متعلق لفظ ”كَيْفَ“ سے بصورتِ استفہام کوئی خبر دے تو

وہاں مخاطب کی تنبیہ یا توبیخ مقصود ہوا کرتی ہے۔

مثال نمبر ۱..... كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ - (آل عمران: ۸۶)

ترجمہ: اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر

اختیار کر لیا؟

مثال نمبر ۲..... كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا قَالًا حَيًّا كُمْ - (البقرة: ۲۸)

ترجمہ: تم اللہ کے ساتھ کفر کا طرز عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے

جان تھے، اسی نے تمہیں زندگی بخشی۔

مثال نمبر ۳..... كَيْفَ تَكْفُرُونَ وَاَنْتُمْ تَتْلُو عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهُ

(آل عمران: ۱۰۱)

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع الأربعون، ج ۲ ص ۲۶۳

۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳ و ۲۶۴

ترجمہ: تم کیسے کفر اپناؤ گے جب کہ اللہ کی آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے؟ ان تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق لفظ ”کیف“ سے استفہام کی صورت میں خبر دی ہے، ان آیات میں یہ اسلوب مخاطبین کی تشبیہ اور توتوخ کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

### قاعدہ نمبر (۷)

إِذَا اسْتُدِلَّ بِالْفِعْلِ لِشَيْئَيْنِ وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَحَدِهِمَا يُقَدَّرُ لِلْآخِرِ  
فِعْلٌ يُنَاسِبُهُ عَلَى الْأَصَحِّ (۱)

### حاصل قاعدہ

اگر کسی ایک فعل کا حکم دو اسموں پر لگایا گیا ہو جب کہ وہ حکم ایک ہی پر صادق آتا ہے دوسرے پر نہیں، تو دوسرے اسم کے لئے اس کے مناسب فعل مقدر مانا جائے گا راجح قول کے مطابق۔

مثال نمبر ۱..... وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ - (الحشر: ۹)

ترجمہ: (اور مال فیزی) ان لوگوں کا حق ہے جو پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ

میں) ایمان کے ساتھ مقیم ہیں۔

”تَبَوَّؤُا“ (ٹھکانہ بنانا) آیت مذکورہ میں ”تَبَوَّؤُا“ کی نسبت دار اور ایمان دونوں کی طرف ہے، جب کہ دار کی طرف اس کی نسبت تو صحیح ہے مگر ایمان کی طرف درست نہیں، لہذا یہاں ایمان کی مناسبت سے ایک دوسرا فعل مقدر مانا جائے گا، مثلاً کہا جاوے گا: تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَاعْتَقَدُوا الْإِيمَانَ۔

قاعدہ مذکورہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ تقدیر بہتر ہے یا تضمین۔ تقدیر کا

(۱) الکلیات لأبی البقاء: فصل: الحاء، ج ۱ ص ۳۸۶ / البرهان فی علوم القرآن: تابع النوع السادس

والأربعون، ج ۳ ص ۱۲۲

مطلب یہ ہے کہ دوسرا فعل مقدر مانا جائے، اور تضمین کا حاصل یہ ہے کہ اسی فعل مذکور کو کسی ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو دونوں اسموں پر منطبق ہو جائے، پس اس صورت میں اسم ثانی کا اس اول پر عطف ہوگا، آیت مذکورہ میں تقدیر اور تضمین دونوں درست ہیں۔  
تقدیر کی تقریر تو اوپر ہو چکی، اور تضمین کی صورت میں ”تَبَوُّؤًا“ ”لَزِمُوا“ کے معنی میں ہوگا اور حاصل آیت ہوگا ”لَزِمُوا الدَّارَ وَالْبَيْتَانَ“ اور لزوم کا تعلق دار اور ایمان دونوں کے ساتھ صحیح ہے۔

مثال نمبر ۲..... فَأَجْبِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ - (یونس: ۷۱)

ترجمہ: اب تم اپنے شریکوں کو ساتھ لا کر (میرے خلاف) اپنی تدبیروں کو خوب

پختہ کر لو۔

بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہاں ”واو“ بمعنی ”مع“ کے ہے۔ مذکورہ بالا ترجمہ اس اعتبار سے کیا گیا ہے۔ جب کہ بعض اکابر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہاں لفظ ”شُرَكَاءَكُمْ“ سے پہلے ”ادْعُوا“ فعل محذوف ہے، تو اب معنی ہوگا کہ تم اپنی تدبیروں کو خوب پختہ کرو اور اپنے شرکاء کو (بھی) بلاؤ۔ تو یہاں ”أَمْرَكُمْ“ اور ”شُرَكَاءَكُمْ“ کے لئے الگ الگ فعل جو ان کے مناسب ہے وہ محذوف نکالے جائیں گے۔

## قاعدہ نمبر (۸)

إِذَا تَعَاقَبَتِ الضَّمَائِرُ فَلَا ضَلَّ أَنْ يَتَّحِدَ مَرَجِعُهَا۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

جب ایک ہی ضمیر سلسلہ وار کئی مرتبہ آجائے تو اصل یہ ہے کہ ان تمام کا مرجع ایک ہو۔

(۱) نشر العبير في منظومة قواعد التفسير: ص ۸۶

## تشریح

یہ قاعدہ اس وقت ہے جب کہ مختلف مراجع کی جانب ضمیر لوٹانے کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو، اور ایک ہی مرجع کی جانب تمام ضمائر کو لوٹانے میں کلام کی فصاحت و بلاغت میں کوئی خلل نہ آتا ہو، ورنہ مختلف مراجع کی جانب بھی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں۔

مثال نمبر ۱..... وَمَا قَتَلْتُمْ وَلَا مَا صَلَبْتُمْ وَلَا لَكِنَّ شُبَّهَ لَهُمْ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۗ وَمَا قَتَلْتُمْ وَلَا يَقْتُلُوا ۗ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۙ (النساء: ۱۵۷-۱۵۸)

ترجمہ: حالانکہ نہ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا تھا، نہ انہیں سولی دے

پائے تھے، بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس

بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں، انہیں گمان کے

پیچھے چلنے کے سوا اس بات کو کوئی علم حاصل نہیں ہے، اور یہ بالکل یقینی بات ہے

کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہ لائے۔

ان مذکورہ بالا آیات میں ضمیر غائب آٹھ مرتبہ آئی ہے اور ان سب کا مرجع حضرت

عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

۱..... قَتَلْتُمْ ۗ ۲..... صَلَبْتُمْ ۗ ۳..... فِيهِ ۗ ۴..... مِنْهُ ۗ

۵..... بِهِ ۗ ۶..... قَتَلْتُمْ ۗ ۷..... رَفَعَهُ ۗ ۸..... بِهِ ۗ

مثال نمبر ۲..... إِنَّ أَقْدِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْدِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ

عَدُوِّي وَعَدُوِّي لَهُ ۗ (طہ: ۳۹)

ترجمہ: اس (بچے) کو صندوق میں رکھو، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو۔

پھر دریا کو چھوڑ دو کہ وہ اسے ساحل کے پاس لا کر ڈال دے، جس کے نتیجے میں

ایک ایسا شخص اس (بچے) کو اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہوگا اور اس کا بھی

دشمن۔

اس آیت کریمہ میں ضمیر غائب پانچ مرتبہ آئی ہے اور ان سب کا مرجع حضرت موسیٰ

علیہ السلام ہیں:

۱..... اَقْدِفِيهِ ۲..... فَاَقْدِفِيهِ ۳..... فَلْيُلْقِهِ ۴..... يَاخُذْهُ ۵..... لَهُ

اب آیت کا ترجمہ ہوگا: اس (بچے) کو صندوق میں رکھو، پھر (اس بچے کو مع صندوق) کے دریا میں ڈال دو، پھر دریا (اس بچے کو مع صندوق کے) کنارے تک لے آئے گا، جس کے نتیجے میں ایک ایسا شخص (فرعون) اس (بچے) کو اٹھائے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور (اس بچے) کا بھی دشمن ہے۔

مثال نمبر ۳..... لِيَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً

وَأَصِيلاً ① (الفتح)

ترجمہ: تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کے

دین کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

مذکورہ بالا آیت میں ضمیر غائب چار مرتبہ آئی ہے اس کا مرجع لفظ ”اللہ“ ہے:

۱..... رَاسُوْلِهِ ۲..... تُعَزِّرُوْهُ ۳..... تُوَقِّرُوْهُ ۴..... تُسَبِّحُوْهُ

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ضمائر کا مرجع لفظ ”رسول“ ہے، لیکن پہلی تفسیر زیادہ

راجح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ”رَاسُوْلِهِ“ اور ”تُسَبِّحُوْهُ“ کا مرجع یقینی طور پر لفظ اللہ

ہے، جب پہلی اور آخری ضمیر کا مرجع لفظ اللہ ہے تو درمیان کی ضمائر کا مرجع بھی لفظ اللہ ہوگا۔

دونوں مراجع میں پہلے لفظ ”اللہ“ کا ذکر ہے، پھر لفظ ”رَاسُوْلِهِ“ کا، تو جو مقدم ہے

اسے ہی مرجع بنانا اولیٰ ہے۔ اگر دو کا مرجع ایک ہو، اور دیگر دو ضمائر کا مرجع دوسرا ہو تو اس میں

انتشار ضمائر ہے۔ نیز قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب سلسلہ وار کئی ضمائر آئیں تو ان تمام کا مرجع

ایک ہوگا۔ واللہ اعلم

## قاعدہ نمبر (۹)

إِذَا تَعَدَّدَتِ الْجُمَلُ وَجَاءَ بَعْدَهَا ضَمِيرٌ جَمْعٌ فَهُوَ رَاجِعٌ إِلَى جَمِيعِهَا

فَإِنْ كَانَ مُفْرَدًا أُخْتُصَّ بِالْأَخْيَرَةِ<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

متعدد جملوں کے بعد اگر ضمیر جمع آئے تو تمام جملے اس ضمیر کا مرجع بنیں گے، اور اگر واحد کی ضمیر آئے تو آخری جملہ اس ضمیر کا مرجع بنے گا۔

## تشریح

یعنی متعدد جملے پہلے مذکور ہوں پھر اس کے بعد جمع کی ضمیر لائی جائے تو ضمیر جمع مذکورہ تمام جملوں کی طرف لوٹے گی، اور اگر واحد کی ضمیر آئے تو صرف آخری جملہ اس ضمیر کا مرجع بنے گا، مثلاً:

أَدْخَلَ بَنِي هَاشِمٍ ثَمَّ بَنِي الْمُطَلِبِ ثَمَّ سَائِرَ قُرَيْشٍ وَجَالِسَهُمْ

وَالزَّمَهُمْ-

بنو ہاشم کے پاس جاؤ، پھر بنو عبدالمطلب کے پاس، پھر بقیہ قریش کے پاس، اور ان کی صحبت اختیار کرو اور ان کو لازم پکڑو، ان سے جدا نہ ہوں۔

اس مثال میں پہلے متعدد جملوں کا ذکر ہے، پھر آگے ”جالسہم“ اور ”الزّمہم“ ضمیر جمع لائی ہے جو مذکورہ تمام جملوں کی طرف لوٹ رہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی صحبت اختیار کرو اور ان کو لازم پکڑو۔

اور اگر متعدد جملوں کے بعد ضمیر مفرد آئے تو آخری جملہ جو قریب ہے وہ مرجع بنے گا۔ مثلاً اگر آپ کہو: اتّانِي زَيْدٌ وَعَمْرُو وَخَالِدٌ فَقَتَلْتُهُ۔ میرے پاس زید، عمرو اور خالد آئے پس میں نے خالد کو قتل کیا۔ اس میں چونکہ مفرد کی ضمیر آئی ہے اس لئے آخری جملہ جو قریب ہے یعنی ”خالد“ وہی مرجع متعین ہوگا۔

(۱) البحر المحيط في أصول الفقه: مباحث الخاص والخصوص والتخصيص، مسألة: إذا تعددت

الجملة وجاء بعدها ضمير جمع، ج ۳ ص ۳۳۵ منه لَمَّا دَخَلَ بَنِي هَاشِمٍ ثَمَّ بَنِي الْمُطَلِبِ ثَمَّ سَائِرَ قُرَيْشٍ وَجَالِسَهُمْ

مثال..... سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ

بِالنَّهَارِ ۝ لَهُ مُعَقَّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ (الرعد: ۱۰، ۱۱)

ترجمہ: تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا زور سے، کوئی رات کے وقت

چھپا ہوا ہو، یا دن کے وقت چل پھر رہا ہو، وہ سب (اللہ کے علم کے لحاظ سے)

برابر ہیں۔ ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے

حکم سے باری باری اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان دو آیتوں میں متعدد جملوں کا ذکر ہے، پھر آگے ”يَحْفَظُونَهُ“ میں ضمیر جمع موجود

ہے، اب مذکورہ تمام جملے اس ضمیر کا مرجع بنیں گے۔

اور اگر متعدد جملوں کے بعد مفرد کی ضمیر آئے تو آخری جملہ اس کا مرجع ہوگا،

مثال..... قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً

أَوْ دَمًا مَّسْفُورًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ (الأنعام: ۱۴۵)

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اُس میں تو

میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو، مگر یہ

کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کیونکہ وہ ناپاک ہے۔

اس آیت میں متعدد جملوں کا ذکر ہے، پھر آگے ”فَإِنَّهُ رِجْسٌ“ میں واحد کی ضمیر لائی

ہے، لہذا قاعدہ مذکورہ کی روشنی میں اس کا مرجع آخری جملہ جو قریب ہے وہی ہوگا، یعنی ”لَحْمَ

خِنزِيرٍ“ کہ سور کا گوشت ناپاک ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۰)

إِذَا جَاءَتْ ”مِنْ“ قَبْلَ الْمُبْتَدَأِ أَوْ الْفَاعِلِ أَوْ الْمَفْعُولِ فَهِيَ لِتَأْكِيدِ

النَّفْيِ وَزِيَادَةِ التَّنْكِيرِ وَالتَّنْصِيصِ فِي الْعُمُومِ - (۱)

(۱) قواعد التفسير: المقصد السادس، الأدوات التي يحتاج إليها المفسر، ج ۱ ص ۳۹۳

## حاصل قاعدہ

جب لفظ ”من“ متبدا یا فاعل یا مفعول پر داخل ہو تو اس سے تاکید فی النفي، زیادۃ فی التکثیر اور صراحت فی العموم کا فائدہ ہوتا ہے۔

## تشریح

جب لفظ ”من“ متبدا یا فاعل یا مفعول پر داخل ہو تو اگر وہ نکرہ ہے تو اس کی نکارت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اگر وہ کلام منفی ہے تو لفظ ”من“ کے دخول سے اس نفي میں مزید تاکید ہو جاتی ہے، اگر کلام میں پہلے عموم تھا تو لفظ ”من“ سے مزید اس کلام میں عموم پیدا ہوتا ہے۔

۱..... مبتدا کی مثال: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (ہود: ۶)

ترجمہ: زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمے نہ لے رکھا ہو۔

اس آیت میں لفظ ”دَابَّةٍ“ نکرہ تحت النفي واقع ہوا ہے اس کی وجہ سے اس میں عموم پیدا ہو گیا، اب معنی ہوگا: وما من دابة ای من ای نوع من انواع الدواب فی الأرض۔ زمین پر چلنے والے جانداروں کی اقسام میں سے ہر ایک نوع کے رزق کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمے لی ہوئی ہے۔

۲..... فاعل کی مثال: أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ۔ (المائدة: ۱۹)

ترجمہ: تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوش خبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے) ڈرانے والا۔

اس آیت میں لفظ ”بَشِيرٍ“ جو ترکیبی حیثیت سے محلاً فاعل واقع ہے، اور نکرہ تحت النفي کی وجہ سے اس میں پہلے سے عموم تھا، لیکن لفظ ”من“ کے دخول سے اس کے عموم میں مزید اضافہ ہو گیا۔

۳..... مفعول کی مثال: هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ۔ (مریم: ۹۸)

ترجمہ: کیا تمہیں ٹٹولنے سے بھی ان میں سے کسی کا پتہ ملتا ہے۔



اس آیت میں لفظ ”احد“ ترکیبی حیثیت سے محلاً مفعول واقع ہے، اس میں نکارت کی وجہ سے پہلے سے عموم تھا، لیکن لفظ ”من“ کے اضافہ سے اس کی نکارت اور عموم میں مزید اضافہ ہو گیا۔

### قاعدہ نمبر (۱۱)

إِذَا جَاءَ ذِكْرُ الطَّيِّبَاتِ فِي مَعْرِضِ الْإِنْعَامِ فَالْمُرَادُ الْمُسْتَلَذَاتُ وَإِذَا جَاءَ فِي مَعْرِضِ التَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيمِ فَالْمُرَادُ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ (۱)

#### حاصل قاعدہ

لفظ ”طیبات“ مقامِ امتنان میں وارد ہو تو ”لذیذ“ کے معنی میں ہوگا، اور اگر مقامِ تحلیل و تحریم میں مستعمل ہو تو حلال یا حرام کے معنی میں ہوگا۔

#### تشریح

اگر اللہ تبارک و تعالیٰ بندے پر اپنے انعامات اور احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے لفظ ”طیبات“ کا ذکر فرمائیں تو اس سے مراد عمدہ اور بہترین قسم کے انعامات ہوں گے، اور اگر اشیاء کی حلت و حرمت کا تذکرہ کرتے ہوئے لفظ ”طیبات“ کا ذکر آئے تو اس سے مراد اس شے کا حلال ہونا ہے، یعنی مقامِ ورودِ تحلیل و تحریم میں لفظ ”طیبات“ حلت کے معنی میں ہوگا۔

#### مقامِ امتنان کی مثال

..... اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ

وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ (المومن: ۶۳)

ترجمہ: اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار کی جگہ بنایا اور آسمان کو

(۱) التسهيل لعلوم التنزيل: سورة المومن، آیت نمبر ۶۳ کے تحت، ج ۲ ص ۲۳۳

چھت بنایا، اور تمہاری صودت گری کی، اور تمہاری صورتوں کو اچھا بنایا، اور پاکیزہ چیزوں میں سے تمہیں رزق عطا کیا۔

۲..... قَالُوا كُمْ وَأَيَّدَا كُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۷﴾ (الأنفال)

ترجمہ: پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا، اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط بنایا، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا تاکہ تم شکر کرو۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں لفظ ”طیبات“ مقام امتنان و انعامات میں وارد ہوا ہے، پس یہ لذیذ و عمدہ اور نفیس شئی کے معنی میں ہوگا

### معرض تحلیل و تحریم کی مثال

۱..... يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ۗ (المائدة: ۴)

ترجمہ: لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کون سے (جانور) حلال کئے

گئے ہیں، پس آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لئے (سب حلال جانور) حلال کئے

گئے ہیں۔

۲..... قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۗ (الأعراف: ۳۲)

ترجمہ: کہو کہ آخر کون ہے جس نے زینت کے اُس سامان کو جو اللہ نے اپنے بندوں

کے لئے پیدا کیا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں لفظ ”طیبات“ حلت و حرمت کی اشیاء بیان کرنے کے

موقع پر استعمال ہوا ہے، لہذا یہاں حلال کے معنی میں ہوگا۔

### تعارض آیات کی حقیقت اور اس کا حل

یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں باہم کوئی تعارض اور اختلاف نہیں

ہے، کیوں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو علیم وخبیر ہے، اس کا علم ہر شئی کو اور ہر شئی کے گوشہ کو

محیط ہے، کوئی جز، کوئی گوشہ، کوئی شوشہ، کوئی متعلق، کوئی مناسب، کوئی لازم، کوئی ملزوم کسی

بھی نوع کا کسی بھی نوع سے اللہ پر مخفی نہیں ہے، پھر اس کے کلام میں تعارض و تناقض کیوں کر ہو، یہ اختلاف و تناقض تو مخلوق کے کلام کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿۱۱﴾ (النساء)

یعنی یہ قرآن اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نازل کیا ہوا ہوتا، تو بے شک اس

میں بہت سا اختلاف پایا جاتا۔

لیکن کبھی کبھی بادی النظر میں کسی مبتدی شخص کے خیال میں آیات قرآنیہ میں تعارض ہونے کا خیال اور وہم ہوتا ہے، اور یہ محض وہم ہی ہوتا ہے، حقیقت میں اختلاف نہیں ہوتا، اسی قسم کے وہمی تعارضات کو جاننے اور حل کرنے کا نام ”معرفة موهم الاختلاف والتعارض“ ہے۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر کہنے لگا، میں نے قرآن میں کچھ آیتیں ایسی دیکھیں جو باہم متعارض ہیں، مثلاً:

فَلَا أُنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۳﴾ (المؤمنون)

اور

وَ أَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۴﴾ (الصفات)

اور اسی طرح کی دو مثالیں اور پیش کیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے بتلایا کہ یہ سب صوری اور ظاہری اختلاف ہے، جس سے تعارض کا وہم ہوتا ہے، حقیقی اختلاف اور تعارض سے اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے، اور ہر آیت کی جدا جدا مراد سمجھائی۔  
حاصل یہ کہ قرآن میں حقیقی اختلاف ثابت نہیں ہے، البتہ بعض ظاہری اختلافات ضرور ہیں، جن کے مفسرین نے کچھ اسباب بتلائے ہیں۔

## اسباب اختلاف

..... اختلاف المدارج: یعنی مجربہ کا مختلف مدارج و مراحل والا ہونا، ایک شیء اپنے

وجود کے اعتبار سے مختلف مراحل سے گزرتی ہے، تو اس شے پر احکام کبھی کسی مرحلے کے اعتبار سے لگایا جاتا ہے، کبھی کسی مرحلے کے اعتبار سے، مثلاً تخلیق آدم کے متعلق کہیں فرمایا: ”مِنْ تَرَابٍ“ (آل عمران: ۵۹) تو کسی جگہ ”مِنْ طِينٍ“ (ص: ۷۱) اور کبھی ”مِنْ حَمِيمٍ مَسْنُونٍ“ (الحجر) اور کسی مقام پر ”مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ“ (الرحمن) یہ اختلاف تخلیق کے مختلف مراحل کے اعتبار سے ہے۔

۲..... اختلاف الموضوع: مثلاً: ”لَا يَكْفِيهِمْ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (البقرة: ۱۷۴) میں کلام کی نفی ہے، اور ”فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلِفْنَهُمْ أَجْبَعِينَ“ (۱۳) ”عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ“ (الحجر) میں سوال (جو کلام کی ایک نوع ہے) کا اثبات ہے، یہ اختلاف موضوع کلام کے اختلاف پر مبنی ہے، پہلی آیت میں کلام لطف و اکرام کی نفی ہے، اور دوسری آیت میں کلام توح و اہانت کا اثبات ہے۔

۳..... اختلاف المواقف: مثلاً: ”فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ“ (الأعراف) اور ”فِيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ“ (الرحمن) ان دونوں آیتوں میں سوال کی نفی و اثبات کا تعارض اختلاف مواقف کی بنا پر ہے کہ محشر میں متعدد مواقف ہوں گے، کسی جگہ سوال ہوگا اور کسی جگہ سوال نہیں ہوگا۔

۴..... اختلاف جہت فعل: کسی فعل کا مختلف حیثیتوں والا ہونا، مثلاً ”وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى“ (الأنفال: ۱۷) اس میں اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمی کی نفی وارد ہے، پھر اس کا ثبوت، نفی تاثیر کے اعتبار سے ہے، اور ثبوت عمل کے اعتبار سے، یعنی آپ نے رمی کا عمل تو کیا، لیکن آپ نے اس میں تاثیر نہیں پیدا کی، تاثیر تو اللہ نے پیدا کی۔

۵..... اختلاف الحقیقۃ والمجاز..... مثلاً: ”وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَاهُمْ بِسُكَرَىٰ“ (الحج: ۲) نشے کا ثبوت قیامت کی ہولناکیوں کے اعتبار سے ہے جو مجاز ہے، اور نفی حقیقت کے اعتبار سے ہے، کیوں کہ یہ نشہ شراب کا نشہ نہ ہوگا۔

۶..... اختلاف الجہات والاعتبارات: مثلاً: ”الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ“ (الرعد: ۲۸) اور ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ“ (الأنفال: ۲)

پہلی آیت میں اطمینانِ قلب کا ذکر ہے، اور دوسری آیت میں بے اطمینانی کا، یہ اختلاف دو جدا جدا اعتبار سے ہے، اطمینان تو ایمان پر شرح صدر کا باعث ہے اور بے اطمینانی لغزش و ضلالت کے لاحق ہو جانے کے اندیشہ کے سبب ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۲)

إِذَا اِخْتَلَفَتِ الْأَلْفَاظُ وَكَانَ مَرَجِعُهَا إِلَى أَمْرٍ وَاحِدٍ لَمْ يُوجِبْ ذَلِكَ  
اِخْتِلَافًا<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

اگر الفاظ میں اختلاف ہو اور مفہوم ایک ہی ہو تو اس کو اختلاف نہیں کہا جائے گا۔

### تشریح

قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایک ہی معنی اور مضمون کو مختلف الفاظ و تعبیرات میں بیان کیا جاتا ہے، کیوں کہ عربی زبان اپنے الفاظ و کلمات اور اسلوب بیان کے اعتبار سے بے پناہ وسعت کی حامل ہے، اس لئے اگر ایک ہی مضمون مختلف اسلوب اور الگ الگ الفاظ کے ساتھ ذکر کئے جائیں تو اس کو ”اختلاف“ نہیں کہا جائے گا۔

مثال نمبر ۱..... لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد)

ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔

اور اسی مضمون پر مشتمل سورہ تین کی آیت ہے:

وَ هَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ (التین)

ترجمہ: اور اس امن و امان والے شہر کی۔

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع الخامس والثلاثون، ج ۲ ص ۳۶ / کتاب الروح: المسألة الثامنة

عشرة، فصل، ص ۱۷۰

مگر اسلوب تعبیر دونوں کا بالکل جداگانہ ہے، پہلی آیت کا ظاہر نفی ہے، اور دوسری آیت کا ظاہر اثبات ہے جس سے بظاہر کسی کو دونوں آیتوں کے درمیان تعارض کا وہم ہو سکتا ہے، کہ ایک طرف بلدِ امین کی قسم کی نفی کی گئی تو دوسری طرف اثبات ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں آیتوں کا معنی و مفہوم ایک ہے، صرف طریقہ تعبیر الگ الگ ہے، اس لئے کہ اہل عرب ”لَا أُقْسِمُ“ بول کر قسم کی نفی نہیں کرتے بلکہ یہ ”لَا“ تاکیدی قسم کے لئے بولتے ہیں، اس لئے دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف اور تناقض نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے ”لَا أُقْسِمُ“ میں جواب یہ دیا ہے کہ یہ ”لَا“ منکرینِ بعث پر رد کرنے کے لئے ہے، اور ”أُقْسِمُ“ کے ذریعہ قسم مقصود ہے، اس صورت میں جملہ مثبت ہو جائے گا اور اب لفظ و معنی دونوں میں کسی طرح کا اختلاف باقی نہ رہے گا۔

مثال نمبر ۲..... اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کا ذکر کرتے ہوئے مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں، کہیں فرمایا: خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ۔ (آل عمران: ۵۹) کہیں فرمایا: مِنْ حَبَا مَسْتُونٍ ⑧ (الحجر) کہیں مطلق انسانیت کی خلقت کا تذکرہ کرتے ہوئے جن میں حضرت آدم علیہ السلام بھی شامل ہیں یہ الفاظ استعمال کئے: مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑨۔ (الرحمن) اور کہیں انسانیت کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کئے: مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ ⑩ (الصافات) ان تمام الفاظ میں لفظاً اختلاف ہے اور معنی بھی ہر ایک کا الگ الگ ہے لیکن ان سب کا مفہوم اور اصل ایک ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی، اور یہ مختلف نام احوال کے بدلنے سے ہوئے، لیکن مفہوم اور مقصد سب کا ایک ہے لہذا اس کو تناقض اور اختلاف نہیں کہا جائے گا۔ كَذَا فِي الرُّوحِ لَابِنِ الْقَيْمِ

### قاعدہ نمبر (۱۳)

إِذَا دَخَلَ حَرْفُ الْإِسْتِفْهَامِ عَلَى فِعْلِ التَّرَجُّحِ أَفَادَ تَقْرِيرَ مَا هُوَ

مُتَوَقَّعٌ وَأَشْعَرَ بِأَنَّهُ كَائِنٌ۔<sup>(۱)</sup>

(۱) فتح القدیر للشوکانی: سورة البقرة، آیت نمبر ۲۳۶ کے تحت، ج ۱ ص ۳۰۳

## حاصل قاعدہ

ترجی اور امید پر دلالت کرنے والے افعال پر اگر حرف استفہام داخل ہو تو ترجی کا معنی مرتفع ہو کر ”قطعیت“ اور ”یقین“ کے معنی میں بدل جاتا ہے۔

## تشریح

یعنی ترجی اور امید پر دلالت کرنے والے افعال پر اگر حرف استفہام داخل ہو تو ترجی اور امید کا معنی ختم ہو کر یقین اور قطعیت کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، ترجی اور امید کا اصل معنی ختم ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر ۱..... قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَا تُقَاتِلُوْا (البقرة: ۲۴۶)

ترجمہ: نبی نے کہا: یقینی بات ہے کہ اگر تم پر جنگ فرض کر دی جائے تو تم نہ

لڑو۔

مثال نمبر ۲..... فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا

اَرْضَاكُمْ ① (محمد)

ترجمہ: پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو یقینی بات ہے کہ تم زمین میں فساد

مچاؤ گے، اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو گے۔

ان دونوں آیات میں فعل ”ترجی“ ”عسی“ پر حرف استفہام ”هل“ داخل ہوا ہے، تو

پہلی آیت کا مطلب ہوگا کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو یقینی بات ہے کہ تم نہیں لڑو گے،

اور دوسری آیت کا مطلب ہوگا کہ اگر تم جہاد سے منہ موڑو اور تمہیں حکومت مل جائے تو یقینی

بات ہے کہ تم زمین میں فساد مچاؤ گے، اور خونی رشتے کاٹ ڈالو گے۔

## قاعدہ نمبر (۱۴)

اِذَا دَخَلَتِ الْاَلِفُ وَاللَّامُ عَلٰی اِسْمٍ مَّوْصُوْفٍ اِقْتَضَتْ اَنَّهُ اَحَقُّ بِتِلْكَ

(۱) الصِّفَةُ مِنْ غَيْرِهَا۔

### حاصل قاعدہ

جس اسم موصوف پر الف لام داخل ہو وہاں اشارہ ہوتا ہے کہ اس موصوف کا دوسروں کے مقابلہ میں اس صفت سے خاص تعلق ہے۔ یعنی الف لام کی وجہ سے خصوصیت زائدہ وہاں پیدا ہو جاتی ہے۔

### تشریح

جب الف لام کسی اسم موصوف پر داخل ہو جائیں تو اس اسم موصوف کا دوسروں کے مقابلے میں اس صفت کے ساتھ خاص تعلق ہوگا۔ اور دخول الف لام کی وجہ سے اس کے مفہوم اور معانی میں بہ نسبت اُس کے جو نکرہ ہو نمایاں فرق ہوگا، جیسے مثال سے واضح ہو جائے گا ان شاء اللہ۔

مثال..... اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۞ (الفاتحة)

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔

اگر اس آیت میں ”اِهْدِنَا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا“ ہوتا تو مطلب ہوتا ہے کہ اے اللہ! علی الاطلاق کسی بھی سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرما، مگر الف لام کے داخل ہونے کے بعد اب مراد یہ ہے کہ صراطِ کامل کی طرف رہنمائی فرما۔ یعنی وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا تک پہنچنے کے لئے منتخب فرمایا ہے، اور جس راستے پر چلنے سے رضائے باری تعالیٰ اور جنت کا حصول ہوگا، وہ ایک متعین راستہ ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے حاصل ہوگا، تو خلاصہ یہ ہے کہ نکرہ کی صورت میں علی الاطلاق سیدھا راستہ، اور معرفہ کی صورت میں وہ متعین راستہ جس سے رضائے باری تعالیٰ حاصل ہو، اور وہ سیدھا راستہ جو گمراہی کے تمام راستوں سے انسان کو الگ کر دے۔ اور چونکہ یہ مقامِ دُعا ہے اس لئے اس میں ایسے کامل اور متعین راہ کی دعا کرنا ہی اولیٰ اور مناسب ہے۔

(۱) بدائع الفوائد: اما المسألة الثانية، ج ۲ ص ۱۲



## قاعدہ نمبر (۱۵)

إِذَا دَخَلَتْ قَدْ عَلَى الْمُضَارِعِ الْمُسْنَدِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَهِيَ لِلتَّحْقِيقِ  
دَائِمًا. (۱)

## حاصل قاعدہ

لفظ ”قد“ جب ایسے فعل مضارع پر داخل ہو جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس صورت میں ”قد“ ہمیشہ تحقیق کے لئے ہوگا۔

## تشریح

لغت عرب میں لفظ ”قد“ متعدد معانی کے لئے آتا ہے، اس کے مدخول کے اعتبار سے اس کا معنی مختلف ہوتا رہتا ہے، چنانچہ جب یہ فعل ماضی پر آتا ہے تو تحقیق کے لئے ہوتا ہے، اور جب فعل مضارع پر آتا ہے تو عموماً تقلیل اور تشکیک کے لئے ہوتا ہے لیکن جب قرآن کریم میں فعل مضارع پر آتا ہے اور اس فعل مضارع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو ہمیشہ تحقیق کے لئے ہی ہوتا ہے۔

مثال نمبر ۱..... قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (البقرة: ۱۳۳)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

مثال نمبر ۲..... قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ (النور: ۶۳)

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جس پر تم ہو۔

مثال نمبر ۳..... قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ (الأحزاب: ۱۸)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رُکاوٹ ڈالتے ہیں۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد السادس: الأدوات التي يحتاج إليها المفسر، ج ۱ ص ۳۹۵

مذکورہ بالا تینوں آیات میں لفظ ”قد“ اس فعل مضارع پر داخل ہے جس کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے، لہذا اس صورت میں یہ تحقیق اور یقین کے معنی میں ہوگا، ورنہ اگر ”قد“ کسی فعل مضارع پر داخل ہو اور اس کی نسبت اللہ کے علاوہ کسی کی طرف ہو تو عموماً تقلیل اور تشکیک کے معنی میں ہوتا ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۶)

إِذَا دَخَلَتْ هَمْزَةُ الْإِسْتِفْهَامِ عَلَى رَأَيْتَ اِمْتَنَعَ أَنْ تَكُونَ مِنْ رُؤْيَةِ  
الْبَصْرِ أَوْ رُؤْيَةِ الْقَلْبِ وَصَارَ بِمَعْنَى أَخْبَرَنِي<sup>(۱)</sup>۔

#### حاصل قاعدہ

ہمزہ استفہام اگر کلمہ ”رأيت“ پر داخل ہو تو وہاں رویت بصری و قلبی کا معنی درست نہیں ہوتا بلکہ ”أخبرني“ کے معنی میں کر دیتا ہے۔

#### تشریح

اگر ہمزہ استفہام کلمہ ”رأيت“ پر داخل ہو تو وہاں رویت بصری اور قلبی کا معنی درست نہیں ہے، بلکہ ہمزہ استفہام کے دخول کے بعد یہ کلمہ ”أخبرني“ کے معنی میں ہوگا، تو معنی ہوگا آپ مجھے اس شخص کے بارے میں بتلائیں اور خبر دیں۔ شیء کا ادراک کرنا یہ درست نہیں ہوگا بلکہ مراد بتلانا اور خبر دینا ہوگا۔

مثال نمبر ۱..... قُلْ أَسَأَلُكُمْ إِنِ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ مَنَ إِلَهُ

غَيْرُ اللَّهِ يَا تَيْبُكُمْ بِهِ<sup>ط</sup> (الأنعام: ۴۶)

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے) کہو: ذرا مجھے بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سننے کی

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع السابع والأربعون، ج ۲ ص ۱۷۹ / الإلتقان فی علوم القرآن:

النوع الأربعون، ج ۲ ص ۱۶۶

طاقت اور تمہاری آنکھیں تم سے چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے، تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر دے دے؟

مثال نمبر ۲..... أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا (مریم: ۷۷)

ترجمہ: بھلا آپ مجھے اس شخص کے بارے میں بتلائیں جس نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کیا۔

مثال نمبر ۳..... أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (الفرقان: ۳۳)

ترجمہ: بھلا آپ بتلاؤ جس شخص نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہو۔ مذکورہ بالا تمام آیات میں کلمہ ”رایت“ پر ہمزہ استفہام داخل ہے، لہذا یہ خبر دینے اور بتلانے کے معنی میں ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۱۷)

إِذَا رَتَّبَ الشَّارِعُ الْحُكْمَ عَلَى وَصْفٍ مُنَاسِبٍ فَإِنَّ ذَلِكَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ ثُبُوتَهُ لِأَجْلِهِ<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

جو حکم کسی وصف مناسب کے ساتھ مربوط ہو تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے۔

### تشریح

جو حکم کسی وصف مناسب پر مرتب ہو تو یہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے، جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوموا إلی سیدکم۔ تم اپنے سردار سعد بن معاذ کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ، یہاں ”قوموا“ حکم ہے، اور

(۱) أنوار البروق فی أنواع الفروق: الفرق بین قاعدة ما یوجب الکفارة بالحلف من صفات اللہ تعالیٰ، ج ۲ ص ۷۲ / فتح الباری: کتاب الاستئذان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قوموا إلی سیدکم، ج ۱ ص ۵۲

یہاں ”سید کم“ وصف اس حکم کے لئے علت ہے کہ سردار ہونے کی وجہ سے تم ان کے احترام میں کھڑے ہو جاؤ۔ مزید وضاحت امثلہ میں دیکھیں۔

مثال نمبر ۱..... وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا۔ (المائدة: ۳۸)

ترجمہ: جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

مثال نمبر ۲..... الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

پہلی مثال میں لفظ ”فَاقْطَعُوا“ حکم ہے، ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ“ صیغہ صفت ہے اور

مشتق ہے، اس کے لئے ماخذ اشتقاق ”سرق“ ہے، تو قطع یہ جو حکم ہے اس کے لئے علت

چوری کرنا، جب بھی یہ علت پائی جائے گی تو حکم پایا جائے گا، تو یہاں صیغہ امر میں تکرار نہیں

ہے بلکہ جب بھی علت پائی جائے گی حکم پایا جائے گا، اس طرح دوسری مثال میں

”فَاجْلِدُوا“ حکم ہے، ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي“ صیغہ صفت ہے، اس مشتق کے لئے ماخذ اشتقاق

”زنی“ ہے، تو کوڑے مارنے کا جو حکم ہے اس کے لئے علت زنا کرنا، جب بھی علت پائی

جائے گی تو حکم بھی پایا جائے گا۔

## قاعدہ نمبر (۱۸)

إِذَا عَلِقَ الْأَمْرُ عَلَى شَرْطٍ أَوْ صِفَةٍ فَإِنَّهُ يَقْتَضِي التَّكْرَارَ۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

امر جب کسی شرط یا صفت پر معلق ہو تو تکرار کا متقاضی ہوگا۔

تشریح

امراپنی ذات کے اعتبار سے تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، مثلاً:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ (البقرة: ۲۸۲)

(۱) روضة الناظر: فصل: الأمر المطلق هل يقتضي التكرار، ج ۱ ص ۵۶۵

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لئے اُدھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

یہاں دین کو لکھنے کا حکم ہے اس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ایک ہی معاملہ کو بار بار لکھا جائے۔ البتہ کسی حکم میں تکرار دوسرے دلائل یا قرائن و اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً: نماز کا ہر دن پانچ مرتبہ پڑھنا اس کے سبب (یعنی وقت) کی وجہ سے ہے، اسی طرح اگر کوئی حکم معلق بالشرط یا معلق بالصفة ہو تو جب وہ شرط یا صفت پائی جائے گی، وہ حکم بھی وہاں پایا جائے گا لیکن یہ تکرار نفس امر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس شرط یا صفت کے قرینہ کی وجہ سے ہوگا۔ مذکورہ بالا بنیاد پر امر کی تین قسمیں ہیں:

اول: امر مربوط بقرینة التکرار (وہ امر جس میں تکرار کا قرینہ موجود ہو) مثلاً امر کا کسی شرط و صفت پر معلق ہونا تکرار کا قرینہ ہے۔

دوم: امر مربوط بقرینة عدم التکرار (وہ امر جس میں تکرار کا قرینہ موجود نہ ہو)۔

سوم: امر مجرد عن القرینة (وہ امر جس میں تکرار و عدم تکرار کا کوئی قرینہ نہ ہو)۔

ان تینوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ قرینہ کی صورت میں قرینہ کے مطابق تکرار یا عدم

تکرار کا اعتبار ہوگا، اور قرینہ نہ ہونے کی صورت میں امر کو عدم تکرار پر محمول کیا جائے گا۔

مثال: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۗ - (المائدة: ۶)

ترجمہ: اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارے جسم کو (غسل کے ذریعے)

خوب اچھی طرح پاک کرو۔

اس آیت میں شرط (جنابت) قرینہ تکرار ہے۔

مثال: ..... الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۗ (النور: ۲)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے

لگاؤ۔

اس آیت میں صفت (زنا) قرینہ تکرار ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۹)

إِذَا كَانَ ثُبُوتُ شَيْءٍ أَوْ نَفْيُهُ يَدُلُّ عَلَى ثُبُوتِ آخَرَ أَوْ نَفْيِهِ فَالْأَوْلَى  
الْإِقْتِصَارُ عَلَى الدَّالِ مِنْهَا فَإِنْ ذُكِرَ فَالْأَوْلَى تَأْخِيرُ الدَّالِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

جب ایک شئی دوسری شئی پر ثبوتاً یا نفیاً دلالت کر رہی ہو تو بہتر ہے کہ صرف دال پر اکتفاء کیا جائے، اور اگر دال و مدلول دونوں کو ذکر کیا جائے تو دال کو مؤخر کرنا اولیٰ ہے۔

## توضیح

جب کسی چیز کے دو وصف ہوں اور ان میں کوئی وصف ایسا ہو جو دوسرے پر دال ہو تو اس دال پر اکتفاء کرنا اولیٰ ہے، اور اگر دونوں وصف ذکر کر دیئے جائیں تو وصف دال کو مؤخر کرنا بہتر ہے۔

مثال..... وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۗ

(آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: اور اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں۔

جنت کے دو وصف ہیں طول و عرض اور عرض طول پر دال ہے، لہذا دال کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

## قاعدہ نمبر (۲۰)

إِذَا كَانَ فِي الْآيَةِ ضَمِيرٌ يُحْتَمَلُ عَوْدُهُ إِلَىٰ أَكْثَرِ مِمَّنْ مَذْكُورٍ وَأَمْكَنَ

(۱) البرهان فی علوم القرآن: تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۲۰۲

الْحَمْدُ عَلَى الْجَمِيعِ حُمِدَ عَلَيْهِ- (۱)

### حاصل قاعدہ

اگر ضمیر کے اندر ایک سے زائد ممکن مراجع کا احتمال ہو تو ہر ایک کو مرجع بنا نا درست ہے۔

### تشریح

قرآن کریم ایک کتاب معجز ہے جو بسا اوقات قلیل الفاظ کے ذریعہ کثیر معنی کو ادا کر دیتا ہے، اگر کسی آیت میں کوئی ایسی ضمیر آ جائے جس کا مرجع ایک سے زائد ہو اور ضمیر ہر ایک کی جانب لوٹنے کا احتمال رکھتی ہو اور کوئی مانع بھی موجود نہ ہو تو ضمیر کو ہر مرجع کی جانب لوٹایا جاسکتا ہے، ہاں! اگر کوئی مانع موجود ہو تو پھر یہ حکم نہ ہوگا بلکہ مانع سے بچتے ہوئے جس کا مرجع بنا نا ممکن ہوگا وہی مرجع متعین ہوگا۔

### تطبیق مثال

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۗ (الانشقاق)

ترجمہ: اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک (یعنی مرنے کے وقت تک)

کام میں کوشش کر رہا ہے پھر (قیامت میں) اس (کام کی جزا) سے جا ملے گا۔

”فَمُلَاقِيهِ“ میں ”ہ“ ضمیر دو چیزوں کی جانب لوٹ سکتی ہے۔ ۱..... رَبِّكَ

۲..... كَدْحًا (جس کا مفہوم عمل ہے) اور دونوں معنوں کی جانب ضمیر کے لوٹنے میں کوئی

مانع بھی موجود نہیں ہے، اس لئے کہ انسان جس طرح اپنے رب سے ملاقات کرے گا اسی

طرح اپنے اعمال کا بھی سامنا کرنے والا ہے۔

### قاعدہ نمبر (۲۱)

إِذَا كَانَ لِلِاسْمِ الْوَاحِدِ عِدَّةٌ مَعَانَ حُمِدَ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ مَا يَقْتَضِيهِ

ذَلِكَ السِّيَاقُ- (۲)

(۱) قواعد التفسیر: المقصد السابع، الضمائر، ج ۱ ص ۳۰۰

(۲) قواعد التفسیر: المقصد الثامن، الأسماء في القرآن، ج ۱ ص ۳۲۲

## حاصل قاعدہ

اگر کسی لفظ کے متعدد معانی ہوں تو ہر مقام پر مقتضائے سیاق کے مطابق معنی متعین کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۱..... فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بِأُسْنًا - (الأعراف: ۵)

ترجمہ: پھر جب ان پر ہمارا عذاب آپہنچا تو ان کے پاس کہنے کو اور کچھ نہیں تھا۔

۲..... وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝ - (الجن)

ترجمہ: تمام مسجدیں اللہ ہی کی ہیں، اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو۔

۳..... وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ۝ (الأنبياء)

ترجمہ: لیکن بہرے لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں ڈرایا جاتا ہے تو وہ کوئی پکار نہیں سنتے۔

۴..... وَإِذْ دُعُوا مِنِ اسْتَطَعْتُمْ (يونس: ۳۸)

ترجمہ: اور (اس کام میں مدد لینے کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو بلا سکو بلا لو۔

۵..... قَالُوا يَا مُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عٰهَدْتَ عِنْدَكَ ۚ (الأعراف: ۱۳۴)

ترجمہ: اے موسیٰ! تمہارے پاس اللہ کا جو عہد ہے اس کا واسطہ دے کر ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو۔

لفظ ”دعا“ مختلف معانی میں مستعمل ہے، عبادت، نداء، سوال، قول اور استعانت۔ مذکورہ آیت میں سیاق کی رو سے ہر جگہ ایک معنی متعین ہے۔ پہلی آیت میں قول کے معنی میں دوسری آیت میں دعا بمعنی ”عبادت“ تیسری آیت میں ”نداء“ اور پکار کے معنی میں ہے۔ چوتھی آیت میں استعانت کا معنی مراد ہے اور پانچویں آیت میں ”سوال“ کا معنی متعین ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ (البينة: ۵)

ترجمہ: اور انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت اس



طرح کریں کہ بندگی کو بالکل یکسو ہو کر صرف اسی کے لئے خالص رکھیں۔

۲..... یَوْمَ مَنذُورٍ فِیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنُهُمُ الْحَقُّ - (النور: ۲۵)

ترجمہ: اس دن اللہ ان کو وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

۳..... مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ - (الفاتحة)

ترجمہ: جو روزِ جزاء کا مالک ہے۔

”دین“ متعدد معانی میں مشترک ہے، چنانچہ پہلی آیت میں دین سے مراد عقیدہ اور

مذہب ہے، اور آخری دو آیتوں میں دین جزا و حساب کے معنی میں ہے۔

مثال نمبر ۳..... الَّذِیْنَ یُقِیْمُونَ الصَّلٰوةَ - (المائدة: ۵۵)

ترجمہ: اور وہ جو نماز قائم کرتے ہیں۔

۲..... اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۗ - (الأحزاب: ۵۶)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔

۳..... وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ۗ - (التوبة: ۱۰۳)

ترجمہ: اور ان کے لئے (دعا و استغفار) کرو۔

پہلی آیت میں لفظِ صلاۃ ”صلاۃ شرعی“ یعنی نماز کے معنی میں ہے، دوسری آیت میں

”ثناء فی الملاء الاعلیٰ“ (فرشتوں کے حضور میں تعریف) اور تیسری آیت میں

”استغفار“ کے معنی میں وارد ہے۔

## قاعدہ نمبر (۲۲)

اِذَا كَانَ مُتَعَلِّقُ الْخِطَابِ مَقْدُورًا حَمِلَ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ غَيْرُ ذَلِكَ

صُرِفَ الْخِطَابُ لِثَمَرَتِهِ اَوْ سَبَبِهِ - (۱)

(۱) انوار البروق فی انواع الفروق: الفرق الثانی والخمسون، ج ۲ ص ۱۹

## حاصل قاعدہ

جو مامور بہ مقدور القدرت ہو اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا، اور جو غیر مقدور القدرت ہو وہاں مامور بہ کا سبب یا نتیجہ مراد ہوگا۔

## تشریح

جن اعمال و افعال کا شریعت میں کرنا یا چھوڑنا مطلوب ہے، وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مقدور القدرت ہوں گے یعنی بعینہ اس مامور بہ (یعنی حکم) کو بجالانا ممکن ہوگا، جیسے صلوٰۃ و زکوٰۃ کا امر یا پھر اس کا بجالانا قدرت بشری سے خارج ہوگا، جیسے جنت کی طرف سعی کرنا، حالت ایمان پر مرنا، تو وہاں خود وہ حکم نہیں بلکہ اس کا سبب یا ثمرہ مراد ہوتا ہے۔

## مطلوب الفعل مقدور القدرت کی مثال

۱..... وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ (البقرة: ۸۳)

ترجمہ: اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔

اس آیت میں قول حسن، اقامتِ صلاۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا امر ہے، جو مکلف کی قدرت کے تحت داخل ہے، اس کی قدرت سے خارج نہیں ہے، تو یہ اعمال شریعت میں مطلوب بھی ہیں اور انسان کی قدرت کے تحت داخل بھی ہیں۔

## مطلوب الترك مقدور القدرت کی مثال

زنا، خمر، فواحش، عقوق والدین، تجسس اور غیبت وغیرہ سے نہی سب اسی قبیل سے ہیں۔ یہ سب وہ افعال ہیں جن کا شریعت میں چھوڑنا مطلوب ہے، اور یہ افعال سب مکلف کی قدرت کے تحت داخل ہیں۔

## غیر مقدور القدرت مطلوب الفعل کی مثال

۱..... وَسَارِعُوْا اِلَى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ (آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: اور اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ۔

آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسارعت کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ مغفرت اور جنت مکلف کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہیں، تو یہاں مراد مامور بہ کا سبب اور ثمرہ ہوں گے، یعنی اسباب مغفرت، ایمان اور عمل صالح کی طرف مسارعت مطلوب ہے، جنت اور مغفرت کے لئے سبب ایمان اور اعمال صالحہ ہیں، اور انہی اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اسی قسم میں وہ مامورات بھی داخل ہیں جن کی ادائیگی بعض اوقات میں متعذر ہو جاتی ہے اور بعض اوقات مقدور ہوتی ہے، مثلاً امرِ قتال کہ اگر قدرتِ قتال مسلمانوں کو میسر نہ ہو تو اس کا سبب اعداء للقتال یعنی جہاد کی تیاری کرنا مطلوب ہوگا۔

غیر مقدور القدرت مطلوب ترک کی مثال

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ (الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو۔

اس آیت میں گمان سے بچنے کا حکم ہے، لیکن یہ ظنون غیر اختیاری ہیں، انسان کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہیں، اس لئے یہ غیر مقدور القدرت ہیں، اور چونکہ ان سے بچنے کا حکم ہے اس لئے یہ مطلوب ترک ہیں، تو یہاں اسباب ظن سے اجتناب مطلوب ہے۔

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (النور: ۲)

ترجمہ: اللہ کے دین کے معاملے میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔

اس آیت میں حدود کے نافذ کرنے میں شفقت اور مروّت کرنے سے روکا گیا ہے، حالانکہ شفقت و مروّت ایک امر غیر اختیاری شئی ہے، اور غیر اختیاری کا جس طرح کرنا محال ہے اس طرح اس کا چھوڑنا بھی انسانی قدرت سے خارج ہے، پھر اس سے روکنے کا کیا

مطلب؟ تو اس کا جواب قاعدہ مذکورہ کی رو سے یہ ہوگا کہ یہاں مروّت و شفقت سے مراد اس کا ثمرہ ہے (یعنی ترکِ انفاذ حد) اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا نہ ہو کہ تم مروّت کی وجہ سے حد کا نفاذ چھوڑ دو۔

## قاعدہ نمبر (۲۳)

إِذَا وَرَدَ مُضَافٌ وَ مُضَافٌ إِلَيْهِ وَ جَاءَ بَعْدَهُمَا ضَمِيرٌ فَلَا صَلُّ عَوْدَهُ  
لِلْمُضَافِ-<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

اگر کوئی ضمیر مضاف اور مضاف الیہ کے بعد واقع ہو تو مضاف کو مرجع بنانا اصل ہے۔

### تشریح

یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب کہ مضاف الیہ کے مرجع ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو، اگر کوئی قرینہ ہو تو مضاف الیہ کو مرجع بنایا جائے گا۔

قرینہ کے مطابق مضاف کی جانب ضمیر لوٹنے کی مثال

وَ إِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا (النحل: ۱۸)

ترجمہ: اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو، تو انہیں شمار نہیں کر سکتے۔

اس آیت میں ”لَا تُحْصَوْهَا“ میں ”هَا“ ضمیر کا مرجع ”نِعْمَةَ اللَّهِ“ میں لفظ ”نِعْمَةَ“

ہے جو مؤنث ہے اور ضمیر مؤنث اس کی طرف لوٹ رہی ہے، تو یہاں قاعدے کے مطابق ضمیر کو مضاف کی طرف لوٹایا ہے۔

قرینے کے مطابق مضاف الیہ کی جانب ضمیر لوٹنے کی مثال

وَ أَشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (النحل)

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع الثانی والأربعون، ج ۲ ص ۲۳۷

اس آیت میں ”إِيَّاهُ“ کی ضمیر مذکر کا مرجع ”نِعْمَتَ اللَّهِ“ میں لفظ ”اللہ“ ہے جو مذکر ہے، تو یہاں ”إِيَّاهُ“ میں ضمیر مذکر کا ہونا قرینہ ہے کہ اس کا مرجع یہاں مضاف الیہ ہے نہ کہ مضاف۔

### قاعدہ نمبر (۲۴)

إِذَا وَقَعَتِ النَّكْرَةُ فِي سِيَاقِ النَّفْيِ أَوْ النَّهْيِ أَوْ الشَّرْطِ أَوْ الْإِسْتِفْهَامِ  
دَلَّتْ عَلَى الْعُمُومِ<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

نکرہ جب نفی، نہی، شرط، یا استفہام کے تحت واقع ہو تو عموم پر دلالت کرتا ہے۔

نکرہ تحت النفی کی مثال

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا (الانفطار: ۱۹)

ترجمہ: یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا۔

اس آیت میں دو مرتبہ لفظ ”نَفْسٌ“ ”آیا، دونوں میں عموم ہے، اسی طرح لفظ ”شَيْئًا“ میں بھی عموم ہے، اور یہ تینوں نکرے نفی کے تحت داخل ہیں اس لئے ان میں عموم ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اس دن کوئی بھی نفس کسی بھی نفس کا کسی قسم کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھے گا۔

نکرہ تحت النہی کی مثال

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (النساء: ۳۶)

ترجمہ: اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو۔

(۱) القواعد الحسان فی تفسیر القرآن: القاعدة الرابعة، ص ۱۶

اس آیت میں ”شَيْئًا“ تحت النبی واقع ہے اور شرک کی تمام صورتوں کو شامل ہے، چاہے شرک اصغر ہو یا اکبر، شرک جلی ہو یا خفی، شرک کی تمام ممکنہ صورتوں سے نہیں ہے۔

### نکرہ تحت الشرط کی مثال

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ (التوبة: ۶)

ترجمہ: اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے آپ سے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیجئے۔

اس آیت میں لفظ ”أَحَدٌ“ نکرہ ہے جو ”إِنْ“ حرف شرط کے تحت داخل ہے اور عموم کا فائدہ دے رہا ہے کہ کوئی بھی مشرک پناہ مانگے تو آپ پناہ دیں۔

### نکرہ تحت الاستفہام کی مثال

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَيِّئًا ۝ (مریم)

ترجمہ: کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اس جیسی صفات رکھتا ہو؟

اس آیت میں لفظ ”سَيِّئًا“ نکرہ ہے جو ”هَلْ“ استفہام کے تحت داخل ہے اور عموم کا فائدہ دے رہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے ہم صفت کی نفی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی صفات میں کوئی بھی کسی بھی وقت اس کے ساتھ شریک نہیں ہے، اگر ہے تو تم اس کا نام بتلاؤ۔

### اشباہ و نظائر

#### نفی سے متعلق

..... وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَصِيرًا فَلَا تُصِرُّ لَهُ إِلَّا هُوَ - (یونس: ۱۰۷)

ترجمہ: اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچادے تو اس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اسے دور کر دے۔

اس آیت میں لفظ ”كَاشَفَ“ نکرہ ہے جو ”لَا“ نفی کے تحت داخل ہے اور عموم کا فائدہ دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کسی انسان کو کسی بھی وقت کوئی بھی تکلیف پہنچائے تو کوئی شخص بھی اس تکلیف کو ذرہ برابر بھی دور نہیں کر سکتا۔

۲..... تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا

(القصص: ۸۳)

ترجمہ: وہ آخرت والا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد۔

اس آیت میں ”عُلُوًّا“ نکرہ ہے جو نفی کے تحت واقع ہوا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ آخرت کا گھر اور جنت کی نعمتیں اس شخص کے لئے ہوں گی جو زمین میں ذرہ برابر بھی نہ بڑائی چاہتا ہو اور نہ فساد۔

۳..... فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً لِّبِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷۰﴾ (السجدة)

ترجمہ: چنانچہ کسی تنفس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان ان کے اعمال کے بدلے اللہ نے ان کے لئے کیا کیا نعمتیں چھپا کر رکھی ہیں۔

نہی سے متعلق

۱..... فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أُنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾ (البقرة)

ترجمہ: لہذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جب کہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو۔

اس آیت میں ”أُنْدَادًا“ نکرہ ہے جو نہی کے تحت داخل ہے اور عموم کا فائدہ دے رہا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی کسی بھی وقت کسی بھی شئی میں شریک مت ٹھہراؤ۔

۲..... وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿۷۲﴾ (الحجر)

ترجمہ: اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور وہیں جانے کے لئے چلتے

رہیں جہاں کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اس آیت میں ”أَحَدٌ“ نکرہ ہے جو نہی کے تحت واقع ہوا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی ایک بھی کسی بھی وقت پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔

۳..... وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِيَّاي فَاعِلٌ ذَلِكْ غَدًا ۖ (الكهف)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) کسی بھی کام کے بارے میں کبھی نہ کہو کہ میں یہ کام

کر لوں گا۔

اس آیت میں ”لِشَايٍ“ نکرہ ہے جو نہی کے تحت واقع ہوا ہے، اور عموم کا فائدہ دے رہا ہے کہ آپ کسی بھی شے کے بارے میں کبھی نہ کہو کہ میں یہ کام کل کرنے والا ہوں بغیر ان شاء اللہ کے۔

شرط سے متعلق

۱..... فَأَمَّا تَرِيئِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا (مریم: ۲۶)

ترجمہ: اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا۔

اس آیت میں لفظ ”أَحَدًا“ نکرہ ہے جو حرف شرط کے تحت واقع ہے، تو مطلب یہ ہے کہ آپ کسی بھی بشر کو آتے دیکھو تو کہہ دو کہ میں نے رحمن کے لئے روزہ رکھا ہے۔

۲..... وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ (النحل: ۵۳)

ترجمہ: اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔

اس آیت میں لفظ ”نِعْمَةٍ“ نکرہ ہے جو ”مَا“ حرف شرط کے تحت واقع ہوا ہے اور عموم کا فائدہ دے رہا ہے کہ انسان کو کوئی بھی نعمت کسی بھی وقت پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

۳..... مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (الحم سجدة: ۳۶)

ترجمہ: جو کوئی نیک عمل کرتا ہے، وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے، اور جو

کوئی بُرائی کرتا ہے وہ اپنے ہی نقصان کے لئے کرتا ہے۔

اس آیت میں ”صَالِحًا“ نکرہ ہے جو ”مَنْ“ حرف شرط کے تحت داخل ہے، تو مطلب



یہ ہے کہ کوئی بھی شخص کوئی بھی نیکی کرے چاہے چھوٹی ہو یا بڑی وہ اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے۔

### استفہام سے متعلق

۱..... هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرِزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ (الفاطر: ۳)

ترجمہ: کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟

اس آیت میں ”خَالِقٍ“ نکرہ ہے جو ”هَلْ“ استفہام کے تحت واقع ہوا ہے، اور عموم کا

فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے۔

۲..... هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكَاظًا ۗ (مریم)

ترجمہ: کیا تمہیں ٹٹولنے سے بھی ان میں سے کسی کا پتہ ملتا ہے، یا ان میں سے

کسی کی آہٹ بھی سنائی دیتی ہے؟

اس آیت میں ”أَحَدٍ“ اور ”رِکَاظًا“ نکرہ ہے ”هَلْ“ استفہام کے تحت واقع ہے اور

یہاں بھی یہ عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔

### فائدہ

جب نکرہ نفی کے تحت واقع ہو اور لائے نفی جنس کے لئے ہو، یا اس اسم نکرہ پر ”مَنْ“

زائدہ داخل ہو تو اس سے عموم میں تاکید آ جاتی ہے اور معنی عموم کا اثبات ہو جاتا ہے۔

نفی کے تحت میں آنے والے اسم نکرہ پر ”مَنْ“ زائدہ کے داخل ہونے کی تین

صورتیں ہیں:

۱..... وہ اسم نکرہ فاعل واقع ہو، جیسے ”مَا آتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ“ میں ”نَّذِيرٍ“ فاعل ہے۔

۲..... وہ اسم نکرہ مفعول واقع ہو، جیسے ”مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ“ میں

”وَلَدٍ“ مفعول ہے، اور جیسے ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ“ میں ”رَّسُولٍ“

مفعول ہے۔

۳..... وہ اسم نکرہ مبتدا واقع ہو، جیسے ”مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرُهُ“ میں ”إِلَهٍ“ مبتدا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۲۵)

اِسْتِفْهَامُ الْاِنْكَارِ يَكُوْنُ مُضَيِّنًا مَعْنَى النَّفْيِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

استفہام انکاری نفی کے معنی کو شامل ہوتا ہے۔

مثال..... وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ (لحم السجدة: ۳۳)

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے۔

یہ استفہام انکاری ہے اس کا مطلب ہے

”لَا أَحَدٌ أَحْسَنَ مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ“

یعنی اس شخص سے بہتر بات کسی کی نہیں ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے۔

## قاعدہ نمبر (۲۶)

إِعَادَةُ الظَّاهِرِ بِمَعْنَاهُ أَحْسَنُ مِنْ إِعَادَتِهِ بِلَفْظِهِ وَإِعَادَتُهُ ظَاهِرًا بَعْدَ الطُّوْلِ أَحْسَنُ مِنَ الْإِضْمَارِ - (۲)

## حاصل قاعدہ

اسم ظاہر کا اعادہ بالمعنی اس کے بلفظہ اعادہ سے بہتر ہے، اور فصل طویل کی صورت میں اعادہ بالضمیر سے بہتر اعادہ باللفظ ہے۔

## تشریح

کسی اسم ظاہر کا اعادہ اس کے کسی ہم معنی لفظ کے ذریعہ کرنا بہتر ہے بمقابلہ اس کے

(۱) البحر المحيط فی التفسیر: سورة الشعراء آیت نمبر ۲۰۳ کے تحت، ج ۸ ص ۱۹۳

(۲) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع السادس والخمسون، ج ۳ ص ۲۴۹

کہ بعینہ وہی لفظ دہرا دیا جائے، اور طویل فاصلہ کے بعد اس ظاہر کا اعادہ کرنا اضمار سے بہتر ہے۔

### مثال جزء اول

وَالَّذِينَ يُسْكُونَ بِالْكِتَابِ وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ ۗ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ

الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۷۰﴾ (الأعراف: ۱۷۰)

ترجمہ: اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں تو ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اس آیت میں کہنا یوں چاہئے تھا ”لَا نُضِيعُ أَجْرَ الَّذِينَ يُمَسْكُونَ بِالْكِتَابِ“ جو کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں ہم ان کا اجر ضائع نہیں کریں گے لیکن آیت میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اس کا ہم معنی جملہ لایا گیا ”لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ“ چونکہ فصلِ طویل نہیں ہے اس لئے ضمیر نہیں لائی۔ اور ہم معنی جملہ اس لئے لایا تاکہ جملے کی سلامت و بلاغت بھی باقی رہے اور جملہ میں ایک تائیس اور جدت پیدا ہو جائے۔

### مثال جزء ثانی

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا ۗ إِنَّ

رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَعَفُوًّا رَحِيمٌ ﴿۱۷۱﴾ (النحل)

ترجمہ: پھر یقین جانو تمہارے پروردگار کا معاملہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنے میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تو ان باتوں کے بعد تمہارا پروردگار یقیناً بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں پہلے فرمایا: ”ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ“ اس کے بعد تین اعمالِ صالحہ یعنی ہجرت، جہاد اور صبر کا تذکرہ کر کے پھر فرمایا: ”إِنَّ رَبَّكَ“ دوبارہ اعادہ باللفظ کیا، چونکہ کچھ فاصلہ آیا تھا اس لئے ضمیر نہیں لائی بلکہ اعادہ باللفظ کیا، اگر ضمیر لائی جاتی تو ذہن مُشَوَّش ہوتا کہ ضمیر

کس کی طرف لوٹ رہی ہے، چونکہ ہر ایک میں ضمیر کا مرجع بننے کی صلاحیت موجود ہے تو مذکورہ قاعدے کی روشنی میں فاصلے کی وجہ سے اعادہ باللفظ کیا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ۗ ثُمَّ

الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ① (الانعام)

ترجمہ: تمام تر تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، اور اندھیریاں اور روشنی بنائی، پھر بھی جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر قرار دے رہے ہیں۔

اس آیت میں پہلے ”خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ“ فرمایا، پھر اسی آیت میں آخر میں ”بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ“ فرمایا، تو یہاں اسم ظاہر کا اعادہ بالمعنی کیا گیا ہے، یعنی بعینہ دوبارہ لفظ ”خَلَقَ“ نہیں لایا بلکہ اس کے ہم معنی لفظ ”رَبَّ“ کے ذریعہ اعادہ کیا گیا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۲۷)

الْإِسْتِفْهَامُ عَقِيبَ ذِكْرِ الْمَعَايِبِ أْبْلَغُ مِنَ الْأَمْرِ بِتَرْكِهَا ①

حاصل قاعدہ

کسی چیز کے قبائح کو ذکر کرنے کے بعد استغفہامی انداز میں نہیں کرنا صریح نہیں سے زیادہ بلیغ ہے۔

مثال: إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيُصَدِّكُمْ عَنْ

ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ② (المائدة)

ترجمہ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آ جاؤ گے؟

(۱) إملاء ما من به الرحمن من وجوه الإعراب والقرائنات: ج ۱ ص ۲۲۵

اس آیت کریمہ میں شراب اور جوئے کی قباحت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ“ یہ استفہامی انداز ”فَانْتَهُوا“ کے صریح انداز سے زیادہ بلیغ ہے۔

## الاستفہام

استفہام کا حقیقی معنی: کسی نامعلوم شئی کا علم طلب کرنا۔

استفہام کا مجازی معنی: استفہام حقیقی معنی کے علاوہ دوسرے معانی میں بھی استعمال کیا

جاتا ہے وہ استفہام کے مجازی معنی کہلاتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ

(متون ۹۱۱ھ) نے ”الإتقان فی علوم القرآن“ میں اس کی بتیس (۳۲) انواع ذکر فرمائی ہیں:

۱.... انکار: فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ (الروم)

۲.... توبیح: أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝ (طہ)

۳.... تقریر: هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ۝ (الشعراء)

۴.... تعجب: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ (البقرة: ۲۸)

۵.... عتاب: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ (الحديد: ۱۶)

۶.... تذکیر: أَلَمْ أَعْبُدْ إِلَيْكُمْ يُبْنِي أَدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ (یس: ۲۰)

۷.... افتخار: أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ (الزخرف: ۵۱)۔

۸.... تفسیم: مَا لِي هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً (الكهف: ۴۹)

۹.... تہویل و تخويف: أَلْحَاقَةُ ۝ مَا الْحَاقَةُ ۝ (الحاقة)

أَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ (القارعة)

۱۰.... تسہیل و تخفیف: وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا (النساء: ۳۹)

۱۱.... تہدید و وعید: أَلَمْ نُهْلِكِ الْآوَالِينَ ۝ (المرسلات)

۱۲.... تکثیر: وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا (الأعراف: ۴)

۱۳.... تسویہ: سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ (البقرة: ۶)

- ١٢..... امر: أَتَصْبِرُونَ أَيِ اصْبِرُوا- (الفرقان: ٢٠)
- ١٥..... تنبيه: أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ (الفرقان: ٣٥)
- ١٦..... ترغيب: مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرة: ٢٣٥)
- ١٧..... نهى: أَنْ تَخْشَوْهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ (التوبة: ١٣)
- ١٨..... دعا: أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا (الأعراف: ١٥٥)
- ١٩..... استرشاد: أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا (البقرة: ٣٠)
- ٢٠..... تمنى: فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ (الأعراف: ٥٣)
- ٢١..... استبطاء: مَتَى نَصْرُ اللَّهِ (البقرة: ٢١٣)
- ٢٢..... عرض: أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور: ٢٢)
- ٢٣..... تخفيض: أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ (التوبة: ١٣)
- ٢٤..... تجاہل: ءَأُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا (ص: ٨)
- ٢٥..... تعظيم: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرة: ٢٥٥)
- ٢٦..... تحقير: أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا (الفرقان)
- ٢٧..... اكتفاء: أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ (العنكبوت)
- ٢٨..... استبعاد: أَلَيْسَ لَهُمُ الذِّكْرُ (الدخان: ١٣)
- ٢٩..... استيناس: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسَىٰ (طه)
- ٣٠..... تهكم واستهزاء: أَصَلَوْتُكَ تَأْمُرُكَ (هود: ٨٤)
- ٣١..... تأكيد: أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ (الزمر: ١٩)
- ٣٢..... اخبار: أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا (النور: ٥٠)

(١) الإلتقان في علوم القرآن: النوع السابع والخمسون، ج ٣ ص ٢٤٢، ٢٤٣

## قاعدہ نمبر (۲۸)

الِاسْمُ الْمَوْصُولُ يُفِيدُ عَلَيْهِ الْحُكْمَ - (۱)

## حاصل قاعدہ

اسم موصول سے مضمون کلام کی علت کا پتہ چلتا ہے۔

۱..... ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۱﴾

(یونس)

ترجمہ: ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، صرف اُس (بدی) کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کماتے رہے ہو۔

۲..... قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْتٌ وَأَسْتَغْلِبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْإِهَادُ ﴿۱۰﴾ (آل عمران)

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہو گے، اور تمہیں جمع کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے۔ پہلی آیت میں علت ظلم ہے، اور دوسری آیت میں علت کفر ہے۔

## مطلق اور مقید

مطلق: وہ ہے جو اپنی حقیقت پر بلا کسی قید کے دلالت کرے، جیسے: ”کتاب، رجل،

مسجد“ وغیرہ۔

مطلق کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اطلاق پر قائم رہتا ہے، یہاں تک کہ کوئی اتنی ہی قوی

دلیل اس میں کسی قید کے ملحوظ ہونے پر قائم ہو جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَعِدَّةٌ مِّنْ

آيَاتٍ مَّا أُخِرَ (البقرة: ۱۸۳)

اس میں ”ایام“ مطلق ہے، لہذا رمضان کے بعد اتنے ہی ایام مسلسل اور غیر مسلسل

دونوں طرح قضا کی جاسکتی ہے، تسلسل ضروری نہیں۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد السادس: الأدوات التي يحتاج إليها المفسر، ج ۱ ص ۳۹۸

مقید: وہ لفظ ہے جس میں صفت، اضافت یا کسی اور طرح کی قید لگادی جائے، جیسے ”رجل مؤمن، ولد فقیر“ وغیرہ۔

مقید کا حکم یہ ہے کہ اس پر مذکورہ قید کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا واجب ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّ آسَاءَ (المجادلة: ۴) اس آیت میں کفارہ ظہار کے روزوں میں ”تتابع“ اور ”جماع سے پہلے“ ہونے کی قید لگادی گئی ہے، اس لئے جماع سے پہلے ان روزوں کو مسلسل رکھنا ضروری ہوگا۔

## کیا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا؟

ایک ہی لفظ ایک نص میں مطلق اور دوسری نص میں قید کے ساتھ ذکر کیا جائے، تو اگر ان نصوص کا تعلق حکم کے سبب سے ہے، تو حنفیہ کے نزدیک ایک کو دوسرے پر محمول نہیں کیا جائے گا، جیسے آپ کا ارشاد ہے: ”الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقْبِهِ“<sup>(۱)</sup> دوسری روایت میں ہے:

”الْجَارُ أَحَقُّ بِشَفْعَةِ جَارِهِ يُنْتَظَرُ بِهَا إِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا  
وَاحِدًا“<sup>(۲)</sup>

یعنی ”جوار“ سبب شفعہ ہے، بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔ پس ان دونوں نصوص کا تعلق سبب حکم سے ہے، پہلی دلیل میں ”جوار“ مطلق ہے اور دوسری حدیث میں ”وحدت طریق“ کی قید بھی ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، بلکہ ”جوار“ بجائے خود شفعہ کا سبب ہے اور ”شُرکت فی الطريق“ ایک دوسرا سبب شفعہ ہوگا۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب الشفعة، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع، ج ۳ ص ۸۷، رقم

الحدیث: ۲۲۵۸

(۲) سنن أبی داود: کتاب البیوع، باب فی الشفعة، ج ۳ ص ۲۸۶، رقم الحدیث: ۳۵۱۸



اور اگر مطلق و مقید دونوں نصوص کا تعلق ”حکم“ سے ہو تو چار حالتیں ہوں گی۔  
۱..... حکم اور سبب دونوں ایک ہوں تو بالاتفاق مقید پر محمول ہوگا، جیسے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ (المائدة: ۳)

اور

لَا آجِدُ فِي مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً

أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ (الأنعام: ۱۳۵)

یہاں خون ہونا سبب ہے اور حرام ہونا حکم ہے، لیکن ایک آیت میں مطلق ”دم“ اور دوسری آیت میں ”دم مسفوح“ کا ذکر ہے، لہذا پہلی آیت میں بھی دم سے ”دم مسفوح“ ہی مراد ہوگا۔

۲..... حکم اور سبب دونوں مختلف ہوں تو بالاتفاق ایک دوسرے پر محمول نہ ہوگا، جیسے

ارشاد ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدة: ۳۸)

دوسری جگہ فرمایا:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ (المائدة: ۶)

پہلی آیت میں سبب سرقہ ہے اور دوسری آیت میں وضو، پہلی آیت میں حکم ”قطع ید“ مطلق ہے اور دوسری آیت میں ”غسل ید“ کے ساتھ ”إِلَى الْمَرَافِقِ“ کی قید بھی ہے، لہذا پہلی آیت میں مذکور مطلق ”ید“ کو اس قید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

۳..... حکم مختلف ہو اور سبب ایک ہو، تب بھی ایک کو دوسرے پر بالاتفاق محمول نہ کیا

جائے گا، جیسے ارشاد ہے:

فَتَيَسَّرُ لَكُمْ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ مِنْهُ (المائدة: ۶)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ (المائدة: ۶)

یہاں سبب دونوں جگہ ”حصولِ طہارت“ ہے حکم مختلف ہے، پہلی جگہ آیت میں ”مسحِ ید“ ہے اور دوسری آیت میں ”غسلِ ید“ پہلی آیت مطلق ہے اور دوسری آیت مقید، لہذا پہلی آیت میں مذکورہ ”مطلق ید“ کو دوسری آیت میں مقید ”إِلَى الْمَرَافِقِ“ پر محمول نہیں کیا جائے گا، یہ اور بات ہے کہ حدیث میں تیمم کی بابت ”إِلَى الْمَرَافِقِ“ کی قید ہے، اس لئے حنفیہ تیمم میں بھی اتنی ہی مقدار ہاتھوں کے مسح کے قائل ہیں۔

۴..... حکم اور سبب الگ الگ ہوں، جیسے:

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لَهَا قَالَوا فتنحير راقبة (المجادلة: ۳)  
یہ آیت کفارہ ظہار سے متعلق ہے، کفارہ قتل سے متعلق ارشاد ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ (النساء: ۹۲)

پس حکم دونوں جگہ غلام آزاد کرنے کا ہے، سبب پہلی آیت میں کفارہ ظہار، اور دوسری آیت میں کفارہ قتل ہے، پہلی آیت میں مطلق غلام کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں مؤمن غلام کا ذکر ہے۔

اس صورت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے گا، لہذا کفارہ ظہار میں کافر غلام کو آزاد کرنا بھی کافی ہو جائے گا، دوسرے فقہاء کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، اور کفارہ قتل کی طرح کفارہ ظہار میں بھی مسلمان غلام آزاد کرنا ضروری ہوگا۔

## منطوق و مفہوم

الفاظ قرآن کی جن معانی پر دلالت ہوتی ہے وہ دو قسم پر ہیں:

۱..... منطوق ۲..... مفہوم

منطوق: وہ معنی ہے جس پر لفظ کی دلالت محل نطق میں ہوتی ہے، یعنی لفظ کا جو معنی ہے، وہی مراد لیا جائے تو یہ منطوق ہے۔

مثال: فَإِنَّكُمْ حَوْامًا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلُثًا وَرُبَاعًا (النساء: ۳) اس میں چار عورتوں سے شادی کا جواز منطوق ہے، کیوں کہ آیت کی دلالت اسی معنی پر ہو رہی ہے۔  
 مفہوم: وہ معنی ہے جس پر لفظ کی دلالت محلِ نطق میں نہ ہو، بلکہ اس سے خارج ہو، یعنی لفظ کا جو ظاہری معنی ہے اس سے کوئی دوسرا معنی نکلتا ہو وہ مراد لیا جائے تو مفہوم ہے۔  
 مفہوم کی دو قسمیں ہیں: ۱..... مفہوم موافق ۲..... مفہوم مخالف  
 مفہوم موافق: وہ ہے جس کا حکم منطوق کے حکم کے موافق ہو۔

مثال: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ (الاسراء: ۲۳) اس میں ”آف“ کی حرمت تو منطوق ہے، اور ماں باپ کو مارنے کی حرمت مفہوم ہے، اور چونکہ دونوں (آف کرنا اور مارنا) ایک ہی نوع سے متعلق ہیں، بلکہ مارنا بہ نسبت آف کے زیادہ برا عمل ہے، پس نہی آف سے نہی ضرب کا مفہوم، مفہوم موافق ہوگا۔

مفہوم مخالف: وہ ہے جس کا حکم منطوق کے حکم کے خلاف ہو۔  
 مثال: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ (الحجرات: ۶) اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ غیر فاسق (عادل) کی خبر کی تحقیق و تبیین ضروری نہیں۔

حکم: مفہوم موافق تو بالاتفاق معتبر ہے، البتہ مفہوم مخالف کے بارے میں اختلاف ہے۔  
 احناف کے علاوہ جمہور ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے، اس سے احکام کا استنباط کیا جاسکتا ہے، احناف کے نزدیک فقہاء کے کلام میں تو مفہوم مخالف معتبر ہے، لیکن نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں اور اس سے استدلال درست نہیں۔

بناء اختلاف: جمہور کے پیش نظر اہل عرب کا عرف اور ان کا اسلوبِ کلام ہے کہ ان کے یہاں جب کوئی حکم کسی شرط یا قید کے ساتھ مذکور ہوتا تو مطلب یہی ہوتا کہ جہاں یہ شرطیں پائی جائیں گی وہیں یہ حکم ہوگا، اور جہاں شرطیں نہ پائی جائیں، وہاں یہ حکم نہ ہوگا، چنانچہ قرآن میں قصر کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شبہ پیدا ہوا، اور آپ نے اس کا اظہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، شبہ کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

ضرور فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے اس میں وسعت اور رخصت دی ہے، اسے قبول کر لو اور رد نہ کرو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس اجتہاد کو خطا پر مبنی نہیں قرار دیا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مفہوم مخالف سے استدلال کرنا درست ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس استدلال کو روکا رکھا، اس کے علاوہ اگر نص میں کوئی حکم کسی شرط یا عدد یا قید کے ساتھ مذکور ہو تو ضرور کسی نہ کسی حکمت کے پیش نظر ہے، اور ظاہر ہے کہ شرط اور قید لگانے میں یہی حکمت ہوگی کہ اگر یہ شرطیں پائی جائیں تب ہی یہ حکم ہوگا، ورنہ یہ حکم نہ ہوگا۔

احناف کا کہنا ہے کہ بہ کثرت ایسی نصوص ملتی ہیں جو کسی واقعہ میں قید و شرط کے ساتھ مذکور ہیں، لیکن اگر اسی جیسے واقعہ میں وہ شرط ملحوظ نہ ہو تو اس واقعہ میں بھی اسی مشروط بالشرط، یا مقید بالقیود نص ہی کا حکم ہوتا ہے، غور کیا جائے کہ ”ربیبة“ کی حرمت بیان کرتے ہوئے قرآن میں شوہر کے زیر پرورش ”الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ“ (النساء: ۲۳) ہونے کی قید لگائی گئی ہے، لیکن امت کا اجماع ہے کہ اگر دوسرے شوہر کے زیر پرورش نہ ہو پھر بھی ”ربیبة“ سے نکاح حرام ہی ہوگا، اور ”الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ“ کا مفہوم مخالف معتبر نہ ہوگا، اسی طرح نماز میں قصر کے سلسلہ میں کفار کے فتنے کے خوف کی شرط مذکور ہے ”إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا“ پس مفہوم مخالف کا تقاضا ہے کہ اسلام کی قوت اور غلبہ حاصل کر لینے کے بعد کہ اب فتنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا، اس لئے قصر کی اجازت نہیں رہنی چاہئے تھی، مگر قصر کا اجازت اب بھی باقی ہے۔

اس کے علاوہ کبھی کبھی خود نصوص کی عبارت ہی میں موافق و مخالف دونوں پہلوؤں کی وضاحت کر دی جاتی ہے، مثلاً ”نِسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ“ (النساء: ۲۳) کی بیوی کی بیٹیاں اس وقت حرام ہوں گی، جب ان کی ماں کے ساتھ صحبت ہو چکی ہو، اگر صحبت کی نوبت نہ آئی ہو تو حرمت ثابت نہ ہوگی، یہاں اور کئی دوسری آیتوں میں قرآن نے دونوں پہلوؤں کی وضاحت کر دی ہے، پس اگر نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار ہوتا تو دونوں پہلوؤں کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں تھی، صرف ایک

پہلو کو ذکر کر دیئے جانے سے خود بخود دوسرے کا حکم معلوم ہو جاتا، اس لئے نصوص میں مخالف اور برعکس مفہوم کا اعتبار نہیں اور نہ ان سے استدلال درست ہے۔  
 تنبیہ: متعدد نصوص میں آپ دیکھیں گے کہ احناف نے بھی مفہوم مخالف کا اعتبار کیا ہے، بایں طور کہ نصوص میں جو حکم جس صفت یا قید کے ساتھ وارد ہے، اس کے ماسوا صورتوں کے لئے وہ حکم نہیں، بلکہ اس کے مخالف حکم لگایا گیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے مواقع پر مفہوم مخالف کا اعتبار کرنے کی وجہ سے یہ حکم نہیں لگایا گیا ہے، بلکہ دوسرے دلائل شرعیہ کی بناء پر وہ حکم ہے۔

تنبیہ: جن فقہاء کرام کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے، وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ اعتبار کرتے ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ غالب اور معتاد وصف پر مشتمل نہ ہو، مثلاً ”وَرَبَّائِكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ“ (النساء: ۲۳) میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں، کیونکہ اس میں ”اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ“ اوصاف غالبہ معتادہ کی قبیل سے ہے، یعنی کہ اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ لڑکیاں ماؤں کی گود میں ہی پرورش پاتی ہیں، اور وہ مائیں اپنے دوسرے شوہر کے پاس ہوتی ہیں اس لئے ”فِي حُجُورِكُمْ“ کی قید ذکر کر دی گئی۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مفہوم واقع کے موافق نہ ہو، مثلاً ”وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ“ (المؤمنون: ۱۱۷) کا مفہوم مخالف معتبر نہیں، یعنی یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے سوا جو معبود برہان سے مؤید ہو اس کی عبادت ہو سکتی ہے، کیوں کہ ”لَا بُرْهَانَ لَهُ“ کی قید، قید واقعی ہے نہ کہ احترازی، یعنی ہر غیر اللہ معبود بے برہان ہے، لہذا علی الاطلاق کسی کی عبادت درست نہیں۔

تنبیہ: جن بعض قواعد سے مفہوم مخالف کی حجیت کا ثبوت ہوتا ہے، وہ قواعد احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے مسلک پر محمول ہیں۔

## اقسام مفہوم مخالف

مفہوم مخالف کی چند قسمیں ہیں:

۱..... مفہوم غایت: مثلاً ”إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبِيٍّ“ (الحجرات: ۶) پس غیر فاسق (عادل) کی خبروں میں تبیین ضروری نہیں۔

۲..... مفہوم شرط: مثلاً ”وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمِلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ“ (الطلاق: ۶) پس غیر حاملہ کو بعد طلاق نفقہ دینا واجب نہیں۔

۳..... مفہوم غایت: مثلاً ”فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَتَّخِذَ زَوْجًا غَيْرَهُ“ (البقرة: ۲۳۰) پس حلالہ شرعیہ کے بعد زوجہ اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

۴..... مفہوم زمان: مثلاً ”الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَةٌ“ (البقرة: ۱۹۷) پس دوسرے مہینوں میں حج درست نہیں۔

۵..... مفہوم مکان: مثلاً ”فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ“ (البقرة: ۱۹۸) پس مشعر حرام کے سوا کسی اور جگہ پر ذکر کرنے میں اصل مطلوب جو یہاں مقصود ہے کبھی نہ حاصل ہوگا۔

۶..... مفہوم حال: مثلاً ”وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ“ (البقرة: ۱۸۷) پس حالت اعتکاف نہ ہو تو مباشرت کی اجازت ہوگی۔

۷..... مفہوم عدد: مثلاً ”فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْنِي وَثَلَاثَ وَرُبَاعًا“ (النساء: ۳) پس چار سے زائد شادی کی اجازت نہ ہوگی۔

۸..... مفہوم حصر: مثلاً ”إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ“ (طہ: ۹۸) پس اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

## قاعدہ نمبر (۲۹)

الْأَصْلُ إِبْقَاءُ الْمَطْلُوقِ عَلَى إِطْلَاقِهِ حَتَّى يَرِدَ مَا يُقَيِّدُهُ (۱)

حاصل قاعدہ

مطلق اپنے اطلاق پر محمول ہوگا جب تک کوئی دلیل تقیید نہ پائی جائے۔

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع الثانی والثلاثون، ج ۲ ص ۱۵

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ (البقرة: ۱۸۵)

ترجمہ: تم میں جو شخص بھی یہ رمضان کا مہینہ پائے وہ اس میں ضرور روزے رکھے، اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے۔

اس آیت کریمہ میں رمضان کے روزے کی قضاء کا وقت مطلق ایام کو بتلایا گیا ہے، خواہ تابع کے ساتھ ہو یا تفریق کے ساتھ، یعنی چاہے تو مسلسل پے درپے رکھے یا کچھ دن روزے رکھے، پھر وقفہ کرے پھر روزے رکھے، لہذا اب قضاء کے لئے تابع یا تفریق کی قید لگانا درست نہیں ہے، بخلاف کفارہ ظہار کے وہاں قرآن کریم نے خود ”شَّهِرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ“ یعنی دو مہینے لگاتار روزے رکھنے کی قید لگائی ہے، چونکہ یہاں قید موجود ہے اس لئے کفارہ ظہار میں تقیید پر عمل ہوگا نہ کہ اطلاق پر۔ اور کفارہ رمضان میں چونکہ قید نہیں ہے اس لئے اطلاق پر عمل ہوگا نہ کہ تقیید پر۔

### قاعدہ نمبر (۳۰)

الْأَصْلُ أَنَّ الْكَلَامَ يُؤَكَّدُ إِذَا كَانَ الْمُخَاطَبُ مُنْكَرًا أَوْ مُتَرَدِّدًا  
وَيَتَفَاوَتُ التَّأَكُّدُ بِحَسَبِ قُوَّةِ الْإِنْكَارِ وَضَعْفِهِ..... وَقَدْ يُؤَكَّدُ  
وَالْمُخَاطَبُ غَيْرُ مُنْكَرٍ لِعَدَمِ جَرِيهِ عَلَى مُقْتَضَى إِقْرَارِهِ فَيَنْزِلُ  
مَنْزِلَةَ الْمُنْكَرِ..... وَقَدْ يُتْرَكُ التَّأَكُّدُ مَعَ إِنْكَارِ الْمُخَاطَبِ لَوْجُودِ  
أَدِلَّةٍ ظَاهِرَةٍ لَوْ تَأَمَّلَهَا لَرَجَعَ عَنِ الْإِنْكَارِ۔<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

مخاطب منکر یا متردد ہو تو کلام کو مؤکد پیش کیا جاتا ہے، نیز انکار کی قوت و ضعف کے

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع السادس والخمسون، ج ۲ ص ۲۱۷

اعتبار سے تاکید میں کمی اور زیادتی کی جاتی ہے۔ البتہ کبھی کبھی غیر منکر کو منکر کے درجہ میں اتار کر تاکید لائی جاتی ہے جب کہ مخاطب کا رویہ مقتضائے اقرار کے خلاف ہو۔ نیز بعض مواقع میں مخاطب کے انکار کے باوجود تاکید ترک کر دی جاتی ہے، کیوں کہ ان کے دلائل و براہین اتنے واضح اور مستحکم ہوتے ہیں کہ ادنیٰ تامل سے منکر کا انکار زائل ہو سکتا ہے۔

الف..... انکار مخاطب کے ضعف و قوت کے لحاظ سے تفاوتِ تاکید کی مثال:

فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾ (یس)

ترجمہ: اور ان سب نے کہا کہ یقین جانو ہمیں تمہارے پاس رسول بنا کر بھیجا

گیا ہے۔

یہاں صرف ایک تاکید لائی گئی مگر جب ان کا انکار بڑھا اور یوں بول اٹھے:

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْتُمْ إِلَّا

تَكْذِبُونَ ﴿۱۴﴾ (یس)

ترجمہ: انہوں نے کہا: تمہاری حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ تم ہم جیسے ہی

آدمی ہو، اور خدائے رحمن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے، اور تم سراسر جھوٹ

بول رہے ہو۔

اس میں انہوں نے تین وجوہ انکار ذکر کی:

اول: مجانست، یعنی تم اور ہم دونوں بشر ہیں۔

دوم: ”مَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ“ اور رحمن نے کچھ نازل نہیں کیا۔

سوم: ”إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ“ اور تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو۔ تو اس کے رد میں

پیغمبروں نے بھی تین وجوہ تاکید استعمال کراتے ہوئے فرمایا:

رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۵﴾ (یس)

اول: ”رَبُّنَا يَعْلَمُ“ کیونکہ اس میں قسم کا معنی ہے اور قسم بھی تاکید کی ایک صورت ہے۔

دوم: ”إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ“ اس میں ”إِنَّ“ اور ”لَا“ دو تاکید ہیں۔



سوم: ”وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ“ اس میں صیغہ حصر ہے اور یہ پورا مستقل جملہ

تاکید کے مترادف ہے۔

ب..... غیر منکر کو درجہ منکر میں اتار کر تاکید لانے کی مثال: اِنَّ

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿۱۰﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: پھر اس کے بعد یقیناً تمہیں موت آنے والی ہے۔

یہاں موت کے اثبات کو دو تاکیدوں ”اِنَّ“ اور ”لام“ کے ذریعہ مؤکد کیا گیا ہے۔

جب کہ اس کا کوئی منکر نہیں ہے، غیر منکر کو منکر کے درجہ میں اتار کر یعنی موت سے تمہاری غفلت اس درجہ کو پہنچ گئی گویا تم موت کے منکر ہو۔

ج..... انکار مخاطب کے باوجود ترک تاکید کی مثال:

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴿۱۱﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: پھر قیامت کے دن تمہیں یقیناً دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

اس سے پہلے کی آیت ”اِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ“ میں موت کے اثبات میں دو تاکید

لائی گئی ہے جب کہ موت کا کوئی منکر نہیں، اور یہاں بعثت کے اثبات میں صرف ایک تاکید

لائی گئی ہے جب کہ بعثت کے منکرین بے شمار ہیں اور ان کا انکار اشد درجہ کا ہے، اس کی وجہ

صرف یہ ہے کہ بعثت وحشر کا وقوع اپنے دلائل و براہین کے وضوح و استحکام کی وجہ سے اتنا

حق ہے کہ اس کے منکر کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱﴾ (البقرة)

ترجمہ: یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے

والوں کے لئے۔

یہاں قرآن کی حقانیت کے اثبات میں ایک تاکید بھی نہیں لائی گئی جبکہ قرآن میں

شک کرنے والوں کی تعداد بے شمار تھی، اس لئے کہ قرآن کی حقانیت کے دلائل اتنے کھلے

اور مضبوط تھے کہ اس کے ہوتے ہوئے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۱)

الْأَصْلُ أَنَّ مَا أُبْهِمَ فِي الْقُرْآنِ فَلَا طَائِلَ فِي مَعْرِفَتِهِ۔<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

جس شی کو قرآن میں مبہم رکھا گیا اس کی معرفت حاصل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

## تشریح

اللہ رب العزت نے قرآن عزیز کو اپنی مخلوق کی ہدایت و رہبری کے لئے نازل فرمایا، پس مخلوق کی ہدایت کے متعلق جتنی چیزوں کی ضرورت تھی اللہ نے اس کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، اسی اعتبار سے قرآن کو بتیاناً لکل شی کہا گیا ہے، البتہ جن جزئیات و تفصیلات کے متعلق بندوں کا کوئی فائدہ وابستہ نہیں تھا اللہ نے ان کو بیان نہیں کیا، جیسے اصحاب کہف کے اسماء کی توضیح، اسی طرح عصائے موسیٰ کی تحقیق کہ وہ کس درخت سے تھی، اس کا طول و عرض کتنا تھا، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار پرندوں کو ذبح کیا تھا ان کی تعیین و تفصیل وغیرہ، یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں بندوں کا کوئی فائدہ نہیں، ایسے ہی امور کے متعلق کہا گیا ہے:

فَلَا تُبَارِقُ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءٌ ظَاهِرًا ۚ وَلَا تَسْتَفْتِي فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ (الكهف)

ترجمہ: لہذا ان کے بارے میں سرسری گفتگو سے آگے بڑھ کر کوئی بحث نہ کرو،

اور نہ ان کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ کرو۔

ہاں اگر اس مبہم کے ابہام کو رفع کرنے کی ضرورت ہو، مثلاً ابہام دور نہ کیا جائے تو

کسی پر تہمت آتی ہو تو رفع تہمت کے لئے رفع ابہام ایک امر ضروری ہوگا۔

(۱) اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن: سورة الكهف آیت نمبر ۶۵ کے تحت، ج ۳ ص ۳۲۲

متنبیہ

قاعدہ نمبر ۱۲۸ ”لا یبحث عن مبہم اخبر اللہ باستثارة بعلمہ“ اور اس مذکورہ قاعدہ کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلا قاعدہ ان مبہمات کے متعلق ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اختصاص کی صراحت کر دی ہے، اور یہ قاعدہ ان مبہمات کے متعلق ہے جس میں اس طرح کی تصریح نہیں ہے۔

فائدہ

مذکورہ قاعدہ میں یہ قید ملحوظ ہے کہ مبہمات سے وہ مبہمات مراد ہیں جن کو اللہ رب العزت نے مبہم رکھا ہے، البتہ جن مبہمات کی توضیح خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے کر دی ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے وہ اس قاعدہ سے خارج ہیں کیونکہ ان مبہمات کی معرفت میں فائدہ مضمحل ہے۔

مثال: جہاں مبہم کی معرفت مفید نہ ہو:

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ (الكهف: ۱۸)

ترجمہ: اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔

اب اس آیت کے تحت بعض مفسرین نے جن میں امام خازن رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) بھی ہیں انہوں نے پہلے اس کتے کے رنگ کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں کہ اس کا رنگ کیسا تھا، پھر اس کے نام کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں، پھر آیا یہ کتا جنت میں جائے گا یا نہیں؟ آیا یہ کتا بھی اصحاب کہف کی طرح سوتا تھا یا نہیں؟ یہ کتنے عرصے بعد کروٹ بدلتا تھا؟ کس کروٹ پر سوتا تھا؟ یہ سب باتیں فضول ہیں، ان کی تحقیق و تفصیل کا کوئی فائدہ نہیں، نہ دنیاوی نہ اخروی، اور نہ شریعت کے کسی حکم کی ادائیگی کے لئے ان کی معرفت ضروری ہے، تو ان مباحث کے پیچھے پڑنا اپنے قیمتی اوقات کا ضیاع کرنا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) تفسیر الخازن: سورة الكهف آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ج ۳ ص ۱۶۰

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ اس کتے کے رنگ کے متعلق مختلف اقوال ہیں لیکن ان کے حصول کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور نہ ہی ان رنگوں کے متعلق کوئی شرعی دلیل موجود ہے، بلکہ یہ فضول مباحث ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ اُن لا یعنی باتوں میں سے ہے جن سے بچنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

اسی طرح قرآن کریم میں ”مجمع البحرین“ کا ذکر ہے۔ اب ان دو دریاؤں سے کون سے دو دریا مراد ہیں، ان کی تحقیق میں پڑ جانا اور قطعی طور پر کسی ایک قول کی صحت کا قائل ہونا درست نہیں، علامہ محمد امین شنیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ ”بحرین“ کی تعیین پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، نہ ہی کتاب اللہ میں، اور نہ سنت رسول میں، اور اس کی معرفت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ اس کے متعلق بحث میں سوائے تھکاوٹ کے کچھ حاصل نہیں۔<sup>(۲)</sup>

### قاعدہ نمبر (۳۲)

الْأَصْلُ حَمْدٌ نُّصُوصِ الْوَحْيِ عَلَى ظَوَاهِرِهَا إِلَّا لِدَلِيلٍ۔<sup>(۳)</sup>

حاصل قاعدہ

کتاب و سنت کی نصوص میں اصل یہ ہے کہ ان کو ظاہر پر محمول کیا جائے مگر یہ کہ خلاف ظاہر پر دلیل قائم ہو۔

تشریح

کتاب و سنت کی نصوص میں اصل یہ ہے کہ انہیں ظاہر پر محمول کیا جائے، اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہی مراد متکلم ہے، خصوصاً ایمانیات اور اصول دین کے باب میں۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الكهف آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ج ۵ ص ۱۳۳

(۲) أضواء البيان: سورة الكهف آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ج ۳ ص ۳۲۲

(۳) أضواء البيان: سورة الرعد آیت نمبر ۱۵ کے تحت، ج ۲ ص ۲۳۸

ظاہر معنی اس کو کہا جائے گا جس کی طرف ذہن سیاق و سباق پر نظر کرتے ہوئے مبادرت کرے۔

اس قاعدے میں بہت سے فرقوں پر رد ہے، جیسے باطنیہ جن کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کا ایک باطن ہے جس کو خاص لوگ ہی جان سکتے ہیں۔ جہمیہ پر جن کا صفات باری تعالیٰ کے متعلق ایک الگ ہی نقطہ نظر ہے۔ اسی طرح مرجئہ پر جو عَصَاتِ مومنین کی تعذیب پر مشتمل آیات کو ترہیب محض پر محمول کرتے ہیں۔ ان تمام فرق باطلہ کے خیالات و نظریات کا اس قاعدہ میں جواب ہے۔

قاعدہ کے آخر میں ”إِلَّا بِدَلِيلٍ“ کی قید مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض احوال میں نصوص کو ظاہر پر محمول کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔  
ذیل میں ہم ان مواقع کو ذکر کرتے ہیں۔  
۱..... جب مخالفت اجماع لازم آئے۔

۲..... جب کہ کوئی معنی نص قطعی یا ظنی کے درجہ میں طے ہو تو وہاں ظاہر لفظ کے مقابلہ میں وہ طے شدہ معنی رائج ہوگا، اس لئے کہ معنی کبھی لفظ سے عام اور جامع ہوتا ہے اور کبھی لفظ سے خاص اور محدود ہوتا ہے، اور جب معنی طے ہو تو الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

۳..... جب ظاہر پر محمول کرنے میں تعارض لازم آتا ہو۔  
۴..... کبھی ظاہر کے مراد نہ ہونے پر اجماع ہوتا ہے یا کبھی شان نزول کی وجہ سے خلاف ظاہر معنی طے ہو جاتا ہے۔

مثال..... وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۗ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۰﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: اور ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو تابع دار بنا دیا تھا کہ وہ پہاڑوں کو ساتھ لے کر تسبیح کریں، اور یہ سارے کام کرنے والے ہم تھے۔

یہاں حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ پرندوں اور پہاڑوں کی تسبیح کا ذکر ہے، یہاں بھی قاعدہ مذکورہ کی رو سے تسبیح کو ظاہر پر یعنی تسبیح حقیقی پر محمول کیا جائے، کیوں کہ اللہ

رب العزت ان کے اندر ایسا ادراک پیدا کرنے پر قادر ہے جس سے وہ حقیقی تسبیح بجالائیں اور کتاب و سنت میں ہر شئی میں شعور و ادراک کا ہونا مذکور ہے۔ مثلاً:

..... وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ<sup>ط</sup> (الإسراء: ۴۴)

ترجمہ: اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

۲..... وَإِنَّ مِنَ الْجِبَارَةِ لِمَا يُتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ<sup>ط</sup> وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَشَّقُّ فَيَخْرُجُ مِنْهُ

الْمَاءُ<sup>ط</sup> وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ<sup>ط</sup> (البقرة: ۷۴)

ترجمہ: پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ بہتی ہیں، اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، اور انہی میں وہ (پتھر) بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں۔

۳..... إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا

أَشْفَقْنَ مِنْهَا (الأحزاب: ۷۲)

ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے۔

۴..... اسی طرح ”صحیح بخاری“ کی روایت میں ہے کہ کھجور کا تناجب اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ٹیک لگانا چھوڑ دیا تو وہ رونے لگا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی رونے کی آواز سنی۔<sup>(۱)</sup>

۵..... نیز ”صحیح مسلم“ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجْرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ إِنِّي لَأَعْرِفُهُ  
الآن۔<sup>(۲)</sup>

(۱) صحیح البخاری: کتاب البيوع، باب النجار، ج ۳ ص ۶۱، رقم الحديث: ۲۰۹۵

(۲) صحیح مسلم: کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبي صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۳ ص ۱۷۸۲، رقم الحديث: ۲۲۷۷

آپ نے فرمایا: میں مکہ میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔

ان آیات و روایات سے معلوم ہوا کہ جمادات میں بھی ایک طرح کی حیات ہے جس کی وجہ سے خشیت و بکا، تسبیح و سجود کی صفات ان میں پائی جاتی ہے، لہذا آیت مذکورہ میں بھی تسبیح اپنے حقیقی معنی پر محمول کی جائے گی۔

۲..... وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (الانبیاء: ۴۷)

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازویں لارکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گی۔ موازین جمع وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن متعدد میزانیں رکھی جائیں گی ہر میزان میں ایک نوع کے اعمال تو لے جائیں گے، یا ہر شخص کے وزن اعمال کے لئے الگ میزان ہوگا۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ

فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۱۸﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: اس وقت جن کے پلڑے بھاری نکلے تو وہی ہوں گے جو فلاح پائیں

گے، اور جن کے پلڑے ہلکے پڑ گئے، تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے

لئے گھائے کا سودا کیا تھا، وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

دونوں جگہ موازین جمع ہے، لہذا جمع کو اس کے ظاہر یعنی جمع پر ہی قاعدہ مذکورہ کی رو

سے رکھا جائے۔

۳..... وَإِنِّي لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَشَعِينَ ﴿۱﴾ (البقرة)

ترجمہ: نماز بھاری ضرور معلوم ہوتی ہے، مگر ان لوگوں کو نہیں جو خشوع (یعنی

دھیان اور عاجزی) سے پڑھتے ہیں۔

”ہاء“ ضمیر کے سلسلہ میں دو احتمال ہیں:

اول: یہ کہ اس کا مرجع صلوة اپنے معنی میں ہے۔

دوم: یہ کہ اس کا مرجع صلوة ہی ہے مگر معنی ہے اجابت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اول معنی ظاہر ہے، اور دوسرا خلاف ظاہر ہے۔

### قاعدہ نمبر (۳۳)

الْأَصْلُ فِي صِفَاتِ الْمَدْحِ أَنْ يُنْقَلَ فِيهَا مِنَ الْاَدْنَىٰ إِلَى الْاَعْلَىٰ وَ  
صِفَاتِ الذَّمِّ بِعَكْسِ ذَلِكَ <sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

صفات مدح میں اصل یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف انتقال کیا جائے، اور صفات ذم میں اس کے برعکس یعنی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف انتقال کیا جائے۔

### تشریح

مقام مدح میں صفت کو ذکر کرنے سے مقصد مدح میں تاکید و ترقی اور اضافہ کو بتلانا ہوا کرتا ہے، اور اعلیٰ چونکہ ادنیٰ کو متضمن ہوتا ہے اس لئے اگر پہلے اعلیٰ کو ذکر کر دیا جائے تو بعد میں ادنیٰ کو لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، مثلاً ایک شخص کے تعارف میں پہلے ”رجل علامہ“ کہہ دیا جائے پھر اس کو ”رجل عالم“ کہا جائے تو اس سے کوئی جدید فائدہ حاصل نہ ہوگا، اس کے برعکس اگر پہلے عالم کہا جائے، پھر علامہ تو یقیناً زیادتی علم کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور مقام ذم میں پہلے اعلیٰ اور شدید صفت کو ذکر کرتے ہیں پھر ادنیٰ اور خفیف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

### تطبیق مثال

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقْتَمَّ لَوْنُهَا تَسْرُ النَّظْرَيْنِ ۝ (البقرة)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے تیز زرد رنگ کی گائے

ہو جو دیکھنے والوں کا دل خوش کر دے۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد العاشر: الوصف، ج ۱ ص ۳۳۶



یہاں اولاً "صَفْرَاءُ" صفت لائی گئی جو ادنیٰ ہے پھر "فَاعْتَرَفْتُمْ بِهَا" اعلیٰ صفت کو ذکر

کیا گیا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يُدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا

الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ① (التوبة)

ترجمہ: وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یومِ آخرت پر، اور جو اللہ

اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، اور نہ دینِ حق کو اپنا

دین مانتے ہیں، ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے

جزیہ ادا کریں۔

یہاں سب سے پہلی صفت "لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ" لائی گئی جو اشد ہے،

پھر اس کے بعد جو صفات ذکر کی گئیں وہ اپنے ماقبل سے ادنیٰ اور اخف ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۳۴)

الْبِطْلَانُ يَقْتَضِي الْمَسَاوَاةَ ①

حاصل قاعدہ

اطلاق مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔

تشریح

کسی شئی پر کوئی مطلق حکم لگایا جائے تو یہ حکم مطلق ہی رہے گا، اور اس کے ہر ہر فرد پر

یکساں صادق آئے گا تخصیص و تقیید نہیں کی جائے گی۔

مطلق اسے کہتے ہیں جو اپنی حقیقت پر بلا کسی قید کے دلالت کرے، مطلق کا حکم یہ

(۱) فتح الباری: کتاب الصوم، باب صوم الدهر، ج ۳ ص ۲۲۰

ہے کہ وہ اپنے اطلاق پر قائم رہتا ہے، تا آنکہ کوئی اتنی ہی قوی دلیل اس میں کسی قید کے ملحوظ پر ہونے پر قائم ہو جائے۔

مثال نمبر ۱..... فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرة: ۱۸۳)

ترجمہ: تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔

اس آیت میں ”أَيَّامٍ“ مطلق ہے، لہذا اتنے ہی ایام میں مسلسل اور غیر مسلسل دونوں طرح قضا کی جاسکتی ہے، تسلسل ضروری نہیں، بخلاف کفارہ ظہار کے روزوں کے اس میں ”تابع“ اور ”جماع سے پہلے“ ہونے کی قید لگا دی گئی ہے، اس لئے جماع سے پہلے ان روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری ہوگا۔

مثال نمبر ۲..... تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (المائدة: ۸۹)

ترجمہ: ایک غلام کا آزاد کرنا۔

کفارہ یمین اور کفارہ ظہار میں مطلق غلام کے آزاد کرنے کا حکم ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو عورت، تو یہ اطلاق کا حکم تمام افراد پر یکساں ہے، بخلاف قتلِ خطاء کے ”تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ“ اس میں مؤمن غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے تو یہاں ”مُؤْمِنَةٍ“ کی قید موجود ہے۔

مثال نمبر ۳..... فَاطْعَامٌ سِتِّينَ مَسْكِينًا (المجادلة: ۳)

ترجمہ: اس کے ذمے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

اس آیت میں ”مسکین“ مطلق ہے جو رجال و نساء، صغار و کبار ہر ایک پر برابر

صادق آتا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۵)

الْإِقْتِرَانُ الْوَارِدُ فِي الْقُرْآنِ بَيْنَ بَعْضِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنَى يَدُلُّ عَلَى

مَزِيدٍ مِّنَ الْكَمَالَاتِ۔ (بہا، ۱۰، ص ۱۰۰، مباحثہ (۱))

## حاصل قاعدہ

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ایک سے زائد کا ایک جگہ ہو جانا ایک مزید معنی پیدا کرتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## تشریح

اللہ تعالیٰ کا ہر نام جدا جدا مستقلاً اپنی فضیلت رکھتا ہے، لیکن جب دو نام ایک ساتھ لائے جائے ہیں تو دونوں کے اجتماع سے ایک تیسرا معنی کمال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

مثال..... وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (ابراہیم)

ترجمہ: اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، اور حکمت بھی کامل ہے۔

یہ آیت قرآن کریم میں بار بار وارد ہوئی ہے، اس لفظ ”عزیز“ سے اللہ تعالیٰ کے لئے قوت و غلبہ کا علم ہوا، اور ”حکیم“ سے اس کی حکمت کا، مگر ان دونوں کے ایک ساتھ مستعمل ہونے سے ایک زائد معنی یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قوت اس کی حکمت کے ساتھ مربوط ہے، اور اس کی حکمت اس کی قوت و عزت (غلبہ) کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، یعنی جس طرح اہل قوت و غلبہ اپنی قوت کے نشہ میں جو روستم کے مرتکب ہو جایا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کیونکہ وہ حکیم ہے حکمت سے کام لیتا ہے، اور اسی طرح مخلوق کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی بعض مصالح کے پیش نظر اپنی عزت و شرافت کا سودا کر بیٹھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی نہیں وہ جہاں حکمت کا معاملہ کرتا ہے وہاں بھی اس کی شان عزت و شرف علی حالہ باقی رہتی ہے۔

مثال نمبر ۱..... فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ۝ (النساء)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا ہے (اگرچہ سزا دینے پر) پوری

قدرت رکھتا ہے۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد التاسع عشر، المنطوق والمفهوم، ج ۲ ص ۶۳۹

اس آیت میں پہلے ”عَفُوًّا“ فرمایا جس کا معنی اللہ بہت معاف کرنے والا ہے، پھر ”قَدِيرًا“ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔ ان دونوں صفات کے ایک ساتھ جمع ہونے سے ایک زائد معنی یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے کے باوجود معاف کرنے والا ہے، بخلاف انسانوں کے ان میں قدرت رکھنے کے باوجود معاف کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں، عموماً جن کے پاس قدرت ہوتی ہے وہ بدلہ لیتے ہیں، تو مبالغہ کے صیغے استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کو ہر شئی پر ہر وقت ہر قسم کی قدرت کے باوجود بھی وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔ اگر انسان کو معمولی قدرت حاصل ہو تو وہ اپنا بدلہ لینے میں معمولی تاخیر بھی گوارا نہیں کرتا۔

مثال نمبر ۲..... وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ① (النساء)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہر بات کا علم رکھنے والا بردبار ہے۔

مثال نمبر ۳..... وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ② (النساء)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہر بات کا جاننے والا بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے۔

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت ”عَلِيمٌ“ کے ساتھ دو الگ الگ صفات آئی ہیں، پہلی آیت میں ”عَلِيمٌ“ کے ساتھ ”حَلِيمٌ“ آیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ خوب علم کے ساتھ بہت بردبار بھی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال و اعمال سے خوب واقف بھی ہے لیکن فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ بہت بردبار ہے، بندوں کو ڈھیل دیتا ہے کہ کب یہ لوٹ آئیں تاکہ ان کے گناہوں کو معاف کر دے، بخلاف بندوں کے وہ اپنے ماتحتوں کے اگر خلاف منشا افعال سے واقف ہو جائیں تو فوراً سزا دیتے ہیں۔

اسی طرح دوسری آیت میں دونوں صفات کو یکجا لانے سے ایک زائد معنی کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام اعمال و افعال سے خوب واقف ہے اور جس کو جس حالت میں رکھا ہے اس میں بڑی حکمت ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۶)

الْأَمْرُ الْمَطْلُوقُ يَقْتَضِي الْوُجُوبَ إِلَّا لِصَارِفٍ<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

امر مطلق وجوب کا مقتضی ہوتا ہے مگر یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ پایا جائے۔

تشریح

وجوب اور لزوم کے بہت سے قرائن و علامات ہیں جن میں امر مطلق بھی داخل ہے، امر مطلق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ امر وجوب یا عدم وجوب کے قرینہ سے خالی ہو ایسے امر کو وجوب پر ہی محمول کیا جائے گا، جب تک کہ وجوب سے ہٹانے والا کوئی قرینہ نہ پایا جائے۔ ہاں اگر وجوب کے علاوہ کسی اور معنی مثلاً نذب و اباحت پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ پایا جائے تو قرینہ کے مطابق معنی مراد ہوگا۔

مجرد عن القرینہ کی مثالیں

۱..... وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۶﴾ (النور)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، اور رسول کی فرماں برداری کرو، تاکہ

تمہارے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔

۲..... وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (النساء: ۳۶)

ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور

والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

ان دونوں آیات میں امر کا صیغہ مطلق آیا ہے، اور اس کے ساتھ کوئی قرینہ موجود نہیں

ہے، لہذا یہ امر مطلق وجوب کے لئے ہوگا۔

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الحج آیت نمبر ۲۷ کے تحت، ج ۵ ص ۱۰

## صارف عن الوجوب پر مشتمل امر کی مثالیں

۱..... وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدة: ۲)

ترجمہ: اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔

۲..... فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعة: ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

ان دونوں آیات میں صیغہ امر اباحت کے لئے ہے۔

۳..... وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرة: ۲۸۲)

ترجمہ: اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔

یہ امر ارشاد کے لئے ہے۔

۴..... اَعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (حم السجدة)

ترجمہ: (اچھا) جو چاہو کر لو، یقین جانو کہ وہ تمہارے ہر کام کو خوب دیکھ رہا ہے۔

یہاں امر برائے تہدید ہے۔

۵..... فَاتُّوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ (يونس: ۳۸)

ترجمہ: اور کہو کہ پھر تم بھی اس میں ایک ہی سورت (گھڑ کر) لے آؤ۔

یہاں امر برائے تعجیز ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۷)

الْأَمْرُ الْمَعْلَقُ عَلَى إِسْمٍ هَلْ يَقْتَضِي الْإِقْتِصَارَ عَلَى أَوَّلِهِ۔<sup>(۱)</sup>

(۱) أنوار البروق في أنواء الفروق: الفرق الحادى والعشرون، ج ۱ ص ۱۳۳

## حاصل قاعدہ

ایسا امر جو کسی اسم پر معلق ہو، کیا اس کی ادائیگی ادنیٰ فرد سے کافی ہوگی؟

## تشریح

قاعدے کا حاصل یہ ہے کہ کوئی امر معنی کلی پر مشتمل ہو جس کے بہت سے افراد ہوں۔ بعض ادنیٰ بعض اعلیٰ، بعض قلیل اور بعض کثیر ایسی صورت میں آیا ادنیٰ پر اکتفاء سے مامور بہ کا امتثال ہو جائے گا، یا پھر احتیاط کی راہ اختیار کرتے ہوئے اعلیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی تین قسمیں ہیں:

۱..... قسم اول - ۲..... قسم ثانی - ۳..... قسم ثالث -

## ۱..... قسم اول

وہ ہے جس میں اعلیٰ کا امتثال بالاجماع ہے، یہ قسم توحید اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہے، یعنی اس میں حتی المقدور اعلیٰ کا امتثال لازم ہوگا، اس پر اس حدیث سے روشنی پڑتی ہے ”لا احصی ثناء علیک انت کما اثنت علی نفسک“<sup>(۱)</sup>

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کا اعلیٰ سے اعلیٰ فرد مجھے بجا لانا چاہئے، مگر میں اس پر قادر نہیں ہوں اس لئے فرمایا: انت کما اثنت علی نفسک۔

## ۲..... قسم دوم

جس میں فرد ادنیٰ پر محمول کیا جائے گا، یہ قسم اقرار پر سے متعلق ہے، یعنی اگر کوئی اقرار کرے کہ ”لہ عندی دنانیر“ تو اقل پر یعنی تین درہم پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں اصل ذمہ سے براءت اور سبکدوشی ہے، لہذا ادنیٰ پر محمول کیا جائے جب تک کوئی قرینہ نہ ہو، اور گذشتہ مثال چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہے اس میں اصل ذات ربوبیت کی تعظیم اور مبالغہ ہے اس لئے وہاں اعلیٰ فرد پر محمول کیا گیا۔

(۱) صحیح ابن حبان: کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج ۵ ص ۲۵۸، رقم الحدیث: ۱۹۳۲

## ۳..... قسم ثالث

اس کی مختلف صورتیں ہیں بعض میں ادنیٰ کا امتثال کافی ہے، بعض میں اعلیٰ کا امتثال واجب ہے، قاعدہ مذکورہ پہلی شق (جس میں ادنیٰ کا امتثال کافی ہے) کے متعلق ہے، دوسری شق کے متعلق آگے قاعدہ آرہا ہے۔

مثال نمبر ۱..... فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (المجادلة: ۳)

ترجمہ: پس ایک غلام کا آزاد کرنا ہے۔

یہاں ادنیٰ پر اکتفاء درست ہے اس لئے کہ کفار میں نابالغ عورت اور کافر غلام کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا یہ جنس رقبہ کے ادنیٰ افراد ہیں۔

مثال نمبر ۲..... وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدة: ۳۸)

ترجمہ: اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے دونوں کا ہاتھ کاٹ

دے۔

یہاں بھی ادنیٰ پر اکتفاء صحیح ہے، یعنی اگر اقل نصاب سرقہ (دس درہم) بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مثال نمبر ۳..... فَتَيْسَبُّواَصِعِيدًا طَيِّبًا۔ (النساء: ۴۳)

ترجمہ: تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔

یہاں بھی اکتفاء علی الادنیٰ درست ہے پس ”كل ما كان من جنس الأرض“ سے تیمم صحیح ہوگا، یعنی ہر وہ شئی جو جنس ارض سے ہے اس پر تیمم کی اجازت ہوگی۔

## قاعدہ نمبر (۳۸)

الْأَمْرُ بِالشَّيْءِ يَسْتَلْزِمُ النَّهْيَ عَنِ ضِدِّهِ۔<sup>(۱)</sup>

(۱) تفسیر البيضاوی: سورة الطلاق آیت نمبر ۱ کے تحت، ج ۵ ص ۲۲۰



## حاصل قاعدہ

کسی شے کا حکم دینا یہ مستلزم ہے اس کی ضد سے بچنے پر، یعنی مامور بہ کی ضد منہی عنہ ہوگی۔

## تشریح

جب کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کا لازمی مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی ضد سے بچا جائے، کیوں کہ کسی امر کی بجا آوری اس کی ضد کے ترک کے بغیر ممکن نہیں، مثلاً ”اُسْكُنْ“ میں امر سکون ہے جو نہی عن الحركة کو مستلزم ہے، اس لئے کہ سکون کا تحقق حرکت کے انتفاء کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا، پس سکون کا امر نہی عن الحركة پر مشتمل ہے، مگر یہ نہی لزوم عقلی کے طور پر ثابت ہوتی ہے قصداً امر کے طور پر نہیں۔

## تطبيق

اللہ رب العزت نے قرآن عزیز میں توحید، نماز، زکوٰۃ، صوم، حج، بروالدین، صلہ رحمی اور عدل و احسان کا امر کیا ہے، پس ان کے ضمن میں شرک، ترکِ صلوة، ترکِ زکوٰۃ، ترکِ صوم، ترکِ حج، قطعِ رحمی، والدین کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم اور بد خلقی سے نہی بھی آگئی۔ اسی طرح جہاں صبر و شکر، انابت و محبت کا امر ہے وہیں کفرانِ نعمت، جزع و فزع، اعراض عن اللہ سے نہی بھی مطلوب ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۹)

الْأَمْرُ بِوَاحِدٍ مُّبْهِمٍ مِنْ أَشْيَاءٍ مُخْتَلِفَةٍ مُعَيَّنَةٍ هَلْ يُوجِبُ وَاحِدًا مِنْهَا  
عَلَى اسْتِوَاءٍ<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

مختلف متعین چیزوں میں مبہم طور پر کسی ایک چیز کا امر کیا گیا ہو، وہ تمام چیزیں وجوب میں مستوی ہوں گی۔

(۱) التقرير والتعبير: الباب الأول، الفصل الثالث، ج ۲ ص ۱۳۳

## تشریح

یعنی جہاں شریعت نے مختلف چیزوں کا امر کیا، مگر مطلوب ان تمام مامورات میں کوئی ایک شئی لاعلیٰ التعمین ہو، ایسی صورت میں مامور بہ کا ہر فرد وجوب میں دوسرے فرد کے برابر ہوگا یا ان کے وجوب میں تفاوت ہوگا؟

صحیح قول کے بہ موجب اگر ”تخیر“ متباین اشیاء کے درمیان ہو تو وجوب میں تمام اشیاء برابر ہوں گی، اور اگر یہ ”تخیر“ کل اور جز یا اقل اور اکثر کے درمیان ہو تو تمام اشیاء کا وجوب باہم متفاوت ہوگا۔

مگر یہ قاعدہ اس وقت ہے جب کہ تساوی یا تفاضل پر کوئی قرینہ نہ ہو، اگر قرینہ موجود ہو تو قرینے کے مطابق وجوب کا درجہ متعین ہوگا۔

## مثال جزء اول: اشیاء متباینہ کے درمیان تخیر

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ

كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (المائدة: ۸۹)

ترجمہ: چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط ردے کا کھانا کھلاؤ

جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے دو، یا ایک غلام کو آزاد کرو۔

اس آیت میں کفارہ یمین سے متعلق مختلف چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا، ا.....

دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ ۲..... دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا۔ ۳..... ایک غلام آزاد کرنا۔

۴..... تین روزے رکھنا۔ اب یہ چاروں چیزیں ایک دوسرے سے الگ اور متباین ہیں، پس

ان سب میں سے کسی بھی ایک کا وجوب مساوی طور پر ہوگا، یعنی ان مذکورہ اشیاء میں سے

کوئی بھی ادا کر دے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔

## مثال جزء ثانی: اقل و اکثر کے مابین تخیر

يَا أَيُّهَا الْمَرْمِيُّ ۖ قُمْ الْيَلَّ إِلَّا قَلِيلًا ۖ نَّصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۖ

أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ (المزمل)

ترجمہ: اے چادر میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو جایا کرو، رات کا آدھا حصہ یا آدھے حصے سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ کر لو، اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔

یہاں ثلث، نصف اور ثلثین کے درمیان اختیار دیا گیا ہے ”انْقُصْ مِنْهُ“ میں ثلث اور ”زِدْ عَلَيْهِ“ میں ثلثین کا امر ہے، اور یہ تینوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں اقل و اکثر ہیں۔ پس ثلث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں واجب ہوگا کیوں کہ وہ ادنیٰ فرد ہے، اور اس سے اوپر جو ہے یعنی نصف اور ثلثین یہ درجہ استحباب میں ہوں گے۔

### قاعدہ نمبر (۴۰)

الْأَمْرُ لِبِجْمَاعَةٍ يَّقْتَضِيْ وَجُوْبَهُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ إِلَّا لِذَلِيْلِ ۝ (۱)

حاصل قاعدہ

جماعت کو کیا گیا امر ہر فرد پر وجوب کا مقتضی ہے مگر یہ کہ اختصاص پر کوئی دلیل ہو۔

تشریح

کسی جماعت کو کیا گیا امر یا تو ایسے لفظ سے ہوگا جو عموم کا مقتضی ہے، یا ایسے لفظ سے ہوگا جو مقتضی عموم نہیں ہے۔

صورتِ اولیٰ: یعنی لفظ اگر مقتضی عموم ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو اختصاص پر کوئی دلیل موجود ہوگی یعنی کوئی ایسی دلیل پائی جاتی ہوگی جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ خطاب بعض کے ساتھ خاص ہے، جماعت کے ہر فرد سے متعلق نہیں ہے یا اس طرح کی دلیل نہ

(۱) روضة الناظر وجنة المناظر: باب: الأمر، فصل: أمر الجماعة أمر لكل واحد منهم، ج ۱ ص ۵۸۴

ہوگی، پس اس صورت (یعنی لفظ مقتضی عموم اور تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو) کے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ امر کا وجوب جماعت کے ہر فرد پر ہوگا کوئی اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا، کیوں کہ ”افعلوا“ کا واو ”زیدون“ کے واو کی طرح ہے تعدد اشخاص پر دلالت کرنے میں، گویا یوں کہا گیا ہر فرد کو الگ الگ کہ ”افعل انت، وانت، وانت، وانت“

اور اگر عموم سے پھیرنے کے لئے کوئی دلیل موجود ہو تو وہ دلیل دو طرح کی ہوگی یا تو بعض معین افراد کو خارج کرے گی یا غیر معین افراد کو خارج کرے گی، صورت اولیٰ ہی کو عام مخصوص منہ البعض کہا جاتا ہے، خواہ یہ تخصیص نام کی تعین کے ذریعہ ہو، جیسے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ ﴿٥٩﴾ (الحجر: ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف (عذاب نازل کرنے کے لئے) بھیجا گیا ہے، البتہ لوط کے گھر والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یا صفت کے ذریعہ ہو، جیسے:

إِلَّا خِلَآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿١٥﴾ (الزخرف)

ترجمہ: اس دن تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی لوگوں کے۔

پہلی آیت میں قوم مجرمین کے عموم میں تخصیص پیدا کرنے والا لفظ ”إلا آل لوط“ ہے، اور دوسری آیت میں ”إلا المتقين“ ہے۔

اور اگر بعض افراد غیر معینہ کو خارج کرے یا پھر خطاب ایسے لفظ سے ہو جو تعمیم کا مقتضی نہ ہو تو اس امر کا وجوب بر سبیل کفایہ ہوگا۔

مثال: خطاب بصیغہ عموم، دلیل اختصاص نہ ہونے کی صورت میں:

وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا الزَّكَاةَ (النور: ۵۶)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

یہاں صیغہ عموم (جمع) کے ساتھ جماعت المسلمین کو خطاب ہے، اور اختصاص پر کوئی

دلیل نہیں ہے، پس صلاۃ و زکوٰۃ کا امر ہر فرد جماعت کی طرف متوجہ ہوگا۔

مثال: خطاب بصیغہ غیر عامہ:

وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ ۗ (آل عمران: ۱۰۴)

ترجمہ: اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جن کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں اور برائی سے روکیں۔  
اس آیت میں لفظ ”منکم“ سے تعبیر ہوگئی کہ دعوت کا حکم ہر ہر فرد پر علی سبیل الفرض لازم نہیں ہے، بلکہ ”من“ تبعیضیہ کی وجہ سے یہ حکم پوری امت پر علی سبیل الکفایہ لازم ہے، پس اگر کوئی بھی یہ کام نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں گے، لیکن صلاۃ و صوم کا حکم ہر ہر فرد پر علی سبیل الفرض لازم ہے، ہر شخص سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دعوت کا حکم ہر فرد جماعت پر نہیں ہے، بلکہ پوری جماعت پر علی سبیل الکفایہ فرض ہے۔

### قاعدہ نمبر (۴۱)

الْأَوْصَافُ الْمُخْتَصَّةُ بِالْإِنَاثِ إِنْ أُرِيدَ بِهَا الْفِعْلُ لِحَقِّهَا التَّاءُ وَإِنْ  
أُرِيدَ بِهَا الْقُوَّةُ جُرِدَتْ مِنَ التَّاءِ۔<sup>(۱)</sup>

#### حاصل قاعدہ

وہ اوصاف جو عورتوں کے ساتھ خاص ہوں اگر ان کا معنی بالفعل مراد ہو تو اس پر ”تاء“ داخل ہوتی ہے، اور اگر بالقوة معنی مراد ہو تو ”تاء“ نہیں داخل ہوتی۔

#### تشریح

جو صفات عورتوں کے ساتھ خاص ہیں ان کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ صفت بالفعل پائی جاتی ہو، بالفعل کا مطلب یہ ہے کہ عورت میں ایک صفت ہے اور کسی وقت میں وہ عورت اسی صفت والا کام کر رہی ہے تو اس وقت کی کیفیت کو بتلانے کے لئے تائے

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الحج آیت نمبر ۲ کے تحت، ج ۴ ص ۲۵۵

تانیث کے ساتھ وہ صفت لائی جائے گی، اور اگر عورت میں وہ صفت بالفعل نہیں صرف بالقوة ہے یعنی عورت میں اس صفت کی اہلیت تو ہے مگر اس وقت اس صفت والا کام نہیں کر رہی ہے تو اس صورت میں یہ صفت تائے تانیث کے بغیر (مذکر کی شکل میں) لائی جائے گی، جیسے:

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ (الحج: ۲)

ترجمہ: جس دن وہ تمہیں نظر آجائے گا، اُس دن ہر دودھ پلانے والی (عورتیں) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی۔

یہاں مُرْضِعَةٌ بالفعل مراد ہے اس لئے ”مرضع“ کے بجائے ”مرضعة“ تاء کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

قاعدہ مذکورہ کی رو سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ قیامت کا منظر ایسا ہولناک ہوگا کہ ایک ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہوگی اور اسی دودھ پلانے کی حالت میں دہشت و ہیبت کے غلبہ کے سبب وہ اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔ آیت کریمہ کی بلاغت پر غور کیجیے کہ ایک عورت وہ ہے جو دودھ پلانے کے قابل ہے مگر اس وقت وہ دودھ پلانے میں مشغول نہیں ہے، وہ اپنے بچے کو بھول جائے تو زیادہ قابلِ تعجب نہیں، مگر وہ عورت جو بالفعل اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اسی دودھ پلانے کی حالت میں دہشت و ہیبت کے غلبہ کے سبب وہ اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، اور یہ کس قدر قیامت کی ہولناکی کو ظاہر کرنے والی بات ہے اور یہاں پر یہی مفہوم مقصود ہے۔

### قاعدہ نمبر (۴۲)

الآيَاتُ الَّتِي تُؤْهِمُ التَّعَارُضَ يُحْمَلُ كُلُّ نَوْعٍ مِنْهَا عَلَى مَا يَلِيقُ بِهِ وَ

يُنَاسِبُ الْمَقَامَ كُلُّ بِحَسْبِهِ۔<sup>(۱)</sup>

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الثالث والعشرون: موهم الاختلاف والتعارض، ج ۲ ص ۲۹۸

## حاصل قاعدہ

جن دو آیتوں کے مابین تعارض کا وہم ہو ان میں سے ہر ایک کو مقام کے مقتضی کے اعتبار سے جدا جدا محمل پر رکھا جائے۔

تطبیق

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ (الرحمن)

ترجمہ: اور پھر اُس دن نہ کسی انسان سے اُس کے گناہ کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور نہ کسی جن سے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن وانس سے گناہوں کے متعلق سوال نہ ہوگا جب کہ دوسری آیتوں سے سوال کا اثبات ہوتا ہے۔ مثلاً:

وَقِفُّهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ (الصفات)

ترجمہ: اور ذرا انہیں ٹھہراؤ، ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ (القصص)

ترجمہ: اور وہ دن (بھی ہرگز نہ بھولو) جب اللہ ان کو پکارے گا، اور کہے گا: تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال ہوگا، اب دونوں کا محمل جدا جدا متعین کیا جائے، پس جہاں سوال کا اثبات ہے، وہاں سوال تہویل و تقریح مراد ہے، اور جہاں سوال کی نفی ہے، وہاں مراد سوال استعلام ہے۔

مثال نمبر ۱..... بعض آیات میں آیا ہے کہ کفار قیامت کے دن تکلم نہیں کریں گے، اور بعض آیات میں ہے کہ تکلم کریں گے، پس اس کو اختلاف احوال، اختلاف اوقات اور اختلاف مواقف پر محمول کر کے تعارض کو دفع کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۲..... بعض آیات میں خدا کے کفار سے ہم کلام ہونے کی نفی وارد ہے، جب

کہ دیگر آیات میں اثبات ہے، پس کلام منہی کو کلام رضا (خوشی اور رضا مندی کا کلام) پر محمول کیا جائے، اور کلام مثبت کو کلام تقریح و تویح پر محمول کیا جائے۔

مثال نمبر ۳..... بعض آیات میں آیا کہ قیامت کے روز لوگوں میں آپس میں حسب و نسب باقی نہیں رہے گا، جیسے:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۳۱﴾ (المومنون)

ترجمہ: پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن نہ ان کے درمیان رشتے ناتے باقی رہیں گے، اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

جبکہ دیگر آیات سے نسب کا اثبات ہوتا ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۲﴾ وَأُمِّهِ ﴿۳۳﴾ وَآبِيهِ ﴿۳۴﴾ وَصَاحِبَتِهِ ﴿۳۵﴾ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ (العيس)

ترجمہ: یہ اس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا، اور اپنے ماں باپ سے بھی، اور اپنے بیوی بچوں سے بھی۔

پس دونوں کو اس طرح دفع کیا جائے کہ نسب کے اثبات کو حقیقت پر محمول کیا جائے، اور نفی نسب کو انتفاع پر محمول کیا جائے یعنی نسب تو ہوں گے مگر ان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

### قاعدہ نمبر (۴۳)

الْإِيمَانُ بِظَاهِرِ التَّنْزِيلِ فَرَضٌ وَمَاعِدَاهُ فَمَوْضُوعٌ عَنَّا تَكْلُفٌ عَمَلِهِ  
إِذَا لَمْ تَأْتِ بِالْبَيَانِ عَنْهُ دَلَالَةٌ مِنْ كِتَابٍ أَوْ خَبَرٍ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- (۱)

### حاصل قاعدہ

قرآن مجید کے ظاہر پر ایمان لانا فرض ہے، اور جن مبہمات کی توضیح کتاب و سنت میں نہیں آئی ہے ان کو جاننا دائرہ تکلیف سے خارج ہے۔

(۱) تفسیر الطبری: سورة يوسف آیت نمبر ۲۰ کے تحت، ج ۱۵ ص ۱۶



## تشریح

ایک بندے پر قرآن مجید کے تعلق سے یہ اعتقاد رکھنا کہ پورا قرآن برحق ہے یہ فرض ہے، نیز قرآن مجید کے جن احکام و تعلیمات سے بندوں کی منفعت وابستہ ہے ان کو بھی سیکھنے اور معلوم کرنے پر بندوں کو مامور اور مکلف کیا گیا ہے، البتہ جن امور کو اللہ تعالیٰ نے پردہ خفا میں رکھا ہے، مثلاً امور غیبیہ یا گذشتہ اقوام کے وقائع کی تفصیل و جزئیات، ان کو معلوم کرنے کے درپے ہونا اشتغال بالعبث ہے، پس قرآن نے جن باتوں کو بیان کر دیا ہے ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں، اور جن باتوں کو مبہم رکھا ہے ہم اس سلسلہ میں توقف کریں اور اس کا علم اللہ کے حوالے کریں۔

مثال نمبر ۱..... وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ (یوسف: ۲۰)

ترجمہ: (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم قیمت میں بیچ دیا جو گنتی کے چند درہموں کی شکل میں تھی۔

قرآن کریم نے ثمن یوسف کی مقدار کو مبہم رکھا ہے، بعض مفسرین نے اس کی تحقیق و جستجو کر کے متعدد اقوال بتائے ہیں، کسی نے بیس کہا، کسی نے کہا بائیس درہم تھے، کسی نے کہا چالیس درہم تھے وغیرہ۔ اس کے درپے ہونا لایعنی اور عبث ہے، اتنا ہمیں ایمان رکھنا ہے کہ وہ درہم عددی تھے۔

مثال نمبر ۲..... وَلَمَّا بَدَعَ أَشُدًّا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

(یوسف)

ترجمہ: اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا۔

”اشد“ کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کئے گئے ہیں، بعض نے کہا اشد عمر ۲۳ سال ہے، بعض نے کہا ۲۰ سال، بعض نے ۱۸ سال بتایا ہے، کتاب و سنت میں اس کی تحدید و تعیین نہیں آئی ہے۔ آیت سے اتنا معلوم ہوتا کہ قوت و شباب کے عروج کا زمانہ مراد ہے،

اب وہ اٹھارہ سال بھی ہو سکتا ہے، بیس بھی اور تیس بھی، پس اس کی تعین کے پیچھے پڑھنا ایک غیر ضروری امر ہے۔

مثال نمبر ۳..... قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ

(المائدة: ۱۱۳)

ترجمہ: (چنانچہ) عیسیٰ ابن مریم نے درخواست کی کہ یا اللہ! ہم پر آسمان سے

ایک دسترخوان اتار دیجئے۔

اس مائدہ میں کیا تھا؟ مفسرین نے اسکے سلسلہ میں مختلف اقوال ذکر کئے ہیں: کسی نے کہا کہ ماکول شئی تھی، کسی نے کہا مچھلی اور روٹی تھی، کسی نے کہا جنت کے پھلوں میں سے کوئی پھل تھا، کسی نے کہا گوشت تھا، لیکن قرآن و سنت میں کہیں اس کی تعین نہیں آئی ہے، پس اس کے درپے ہونا عبث ہے، کیوں کہ اس کے علم میں کوئی فائدہ نہیں اور اس کی جہالت مضر نہیں۔

## قاعدہ نمبر (۴۴)

التَّعَجُّبُ كَمَا يَدُلُّ عَلَى مَحَبَّةِ اللَّهِ الْفِعْلَ فَإِنَّهُ قَدْ يَدُلُّ عَلَى بُغْضِهِ أَوْ  
إِمْتِنَاعِهِ وَاعْتِنَاهُ أَوْ يَدُلُّ عَلَى حُسْنِ الْمَنْعِ مِنْهُ وَأَنَّهُ لَا يَلِيْقُ  
فِعْلُهُ (۱)

### حاصل قاعدہ

کسی امر پر تعجب جس طرح محبوبیت عند اللہ کو بتلاتا ہے، اسی طرح مبغوضیت و ممنوعیت عند اللہ اور اس کے غیر مستحسن ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ نیز حسن منع کے طور پر اس امر کے قابل ترک ہونے پر دال ہوتا ہے۔

(۱) بدائع الفوائد: فائدة: دلالات التعجب، ج ۴ ص ۸ / البرهان في علوم القرآن: النوع الثاني والثلاثون، ج ۲ ص ۱۴

## تعجب دال علی البغض کی مثال

۱.... وَإِنْ تَعَجَّبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ (الرعد: ۵)

ترجمہ: اور اگر تمہیں (ان کافروں پر) تعجب ہوتا ہے تو ان کا یہ کہنا (واقعی) عجیب ہے۔

## تعجب دال بر امتناع حکم کی مثال

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ (التوبة: ۷)

ترجمہ: ان مشرکین (قریش) کا عہد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے (قابل رعایت) رہے گا۔

## تعجب دال پرنا قابل عمل کی مثال

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ - (آل عمران: ۸۶)

ترجمہ: اور اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔

## قاعدہ نمبر (۴۵)

التَّعْقِيبُ بِالْمَصْدَرِ يُفِيدُ التَّعْظِيمَ أَوْ الذَّمَّ - (۱)

## حاصل قاعدہ

فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کر دینا تعظیم یا ذمت کا فائدہ دیتا ہے۔

تعظیم کی مثال.... صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً (البقرة: ۱۳۸)

ترجمہ: (اے مسلمانو! کہہ دو کہ) ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے، اور

کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الثالث، القواعد اللغوية، ج ۱ ص ۲۶۳

زم کی مثال..... کسی آدمی کے عیوب کو بیان کر کے یہ کہنا کہ ”صنع الشيطان“ اسے شیطان نے اپنا رنگ چڑھایا ہے، یہ شیاطین والے کام کرتا ہے۔

مثال نمبر ۱..... صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِي اَتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۙ (النمل: ۸۸)

ترجمہ: یہ سب اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مستحکم طریقے سے بنایا ہے۔

اس آیت کے شروع میں فعل ”انظروا“ محذوف ہے، یہاں مصدر کو فعل کے قائم مقام کیا گیا ہے تعظیم کے لئے۔ اب مطلب یہ ہے ”انظروا صنع اللہ“ دیکھو اللہ کی کاریگری کی طرف اس نے کس طرح ہر چیز کو بنایا ہے۔

مثال نمبر ۲..... فِطَرَتِ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (الروم)

ترجمہ: اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت پر چلو جس پر اس نے تمام لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

یعنی ”الزموا دين الله“ اللہ کے اس دین (دین اسلام) کو لازم پکڑو جس پر اللہ

نے مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

مثال نمبر ۳..... وَعَدَ اللّٰهُ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ (الروم: ۶)

ترجمہ: اور یہ اللہ کا کیا ہوا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

یعنی ”ارتقبوا وعد اللہ“ اللہ کے وعدے کا انتظار کرو، وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، یہاں بھی فعل کو محذوف کر کے مصدر کو اس کا قائم مقام کیا گیا ہے تعظیم کے لئے۔

## قاعدہ نمبر (۴۶)

التَّفْسِيرُ اِمَّا بِنَقْلِ ثَابِتٍ اَوْ رَايِ صَائِبٍ وَّ مَا سِوَاهُمَا فَبَاطِلٌ۔ (۱)

حاصل قاعدہ

تفسیر کا ماخذ نقل صحیح ہے یا عقل سلیم، اس سے ہٹ کر جو تفسیر کی جائے وہ مزدور اور

ناقابل قبول ہوگی۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الثانی: طريقة التفسیر، ج ۱ ص ۱۰۴ / قاعدة جلیلة فی التوسل

والوسيلة: الفصل الثالث، ص ۱۹۰ / ج ۱ ص ۱۰۴ / قاعدة جلیلة فی التوسل: مقدمة (۱)

## تشریح

قرآن مجید کی تفسیر کے بنیادی مآخذ دو ہیں: نقل صحیح، عقل سلیم، پھر نقل صحیح کے تحت درج ذیل مآخذ داخل ہیں:

۱..... کتاب اللہ - ۲..... سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

۳..... اقوال صحابہ - ۴..... اقوال تابعین - ۵..... لغت -

## قاعدہ نمبر (۴۷)

التَّفْسِيرُ بَعْدَ الْإِبْهَامِ يَدُلُّ عَلَى التَّهْوِيلِ وَ التَّعْظِيمِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

ابہام کے بعد تفسیر، تہویل اور تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔

## تشریح

قرآن کریم ایک بات کو اولاً مبہم انداز میں ذکر کرتا ہے، پھر اس کی توضیح و تفسیر کرتا ہے، اس اندازِ کلام سے مقصد اس مضمون کی عظمت اور ہولناکی کو بتلانا ہوتا ہے، جیسے:

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ

الْيَقِينِ ۚ لَتَكُونَنَّ الْجَحِيمِ ۚ (التكاثر)

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، پھر (سن لو کہ)

ہرگز ایسا نہیں، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، ہرگز نہیں! اگر تم یقینی علم

کے ساتھ یہ بات جانتے ہوتے (تو ایسا نہ کرتے)، یقین جانو تم دوزخ کو

ضرور دیکھو گے۔

(۱) التسهيل لعلوم التنزيل: سورة التكاثر آیت نمبر ۷۷ کے تحت، ج ۲ ص ۵۱۰

یہاں ”كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ“ میں معمول حذف کر دیا گیا، اسی طرح ”لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ“ میں بھی معمول کو حذف کر کے مبہم رکھا گیا، پھر اس کی تفسیر ”لَتَتَرُونَ الْجَحِيمَ“ سے کی گئی تاکہ ابہام کے بعد تفسیر سے تہویل اور تعظیم کا معنی پیدا ہو۔

### قاعدہ نمبر (۴۸)

إِنَّ الْأَلْفَازَ الْمَوْجُودَةَ فِي الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ إِذَا عُرِفَ تَفْسِيرُهَا وَمَا أُرِيدَ مِنْ جِهَةِ النَّبِيِّ لَمْ يَحْتَجَّ فِي ذَلِكَ إِلَى الْإِسْتِدْلَالِ بِأَقْوَالِ أَهْلِ اللُّغَةِ وَلَا غَيْرِهِمْ<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیر منقول ہونے کے بعد کسی دوسرے قول کی حاجت نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ معصوم مؤید بالحق بلکہ حق جل شانہ کی جانب سے منتخب کردہ قرآن کے شارح اور مبین تھے، اس لئے مراد الہی سے آپ جس قدر واقف ہو سکتے تھے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس آیت کی تفسیر منقول ہو اس میں لغت یا شواہد عرب وغیرہ کا سہارا لے کر کوئی دوسرا قول نہیں کیا جائے گا۔ مثلاً ایمان، صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ کا معنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بیان کر دیا گیا ہے، لہذا اس سے ہٹ کر کوئی اور معنی بالکل مراد نہیں لیا جاسکتا۔

### قاعدہ نمبر (۴۹)

إِنَّمَا يَتَنَاقَضُ الْخَبْرَانِ اللَّذَانِ أَحَدُهُمَا نَفْيٌ وَالْآخَرُ اثْبَاتٌ إِذَا اسْتَوِيََا فِي الْخَبَرِ وَالْمُخْبِرِ عَنْهُ وَفِي الْمُتَعَلِّقِ بِهِمَا وَفِي الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ وَفِي الْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ<sup>(۲)</sup>

(۱) مجموع الفتاوى: الإيمان، فصل: أن الألفاظ الموجودة في القرآن إلخ، ج ۷ ص ۲۸۶

(۲) قواعد التفسير: المقصد الثالث والعشرون: موهم الاختلاف والتعارض، ج ۲ ص ۲۹۸

## حاصل قاعدہ

دو خبریں جن میں ایک منفی ہو دوسری مثبت، تو ان میں تناقض کا تحقق اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ خبر مخبر عنہ، نیز ان کے متعلق زمان و مکان اور حقیقت و مجاز میں اتحاد ہو۔

## تشریح

اگر دو خبریں ہوں جن میں ایک مثبت ہو دوسری منفی لیکن نفی کا محمل کچھ اور ہو اور اثبات کا محمل الگ ہو، مثلاً نفی کسی ایک حالت کے متعلق ہو اور اثبات دوسری حالت سے متعلق ہو، یا نفی کا تعلق کسی خاص وقت کے ساتھ ہو اور اثبات کا اس کے علاوہ وقت کے ساتھ تو اس کو تناقض و تعارض نہیں کہا جائے گا۔

تناقض و تعارض کا تحقق اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ نفی اور اثبات ایک ہی شئی سے اور ایک ہی حالت میں اور ایک ہی زمان و مکان سے متعلق ہو، اس طرح کے تعارض سے کتاب اللہ پاک ہے، تناقض کے پائے جانے کے لئے آٹھ شرائط ہیں، جو مندرجہ ذیل اشعار میں موجود ہیں:

وحدت موضوع و محمول و مکان	در تناقض ہشت وحدت شرط دان
قوت و فعل است در آخر زمان	وحدت شرط و اضافت جزء و کل

## قاعدہ نمبر (۵۰)

التَّقَدُّمُ فِي الذِّكْرِ لَا يَعْنِي التَّقَدُّمُ فِي الْوُقُوعِ وَالْحُكْمِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

کسی شئی کا ذکر میں مقدم ہونا اس کے وقوع اور حکم میں مقدم ہونے کو مستلزم نہیں۔

(۱) التفسیر الکبیر: سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۷۲ کے تحت، ج ۳ ص ۵۵۱

## تشریح

جب چند چیزیں بالترتیب ذکر کی جاتی ہیں تو ان کی ترتیب ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا وقوع اور ان کا درجہ بھی اسی ترتیب کے مطابق ہے، بلکہ کبھی کبھار تو اس ترتیب ذکر سے ان امور کی ترتیب وقوع و ترتیب رتبہ کو بتلانا مقصود ہوتا ہے مگر ایسا ہمیشہ نہیں، بلکہ کبھی اس کے برخلاف ذکر میں تقدیم و تاخیر بھی واقع ہوتی ہے اور اس کی کوئی علت ہوتی ہے جو متعین نہیں بلکہ مقام کی مناسبت سے مختلف ہوتی رہتی ہے اور سیاق و سباق سے مفہوم ہوتی ہے، اور کبھی اس کی علت و حکمت نہایت مخفی اور غیر واضح ہوتی ہے، سو ایسے مقامات پر تفویض الی اللہ سے کام لیتے ہوئے یہی کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو بہتر جانتے ہیں۔

مثال نمبر ۱..... وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً <sup>(البقرة: ۶۷)</sup>

ترجمہ: (اور وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تمہیں حکم

دیتا ہے کہ تم ایک گائے کو ذبح کرو۔

مثال مذکور میں ذبح بقرہ کا حکم قتل پر مقدم ہے، یعنی ذبح بقرہ کا ذکر پہلے ہے اور قتل کا ذکر بعد کی آیات میں آیا ہے، حالانکہ واقعہ کی ترتیب اس کے برعکس ہے کہ قتل پہلے ہوا اور ذبح بقرہ بعد میں ہوا ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ <sup>(احزاب: ۷)</sup>

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا،

اور تم سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔

اس آیت میں لفظ ”مِنْكَ“ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلے ہے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر بعد میں ہے، حالانکہ ترتیب اس کے برعکس ہے کہ مذکورہ انبیاء سب پہلے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں آئے۔

مثال نمبر ۳..... وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ <sup>(آل عمران: ۵۵)</sup>

ترجمہ: جب اللہ نے کہا تھا کہ اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا



اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا۔

آیت کا جو یہاں ترجمہ کیا گیا ہے وہ عربی لفظ ”توفی“ کے لغوی معنی پر مبنی ہے، اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں یہی معنی مراد لیا ہے، اس لفظ کی ایک اور تشریح بھی ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إني متوفيك ورافعك إلی یعنی رافعك ثم متوفيك في آخر

الزمان۔<sup>(۱)</sup>

یعنی میں آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا، پھر آخر زمانہ میں آپ کو طبعی طور پر وفات

دوں گا۔

تو اس تفسیر کی روشنی میں مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو طبعی موت دیں گے، تو یہاں موت کا ذکر پہلے ہے اور رفع الی السماء کا ذکر بعد میں، حالانکہ ترتیب اس کے برعکس ہے کہ رفع پہلے ہے اور موت بعد میں آئے گی۔

## قاعدہ نمبر (۵۱)

التَّكْرِيرُ يَدُلُّ عَلَى الْإِعْتِنَاءِ۔<sup>(۲)</sup>

حاصل قاعدہ

کسی شے کو تکرار کے ساتھ لانا اس کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔

تشریح

قرآن کریم میں جن احکام و نصح یا حقائق و وقائع کا ذکر مکرر آیا ہے تو اس کی وجہ اس کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے، مثلاً صفات باری تعالیٰ، قصص انبیاء اور احوال آخرت وغیرہ کا تکرار ان مضامین کی قدر و قیمت اور عظمت و اہمیت کو بتلانے کے لئے ہے، جیسے:

(۱) الدد المنشور فی التفسیر المأثور: سورة آل عمران آیت نمبر ۵۵ کے تحت، ج ۲ ص ۲۲۶

(۲) قواعد التفسیر: المقصد الرابع والعشرون: التکرار فی القرآن، ج ۲ ص ۷۰۹

أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ ۚ حَتَّىٰ ذُرِّمْتُمُ الْمَقَابِرَ ۗ (التكاثر)

ترجمہ: ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (دنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو۔

تطبيق

مطلب یہ ہے کہ اموال و اولاد کی کثرت نے تمہیں معاد سے غافل کر دیا ہے، لہذا اس پر ”كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ“ کے ذریعہ زجر کیا گیا بایں طور کہ پہلے ”كَلَّا“ کے ذریعہ انکار کیا گیا، پھر اس کے بعد ”سَوْفَ تَعْلَمُونَ“ کے ذریعہ تہدید کی گئی، پھر ”كَلَّا“ ثانیہ کے ذریعہ اول تہدید کو مودک کیا گیا، بعد اس کے پھر ”سَوْفَ تَعْلَمُونَ“ کے ذریعہ مزید تاکید پیدا کی گئی، یہ سب تہدیدات مکررہ استعدادِ آخرت کے مہتم بالشان ہونے کے پیش نظر کی گئی ہیں۔

### فوائد تکرار

۱..... تقریر: یعنی کسی بات کو اچھی طرح ثابت کر دینا کما قیل: الکلام إذا تكرر تقرر۔

قصص قرآنیہ اور آیات انداز میں تکرار، تقریر ہی کی غرض سے ہے، تکرار کے اس

فائدے کی طرف قرآن اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ

يُحٰدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۙ (طہ)

ترجمہ: اور ہم نے اس طرح یہ وحی ایک عربی قرآن کی شکل میں نازل کی ہے،

اور اس میں تنبیہات کو طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ پرہیزگاری

اختیار کریں، یا یہ قرآن ان میں کچھ سمجھ پیدا کرے۔

۲..... تاکید: مثلاً ”فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاۗءًا مَّوْفُوۗرًا“ (الاسراء)

ترجمہ: تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی مکمل اور بھرپور سزا۔

۳..... نافی تہمت بر تنبیہ مزید: یعنی کلام کے اس جز پر تنبیہ کرنا جو تہمت کی نفی کرتے

ہیں تاکہ کلام مکمل طور پر مقبول ہو جائے۔ مثلاً:

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ لِقَوْمِهِ اتَّبِعُونِ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۝ يَقْوَمُ إِنَّمَا

هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ (المومن)

ترجمہ: اور جو شخص ایمان لے آیا تھا اس نے کہا اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو

بس تھوڑا سا مزہ ہے، اور یقین جانو کہ آخرت ہی رہنے بسنے کا اصل گھر ہے۔

اس میں قوم کا تکرار ہے جس کا فائدہ یہاں یہ ہے کہ اس رجل مؤمن نے جب قوم

سے بغرض ہدایت اپنی اتباع کا مطالبہ کیا تو ڈرتھا کہ ان کی دنیوی ریاست اور دنیوی

آسائش و آرائش قبول کلام میں مانع بن جائے اس لئے یا قوم سے اس کی نفی کر دی۔

۴..... تجدید کلام: یعنی جب کلام طویل ہو جائے اور بھول جانے کا اندیشہ ہو تو تکرار

کے ذریعہ کلام کا وہ حصہ یاد دلایا جاتا ہے، مثلاً:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

فَلَا تَحْسَبَنَّ لَهُمْ بِمَفَارِقَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (آل عمران)

ترجمہ: یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر بڑے خوش ہیں، اور چاہتے ہیں

کہ ان کی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے کئے ہی نہیں، ایسے

لوگوں کے بارے میں ہرگز نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچنے میں کامیاب ہو

جائیں گے، ان کے لئے دردناک سزا (تیار) ہے۔

اس میں ”لَا تَحْسَبَنَّ“ کا تکرار اسی غرض سے ہے۔

۵..... تعظیم و تہویل: مثلاً وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۖ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۝ (الواقعة)

ترجمہ: اور جو دائیں ہاتھ والے ہوں گے، کیا کہنا ان دائیں ہاتھ والوں کا۔

اور ”أَلْحَاقَةُ ۖ مَا أَلْحَاقَةُ ۖ“ (الحاقة)

ترجمہ: وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی، کیا ہے وہ حقیقت جو ہو کر رہے گی؟

۶..... تہدید: مثلاً ”كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ“ (التكاثر)

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں چاہئے، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، پھر (سن

لو) ہرگز ایسا نہیں چاہئے، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا۔

۷.... تعجب: مثلاً ”فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرًا ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرًا ۝“ (المائدہ)

ترجمہ: خدا کی مار ہو اس پر کہ کیسی بات بنائی، دوبارہ خدا کی مار ہو اس پر کہ کیسی

بات بنائی۔

۸.... تعدد متعلق کے سبب: مثلاً ”فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝“ (الرحمن)

ترجمہ: (اے انسانو اور جنات) اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون

کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یہ آیت بار بار آئی ہے مگر ہر جگہ اس کا متعلق جدا جدا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۵۲)

التَّنْصِيصُ عَلَى الشَّيْءِ لَا يَلْزَمُ مِنْهُ النَّفْيُ عَمَّا عَدَاهُ.<sup>(۲)</sup>

حاصل قاعدہ

کسی چیز کی صراحت کرنا یہ اس کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں۔

تشریح

کسی معین چیز پر کوئی حکم لگایا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حکم اسی شئی کے

ساتھ خاص ہے اس کے ماسوا کے لئے نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حکم اس شئی

مذکور کے لئے تو یقینی طور پر ثابت ہے اور اس کے ماسوا کے لئے یہ حکم ہے یا نہیں اس سے

سکوت ہے، جیسے:

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۱۸

(۲) التفسیر الكبير: سورة البقرة آیت نمبر ۲۹ کے تحت، ج ۲ ص ۳۸۰/ عمدة القاری: کتاب العلم، باب

تعلیم الرجل أمته وأهله، ج ۲ ص ۱۲۲

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْبَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيرِ (المائدة: ۳)

ترجمہ: تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔  
اس میں ”لَحْمُ الْخِنْزِيرِ“ کی حرمت کی تصریح ہے جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے علاوہ دوسرے تمام جانوروں کے گوشت حلال ہیں بلکہ آیت میں دوسرے جانوروں کے گوشت کے متعلق سکوت ہے، البتہ حدیث سے بعض دوسرے جانور مثلاً درندوں اور اہلی گدھوں کے گوشت کا بھی حرام ہونا ثابت ہے۔

### قاعدہ نمبر (۵۳)

التَّوَكُّيدُ يَنْفِي إِحْتِمَالَ الْمَجَازِ -<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

تاکید کے بعد مجاز کا احتمال باقی نہیں رہتا۔

تشریح

تاکید جس نوعیت کی ہو اس نوع کے احتمال مجاز کو ختم کر دیتی ہے، مثلاً:  
”ضرب الأمير“ اس میں دو مجاز کے احتمال ہیں۔

اول: یہ کہ ضرب سے مراد مقدماتِ ضرب ہوں۔

دوم: امیر سے مراد امیر امیر ہو، خود امیر نے نہ مارا ہو، پس احتمال اول کو رفع کرنے کے لئے ”ضرباً“ سے تاکید لائی جائے اور احتمال ثانی کو ختم کرنے کے لئے ”نفسہ“ یا ”عینہ“ سے تاکید لائی جائے تو اس صورت میں مجازی معنی کا احتمال ختم ہو جائے گا۔

مثال نمبر ۱..... وَ كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ① (النساء: ۱۶۳)

ترجمہ: اور موسیٰ سے تو اللہ براہ راست ہم کلام ہوا۔

(۱) المزهر فی علوم اللغة وأنواعها: النوع الثامن والعشرون، ج ۱ ص ۳۲۵ / البحر المحيط فی أصول الفقه: مباحث الترادف، مسألة الاتباع، ج ۲ ص ۳۶۹

یہاں ”کَلَّمَ“ کی تاکید جب مصدر سے لائی گئی تو کلام مجازی (الہام و اشارہ) اور دیگر تمام احتمالات ختم ہو گئے۔ اور اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے کہ اللہ نے براہ راست خود کلام کیا۔

مثال نمبر ۲..... فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۱۳ (الإسراء)

ترجمہ: تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی، مکمل اور بھرپور سزا۔

مثال نمبر ۳..... يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا عَلَيْهٖ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۱۶ (الأحزاب)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

مثال نمبر ۴..... يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۱۱ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۱۰ (الطور)

ترجمہ: جس دن آسمان تھرتھرا کر لرز اٹھے گا، اور پہاڑ ہولناک طریقے سے چل

پڑیں گے۔

ان تمام آیات میں تاکیدات لائی گئی ہیں جس کے بعد مجازی معنی کا احتمال بالکل ختم

ہو گیا، مذکورہ آیات میں ان کا حقیقی معنی مراد ہے۔

## قاعدہ نمبر (۵۴)

الْجُمْلَةُ الْإِسْمِيَّةُ تَدُلُّ عَلَى الدَّوَامِ وَ الثَّبُوتِ وَ الْفِعْلِيَّةُ تَدُلُّ عَلَى التَّجَدُّدِ - (۱)

### حاصل قاعدہ

جملہ اسمیہ دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے، اور جملہ فعلیہ تجدد و حدوث کے معنی پر

دلالت کرتا ہے۔

مثال..... وَ كَلَّبَهُمْ بِأَسْطِ ذُرَا عَيْنِهِ بِالْوَصِيدِ ۱۸ (الكهف)

ترجمہ: اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔

(۱) البرہان فی علوم القرآن: النوع السادس والأربعون، ج ۴ ص ۶۶ / الإلتقان فی علوم القرآن:

النوع الثانی والأربعون، ج ۲ ص ۳۷۶

اس میں ”كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ“ جملہ اسمیہ وارد ہے جو اس بات پر دال ہے کہ اصحابِ کہف کا کتاب تک اسی بیان کردہ حالت میں ہے، اگر ”بَاسِطٌ“ کے بجائے ”يَبْسُطُ“ کہتے تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ اس کی حالت بدلتی رہتی ہوگی۔

۲..... الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَصَيَّرُوا زَكَاةً يُنْفِقُونَ ﴿۱۰﴾ (الأنفال)

ترجمہ: جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے

(فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں۔

”يُقِيمُونَ“ اور ”يُنْفِقُونَ“ دلالت کر رہے ہیں کہ مومنین بالتکرار اقامتِ صلاۃ اور

انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہتے ہیں۔

### قاعدہ نمبر (۵۵)

الْحُكْمُ الْمَعْلُقُ عَلَى وَصْفٍ يَقْوَى بِقُوَّتِهِ وَيَنْقُصُ بِنَقْصِهِ۔<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

جو حکم کسی وصف پر معلق ہو وہ اس وصف کے قوت و نقص سے قوی اور ناقص ہوگا۔

### تشریح

مدح و ذم یا وعد و وعید کو کسی فعل یا صفت پر مرتب کیا گیا ہو تو وہ (مدح و ذم یا وعد و

وعید) اس فعل اور صفت کے لحاظ سے مؤکد و غیر مؤکد ہوا کرتی ہے، یعنی وہ فعل اگر شدید اور

اعلیٰ درجہ کا ہوگا تو اس پر مرتب کیا گیا نتیجہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہوگا، اور اگر فعل ادنیٰ درجہ کا

ہوگا تو نتیجہ بھی ادنیٰ درجہ کا ہوگا۔ (۲۵) جملہ مدلولہ

مثال نمبر ۱..... الَّذِينَ امْتُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولَئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ

مُهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ (الأنعام)

(۱) قواعد التفسیر: المقصد التاسع عشر: المنطوق والمفهوم، ج ۲ ص ۲۲۹

ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا، امن اور چین تو بس انہی کا حق ہے، اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔

یہاں امن اور اہتداء کو مرتب کیا گیا ہے ایمان اور اجتناب عن الشرك پر، لہذا جس شخص میں یہ دونوں وصف جس قدر اعلیٰ درجہ میں ہوں گے اس کے لئے امن و اہتداء بھی ویسے ہی اعلیٰ درجہ کا ہوگا، اور جو ان دونوں چیزوں میں ناقص ہوگا اس کا امن و اہتداء بھی اسی قدر ناقص ہوگا۔

مثال نمبر ۲..... إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ..... اَلِی قَوْلِهِ..... اَعَدَّ

اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (الأحزاب)

ترجمہ: بے شک فرماں بردار مرد ہوں اور فرماں بردار عورتیں..... ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔

جس مرد اور عورت میں جس درجہ اسلامی اعمال ہوں گے اسی درجہ اس کے لئے مغفرت و اجر کا فیصلہ ہوگا۔

مثال نمبر ۳..... أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۙ (الزمر: ۳۶)

ترجمہ: کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے۔

جس شخص میں جس قدر عبدیت ہوگی اس کو اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت نصیب ہوگی۔

## قاعدہ نمبر (۵۶)

الشَّرْطُ لَا يَقْتَضِي جَوَازَ الْوُقُوعِ- (۱)

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورة الأنعام آیت نمبر ۸۸ کے تحت، ج ۳ ص ۲۶۶ / أضواء البيان: سورة الأنعام آیت

نمبر ۹۳ کے تحت، ج ۱ ص ۳۸۷



## حاصل قاعدہ

شرط کسی شے کے وقوع کے جواز کا تقاضا نہیں کرتی یعنی شرط امکان وقوع کو مستلزم نہیں ہوتی ہے۔

## تشریح

کسی حکم کو کسی شرط پر معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شرط کا پایا جانا ممکن ہے، بلکہ کبھی کبھی حکم کو ایسی شرط پر بھی معلق کر دیا جاتا ہے جو شرط بذات خود ممتنع الوقوع ہوتی ہے، جیسے:

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ (الانعام)

ترجمہ: اگر بالفرض یہ حضرات (انبیائے کرام علیہم السلام) بھی (نعوذ باللہ)

شرک کریں تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے سب اکارت ہو جاتے۔

یہاں حبیط اعمال انبیاء کو شرک پر معلق کیا گیا ہے، جب کہ ان سے وقوع شرک کا ذرہ

برابر بھی کوئی احتمال نہیں ہے۔

مثال نمبر ۱..... قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ لَّكَانَ أَوَّلَ الْعَبِيدِ ﴿۱۰﴾ (الزخرف)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ اگر خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہو تو سب سے اول اس

کی عبادت کرنے والا میں ہوتا۔

مثال نمبر ۲..... لَوْ أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا لَّتَّخِذُوا آلًا تَتَّخِذُهُمْ مِنْ لَدُنَّا ﴿۱۰﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: اگر ہم کو (آسمان وزمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی بلکہ

ان کو محض) مشغلہ ہی بنانا ہوتا تو ہم خود اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں ایسا

کرنا ہی ہوتا۔

مثال نمبر ۳..... لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ لَسُبْحٰنَهُ ۗ هُوَ

اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۰﴾ (الزمر)

ترجمہ: اگر اللہ یہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنا لے تو وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا

منتخب کر لیتا، (لیکن) وہ پاک ہے (اس بات سے کہ اس کی کوئی اولاد ہو) وہ تو اللہ ہے، ایک اور زبردست اقتدار کا مالک۔ ان تینوں آیات میں شرط کو حکم پر معلق کیا گیا ہے لیکن اس سے شرط کا وقوع ثابت نہیں ہوتا، وقوع تو دور کی بات ہے اس کا امکان بھی ممتنع ہے۔ یعنی اگر اللہ کے لئے کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا، لیکن یہاں عبادت جو حکم ہے اس شرط (اولاد) کے ساتھ معلق کیا، اس سے شرط کا وقوع یعنی اللہ کا صاحب اولاد ہونا لازم نہیں آتا، اور نہ ہی آپ کا غیر اللہ کی عبادت کرنا لازم آتا ہے اسی طرح دیگر دونوں آیات میں۔

### قاعدہ نمبر (۵۷)

الشَّيْءُ الْوَاحِدُ إِذَا ذُكِرَ بِصِفَتَيْنِ مُخْتَلِفَتَيْنِ جَازَ عَطْفُ أَحَدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى تَنْزِيلًا لِتَغَايِرِ الصِّفَاتِ بِمَنْزِلَةِ تَغَايِرِ الذَّوَاتِ (۱)

#### حاصل قاعدہ

ایک ہی شئی کو دو مختلف صفتوں سے موصوف کرنا ہو تو حرف عطف لا کر بصورت عطف ذکر کرنا صحیح ہے، بایں وجہ کہ تغایر و صفتی کو تغایر ذاتی کا درجہ دے دیا جائے۔

#### تشریح

ایک ہی شئی کی متعدد صفات ذکر کرنا ہو تو اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ حرف عطف نہ لایا جائے، اور یہی طریقہ اصح ہے، نیز یہ بات کہ اگر متعدد صفات کے درمیان حرف عطف آجائے تو یہ موصوف کے تغایر اور تعدد کو بتلاتا ہے، مگر یہ کوئی لازمی امر نہیں بلکہ موصوف کے ایک ہونے کے باوجود بذریعہ عطف صفات کو ذکر کرنا بھی جائز ہے، گواضح یہ ہے کہ عطف نہ ذکر کیا جائے۔

(۱) أضواء البیان: سورة الحجرات آیت نمبر ۸۷ کے تحت، ج ۲ ص ۳۱۳ / الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح: فصل: توضیح الدعوی والرد علیہم، ج ۱ ص ۱۳۳

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عطف لانے سے ہر صفت کے مستقل ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قاعدے (ایراد عطف اور ترک عطف) کا محل جدا جدا بیان کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر صفات باہم متباعد المعنی ہوں تو عطف بہتر ہے ورنہ ترک عطف اولیٰ ہے۔

مثال برجزء اول: موصوف ایک ہی ہو اور صفات کے مابین حرف عطف لایا گیا ہو:

سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ۝

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۝ (الأعلى)

ترجمہ: اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جس کی شان سب سے اونچی ہے، جس نے سب کچھ پیدا کیا، اور ٹھیک ٹھیک بنایا، اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص انداز دیا پھر راستہ بتایا، اور جس نے سبز چارہ (زمین سے) نکالا۔

یہاں ”الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى“ سے اللہ رب العزت ہی کی صفات بیان کی گئی ہیں مگر ان کے درمیان ”واو عاطفہ“ لایا گیا ہے۔

مثال برجزء ثانی: ایک ہی موصوف کی صفات ہوں مگر عطف نہ کیا گیا ہو:

وَلَا تُطْعَمُ كُلُّ حَلَاظٍ مَّهِينٍ ۝ هَبَانًا مَّشَاءً بِسِيمٍ ۝ مَنَاءً لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

أَثِيمٍ ۝ عُنْتَلٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ ۝ (القلم)

ترجمہ: اور کسی بھی ایسے شخص کی باتوں میں نہ آنا جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت شخص ہے، طعنے دینے کا عادی ہے، چغلیاں لگاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکنے والا، زیادتی کرنے والا، بد عمل ہے، بد مزاج ہے، اور اس کے علاوہ نچلے نسب والا بھی۔

یہ سب صفات شخص واحد ولید بن مغیرہ کی بیان کی گئی ہیں اس لئے ان کے مابین حرف عطف نہیں لایا گیا ہے۔

مثال برجزء ثالث: صفات کے متبادل معنی ہونے کی وجہ سے عطف کیا گیا ہو:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾ (الحديد)

ترجمہ: وہی اول بھی ہے، اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر

چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

یہ ساری صفات ایک موصوف یعنی اللہ جل شانہ کی ہیں مگر ان کے معانی میں بُعد اور

مغایرت ہونے کی وجہ سے عطف کیا گیا ہے۔

### جزء اول سے متعلق

۱..... الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿۱۰۱﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿۱۰۲﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ

فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿۱۰۳﴾ (الشعراء)

ترجمہ: جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، اور وہ مجھے

کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے، اور جو مجھے

موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔

یہاں موصوف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو ایک ہی ہیں، اور ان کی صفات کے

درمیان حرف عطف لایا گیا ہے۔

۲..... وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۱۰۴﴾ (الحجر)

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دے رکھی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی

ہیں اور عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔

سبع مثنیٰ اور قرآن عظیم کی تفسیر حدیث شریف میں سورہ فاتحہ سے کی گئی ہے، پس

دونوں (سبع مثنیٰ اور قرآن عظیم) ایک ہی موصوف (فاتحہ) کی دو صفات ہیں جن کو

بصورت عطف ذکر کیا گیا ہے۔

۳..... قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۵﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَشِعُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ

مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلرَّكُوتِ فَاعِلُونَ ﴿۱۰۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۱۰۹﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے، جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں، اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں، اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔  
یہاں مؤمنین موصوف ہیں، جن کی صفات بیان کی گئی ہیں، اور ان کے درمیان حرف عطف لایا گیا ہے۔

## جزء ثانی سے متعلق

۱..... هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۝ (الحشر: ۲۴)

ترجمہ: اور اللہ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود میں لانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، اس کے سب سے اچھے نام ہیں۔  
یہاں ذاتِ باری تعالیٰ موصوف ہے جس کی متعدد صفات لائی گئی ہیں، اور ان کے درمیان حرف عطف نہیں لایا گیا ہے۔

۲..... نَبِيِّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْعَفْوَ الرَّحِيمُ ۝ (الحجر)

ترجمہ: میرے بندوں کو بتادو کہ میں ہی بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہوں۔  
۳..... عَلَىٰ رَبِّكَ إِن تَلَظَّفْكَ أَنَّ يُبْدِلَهُ أَرْوَاحًا خَيْرًا مِنَّا مِّنْ مُّسَلِّمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَنَاتٍ تَيَّبَاتٍ غِبِّيَاتٍ سَابِحَاتٍ تَيَّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ۝ (التحریم)

ترجمہ: اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو ان کے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ ان کو (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطا فرمادے جو تم سب سے بہتر ہوں، مسلمان، ایمانی والی، طاعت شعار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار ہوں، چاہے پہلے ان کے شوہر رہے ہوں یا کنواری ہوں۔  
یہاں متعدد صفات بیان کی گئی ہیں اور ان کے درمیان حرف عطف نہیں لایا گیا ہے۔

## جزء ثالث سے متعلق

۱..... رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (البقرة: ۲۵۸)

ترجمہ: اور میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی۔

۲..... وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى ۝ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا ۝ (النجم)

ترجمہ: اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا ہے اور رُلاتا ہے، اور یہ کہ وہی ہے جو موت بھی دیتا ہے اور زندگی بھی۔

ان آیات میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ متباعد المعنی ہیں، یعنی موت و حیات، اور ضحک و بکاء، اس لئے ان کے درمیان حرف عطف لایا گیا ہے۔

### قاعدہ نمبر (۵۸)

الصِّفَةُ إِذَا وَقَعَتْ لِلنِّكَرَةِ فَهِيَ مُخَصَّصَةٌ وَإِنْ جَاءَتْ لِلْمَعْرِفَةِ فَهِيَ  
مُوضَّحَةٌ (۱)

حاصل قاعدہ

نکرہ کی جب صفت لائی جائے تو تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، اور معرفہ کی جب صفت لائی جائے تو توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔

صفتِ نکرہ کی مثال

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ (المومن: ۲۸)

ترجمہ: اور فرعون کے خاندان میں سے ایک مومن شخص جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

یہاں ”رَجُلٌ“ نکرہ ہے جس کی صفت ”مُؤْمِنٌ“ لائی گئی ہے، اب اس صفت کی وجہ سے نکرہ کی تخصیص ہوگئی کہ رَجُلٌ کافر نہیں تھا بلکہ مومن تھا۔

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع السادس والأربعون، ج ۲ ص ۲۲۲

## صفت معرفہ کی مثال

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ (الأعراف: ۱۵۷)

ترجمہ: جو اس رسول یعنی نبی اُمی کے پیچھے چلیں۔

اس آیت میں ”الرَّسُولَ“ معرفہ ہے اور اس کی صفت ”النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ“ لائی گئی جو توضیح

کے لئے ہے۔

## صفت نکرہ سے متعلق

۱..... وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ (الأحزاب: ۵۰)

ترجمہ: کوئی مسلمان عورت جس نے مہر کے بغیر نبی کو اپنے آپ (سے نکاح

کرنے) کی پیشکش کی ہو۔

اس آیت میں ”وَامْرَأَةً“ نکرہ ہے اور اس کی صفت ”مُؤْمِنَةً“ لائی گئی ہے جو

تخصیص کے لئے ہے یعنی مؤمن عورت نہ کہ کافر عورت۔

۲..... وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ (البقرة: ۲۲۱)

ترجمہ: اور یقیناً ایک مؤمن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک

مرد تمہیں پسند آ رہا ہو۔

اس آیت میں ”لَعَبْدٌ“ نکرہ ہے اور اس کی صفت ”مُؤْمِنٌ“ لائی گئی ہے جو تخصیص

کے لئے ہے یعنی مؤمن غلام بہتر ہے نہ کہ کافر غلام۔

۳..... وَلَا أُمَّةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ (البقرة: ۲۳۱)

ترجمہ: یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ

مشرک عورت تمہیں پسند آ رہی ہو۔

اس آیت میں ”أُمَّةٌ“ نکرہ ہے اور ”مُؤْمِنَةٌ“ سے اس کی صفت لائی گئی ہے جو محض

تخصیص کے لئے ہے۔

## صفتِ معرفہ سے متعلق

۱..... يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا الَّذِينَ هَادُوا (المائدة: ۴۴)

ترجمہ: تمام نبی اللہ کے فرماں بردار تھے، اس کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے۔

اس آیت میں ”النَّبِيُّونَ“ معرفہ ہے اور ”الَّذِينَ أَسْلَمُوا“ موصول صلہ ل کر اس کے لئے صفت بن رہا ہے، اور یہ معرفہ کی صفت وضاحت کے لئے ہے، یعنی تمام انبیاء اللہ کے فرماں بردار تھے۔

۲.... فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيَّ (الأعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: اب تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے۔

اس آیت میں ”رَسُولِهِ“ اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے اور ”النَّبِيُّ الْأُمِّيَّ“ اس کی صفت وضاحت کے لئے لائی گئی ہے۔

## قاعدہ نمبر (۵۹)

الْعِبْرَةُ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ السَّبَبِ (۱)

حاصل قاعدہ

اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا۔

تشریح

اس قاعدہ کے متعلق چند صورتیں ہیں اور عموم و خصوص کے اعتبار سے ہر ایک کا حکم جدا جدا ہے جن کو یہاں کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) روح المعانی: سورة البقرة آیت نمبر ۱۵۸ کے تحت، ج ۱ ص ۲۲۵ / تفسیر ابی السعود: سورة النساء آیت

نمبر ۲ کے تحت، ج ۲ ص ۱۳۹



کسی سبب نزول کے تحت قرآن کریم کی جو آیات نازل ہوئیں وہ اپنے عموم و خصوص کے لحاظ سے چار قسم کی ہیں:

۱..... خاص بالاسم۔

۲..... عام مربوط بقرینہ لتخصیص۔

۳..... عام مربوط بقرینہ لتعمیم۔

۴..... مجرد عن القرینہ۔

۱..... خاص بالاسم سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں کسی خاص شخص کا نام لے کر یہ متعین کر دیا گیا ہے کہ آیت کا مضمون اسی کے حق میں ہے، ایسی آیتوں کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ان کا مضمون صرف اسی معین شخص کے بارے میں قرار دیا جائے گا اور دوسروں کو شامل نہیں ہوگا۔ مثلاً ”تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ“ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں۔ اس آیت کا شان نزول معروف و مشہور ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کے لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرمائی تو اس پر ابولہب نے کہا تھا:

تَبَالِكْ أَلْهَذَا دَعْوَتَنَا؟

تمہارے لئے ہلاکت ہو کیا تم نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں خاص ابولہب کا نام لے کر اس کے لئے وعید بیان فرمائی گئی ہے، اس لئے یہ وعید اسی کے لئے خاص ہے۔

۲..... عام مربوط بقرینہ لتخصیص سے مراد وہ آیتیں ہیں جن میں کسی خاص شخص یا گروہ یا چیز کا نام لئے بغیر اس کے کچھ اوصاف بیان کئے گئے ہوں، اور ان اوصاف پر کوئی حکم لگایا گیا ہو، لیکن دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ اس سے مراد فلاں معین شخص یا فلاں معین گروہ یا فلاں معین چیز ہے، اس صورت کے بارے میں بھی تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ آیت کا مضمون یا حکم صرف اسی شخص یا گروہ یا چیز کی حد تک مخصوص رہے گا جو قرآن کریم کی مراد ہے، اور کوئی دوسرا اس میں داخل نہیں ہوگا، خواہ وہ اوصاف اس میں بھی پائے جاتے ہوں، مثلاً سورہ لیل میں ارشاد ہے:

وَسَيَجْذِبُنَا إِلَىٰ آتِقَىٰ ۖ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۚ (اللیل)

ترجمہ: اور اس سے ایسے پرہیزگار شخص کو دور رکھا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے (اللہ کے راستے میں) دیتا ہے۔

یہ آیت بالاتفاق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو مفلس غلاموں کو خرید کر آزاد کیا کرتے تھے، یہاں اگرچہ حضرت ابو بکر کا نام مذکور نہیں لیکن اوصاف انہی کے ذکر کئے گئے ہیں:

اجمع المفسرون علی ان المراد منه ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔<sup>(۱)</sup>

مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، لہذا اس آیت کی فضیلت بلا شرکت غیر انہی کو حاصل ہے۔

اسی لئے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

لأن الأمة مجمعة علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ۔<sup>(۲)</sup>

کیونکہ اس آیت میں انہیں اتقی (سب سے بڑھ کر متقی شخص) کہا گیا ہے۔

اور وہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ: درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم

میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

بہر حال باوجود یہ کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہاں نام نہیں لیا گیا لیکن جمہور مفسرین نے آیت کو انہی کے حق میں خاص قرار دیا ہے۔ کیونکہ تخصیص کی دو دلیلیں موجود ہیں۔

ایک یہ کہ ”الأتقی“ الف لام عہد کے ساتھ صرف ایک ہی شخص کے لئے استعمال

(۱) التفسیر الکبیر: سورة اللیل آیت نمبر ۱۷، ۱۸ کے تحت، ج ۳۰ ص ۱۸۷

(۲) التفسیر الکبیر: سورة اللیل آیت نمبر ۱۷، ۱۸ کے تحت، ج ۳۰ ص ۱۸۷

ہوسکتا ہے، دوسرے یہ کہ روایات حدیث نے اس کی تعیین کردی، لہذا اگر کوئی اور شخص بھی اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگے تو وہ اس کے لئے کتنا ہی باعث اجر کیوں نہ ہو لیکن آیات بالا کا مصداق ہونے کی فضیلت اسے حاصل نہیں ہوسکتی۔

۳..... عام مربوط بقرینۃ التعمیم: اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جو نازل تو کسی خاص واقعہ میں ہوئی تھیں لیکن الفاظ عام ہیں، اور آیت کے صریح الفاظ یا اور کسی خارجی دلیل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا حکم اس واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس نوعیت کے ہر واقعہ کا یہی حکم ہے، اس قسم کے بارے میں تمام اہل علم متفق ہیں اس صددت میں آیت کا حکم اس کے الفاظ کے تابع ہو کر عام ہی رہے گا، صرف سبب نزول کے واقعے کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔ مثلاً سورہ مجادلہ کی ابتدائی آیات کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جن کے شوہر نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ ”انت علیٰ کظہر اُمی“ (تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو) لیکن آیت میں جن الفاظ کے ذریعہ حکم بیان کیا گیا وہ اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ یہ حکم صرف حضرت خولہ کے شوہر کے لئے نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے لئے ہے جو اپنی بیوی سے ظہار کر لیں (یعنی مذکورہ بالا الفاظ کہہ دیں) ایسے تمام لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے قبل ایک غلام آزاد کریں، یا ساٹھ روزے مسلسل رکھیں یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

۴..... مجرد عن القرینۃ وہ آیت ہے جو خاص واقعہ کے تحت نازل ہوئی لیکن الفاظ عام استعمال کئے گئے، اور آیت یا کسی خارجی دلیل سے یہ صراحت معلوم نہیں ہوتی کہ آیت کا حکم یا مضمون صرف اسی واقعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یا اس نوعیت کے ہر واقعے کے لئے عام ہے، اس صورت میں اہل علم کا تھوڑا سا اختلاف رہا ہے، بعض حضرات کا کہنا یہ تھا کہ اس صورت میں آیت کو صرف سبب نزول کے واقعے کے ساتھ مخصوص رکھا جائے گا، لیکن جمہور علماء و فقہاء کی رائے اس کے برخلاف یہی ہے کہ مذکورہ شکل میں سبب نزول

کے خاص واقعے کے بجائے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوگا، اور آیت کے الفاظ جس جس صورت کو شامل ہوں ان سب صورتوں پر بھی یہ حکم نافذ کیا جاوے گا۔ قاعدہ مذکورہ بالا ”العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب“ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوگا نہ کہ سبب نزول کے خاص واقعہ کا، اسی چوتھی صورت سے متعلق ہے۔

لیکن درحقیقت یہ اختلاف نظریاتی نوعیت کا ہے عملاً اس سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ جو حضرات آیات قرآنی کو ان کے سبب نزول کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں وہ بھی عملاً آیت کا حکم اس نوعیت کے دوسرے واقعات میں جاری کر دیتے ہیں، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک تو اس کا ماخذ وہی آیت ہوتی ہے، اور یہ حضرات اس کا ماخذ کسی دوسری دلیل شرعی مثلاً حدیث، اجماع یا قیاس وغیرہ کو قرار دیتے ہیں۔

وضاحت کے لئے ایک مثال پر غور فرمائیں سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ (البقرة: ۲۸۰)

ترجمہ: اور اگر (قرض دار) تنگ دست ہو تو اسے کشادگی تک مہلت دے دے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بنو عمرو بن عمیر کا کچھ قرض بنو مغیرہ پر واجب تھا، جب سود کی حرمت نازل ہوئی تو بنو عمرو نے اپنے مقرض قبیلہ سے کہا کہ ہم سود کو چھوڑتے ہیں لیکن اصل قرضہ واپس کرو، بنو مغیرہ نے کہا اس وقت ہمارا ہاتھ تنگ ہے اس لئے ہمیں کچھ مہلت دے دو، بنو عمرو نے مہلت دینے سے انکار کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اب آیت کا یہ حکم تو سب کے نزدیک عام ہے ہر قرض خواہ کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ مقرض کو تنگ دست دیکھے تو اس مہلت دے دے، لیکن فرق اتنا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ عام حکم اسی آیت سے ثابت ہوا ہے، اور جو لوگ آیت کو سبب نزول کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا حکم تو صرف بنو عمرو کے لئے تھا لیکن دوسرے مسلمانوں کے لئے یہ حکم ان احادیث سے ثابت ہوا ہے جن میں مقرض کو مہلت دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ اس اختلاف کا علمی طور پر کوئی خاص اثر مرتب نہیں ہوتا۔

## قاعدہ نمبر (۶۰)

الْعَرَبُ إِذَا افْتَخَرَتْ قَدْ تُخْرِجُ الْخَبَرَ مَخْرَجَ الْخَبْرِ عَنِ الْجَمَاعَةِ وَإِنْ  
كَانَ مَا افْتَخَرَتْ بِهِ مِنْ فِعْلٍ وَاحِدٍ مِنْهُمْ<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

اہل عرب مقامِ فخر میں کسی ایک سے صادر ہونے والے فعل کو ایک پوری جماعت کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے ہیں۔

مثال: وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ<sup>(۱)</sup> (المائدة: ۱۸)

ترجمہ: یہود و نصاری کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔

”نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ“ یہود و نصاری کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کا ہر ہر فرد اللہ کا بیٹا ہے، ہاں یہود کا ایک گروہ حضرت عزیز علیہ السلام کو اور نصاریٰ کا ایک گروہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا تھا، لیکن وہ فخریہ صیغہ کے ساتھ کہتے تھے، کہ ”نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ“ کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں گویا وہ اپنے زعم و گمان کے مطابق ایک کے ابن اللہ ہونے کی فضیلت کو برائے تھاخر پوری قوم کی طرف منسوب کرتے تھے۔

## قاعدہ نمبر (۶۱)

الْعَرَبُ إِذَا جَاءَتْ بَيْنَ الْكَلَامَيْنِ بِجَحْدَيْنِ كَانَ الْكَلَامُ إِخْبَارًا<sup>(۲)</sup>

## حاصل قاعدہ

اہل عرب جب دو جملے حرفِ نفی کے ساتھ لاتے ہیں تو وہ کلامِ اخبار یعنی مثبت ہوتا ہے۔

(۱) تفسیر الطبری: سورة المائدة آیت نمبر ۱۸ کے تحت، ج ۱۰ ص ۱۵۱

(۲) البرهان فی علوم القرآن: النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۷۷ / الإتيان فی علوم القرآن:

النوع السادس والخمسون، ج ۳ ص ۲۶۶

مثال..... وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ① (الأنبياء)

ترجمہ: اور ہم نے ان (رسولوں) کو ایسے جسم بنا کر پیدا نہیں کر دیا تھا کہ وہ کھانا

نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ایسے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔

یہاں دو جملے دو حرف نفی کے ساتھ ہیں ”مَا جَعَلْنَا“ اور ”لَا يَأْكُلُونَ“ لہذا جملہ مثبت

ہو جائے گا اور مطلب ہوگا ”جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ“

## قاعدہ نمبر (۶۲)

الْعَرَبُ تَحْذِفُ مَا كَفَى مِنْهُ الظَّاهِرُ فِي الْكَلَامِ إِذَا لَمْ تَشْكُ فِي

مَعْرِفَةِ السَّامِعِ مَكَانَ الْحَذْفِ ①

### حاصل قاعدہ

اہل عرب کلام میں بدیہی چیزوں کا حذف کر دیتے ہیں بشرطیکہ سامع کو فہم کلام میں

کوئی اشتباہ پیش نہ آوے۔

مثال..... الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ① ... إِلَى ... إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ② (الفاتحة)

أَيُّ قَوْلُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ..... إِلَى..... إِيَّاكَ نَعْبُدُ إلخ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جو بہت مہربان

اور نہایت رحم کرنے والا ہے، جو روزِ جزاء کا مالک ہے، (اے اللہ!) ہم تیری

ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

### تطبيق

سورہ فاتحہ کی آیات میں ابتداً اللہ تعالیٰ کی ثناء و تعریف ہے، پھر آگے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“

سے عبادت کرنے کا ذکر ہے، اگر اس پوری سورت کو اللہ کا قول قرار دیا جائے تو ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الخامس، القسم الثالث، ج ۱ ص ۳۶۳

رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کے متعلق تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ خود اپنی تعریف کر رہا ہے اور اس میں کوئی اعتراض نہیں لیکن ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کو بھی اگر اللہ تعالیٰ کا قول مانا جائے تو اعتراض ہوگا کہ اللہ عبادت کرنے والا ہے اور یہ صحیح نہیں، اس لئے لامحالہ یہاں ”قَوْلُوا“ کے حذف سے چونکہ فہم مراد میں کوئی خلل نہیں آتا اس لئے اسے حذف کر دیا گیا، اور خلل نہ آنا اس وجہ سے ہے کہ یہ مسلمات قطعیہ میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ عبادت کرنے والا نہیں ہے بلکہ عبادت کرنے والے اس کے بندے ہیں۔

### قاعدہ نمبر (۶۳)

الْعَرَبُ تُكْرَرُ الشَّيْءَ فِي الْإِسْتِفْهَامِ إِسْتِبْعَادًا لَهُ۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

عرب کسی چیز کے استبعاد کو بتلانے کے لئے بصورتِ استفہام اس شئی کو مکرر ذکر کرتے ہیں۔

تشریح

اہل عرب کا دستور ہے کہ جب کسی شئی کے وقوع یا صدور کا مستعبد ہونا بتلانا چاہتے ہیں تو اس کو استفہامی انداز میں بار بار دہراتے ہیں۔ مثلاً جس آدمی سے جہاد متعذر ہو تو اس کو یوں کہا جائے گا: انت تجاہد؟ انت تجاہد؟

مثال..... أَيَدَا مِثْنَا وَ كُنَّا تَرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا لَبَعُوثُونَ ﴿۱۰﴾ (الواقعة)

ترجمہ: اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الرابع والعشرون: التكرار في القرآن، ج ۲ ص ۷۰۹

## تطبیق

یہ آیت مشرکین کا مقولہ ہے، جو بعث بعد الموت اور حشر و نشر کو بعید سمجھتے تھے اور اس کے منکر تھے، تو انہوں نے اپنے استبعاد و انکار کو ظاہر کرنے کے لئے مکرر حرف استفہام استعمال کیا، ایک تو ”أَيُّدَامِنْتَنَا“ میں اور دوسرے ”ءَاِنَّا لَمَّبْعُوثُونَ“ میں۔

## قاعدہ نمبر (۶۴)

الْعَرَبُ قَدْ تَخْرَجُ الْكَلَامَ مَخْرَجَ الْأَمْرِ وَمَعْنَاهُ الْجَزَاءُ (۱)

## حاصل قاعدہ

اہل عرب کبھی کبھی امر بول کر معنی شرط و جزاء مراد لیتے ہیں۔

مثال..... قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ (التوبة)

ترجمہ: کہہ دو کہ تم اپنا مال چاہے خوشی خوشی چندے میں دو یا بددلی سے، وہ تم

سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، تم ایسے لوگ ہو جو مسلسل نافرمانی کرتے رہتے ہو۔

اس مثال میں ”أَنْفِقُوا“ (امر) ”أَنْ تَنْفِقُوا“ (شرط) کے معنی میں ہے اور اس کی

جزاء ”لَنْ يُتَقَبَلَ“ ہے۔

## قاعدہ نمبر (۶۵)

الْعَرَبُ قَدْ تَعْلِقُ الْأَمْرَ بِزَائِلٍ وَ الْمُرَادُ بِهِ التَّابِئُ (۲)

## حاصل قاعدہ

کبھی شئی مؤبد کو کسی غیر مؤبد شئی کے ساتھ مربوط کر دیا جاتا ہے اور مراد تابید ہوتی ہے۔

(۱) تفسیر الطبری: سورة التوبة آیت نمبر ۵۳ کے تحت، ج ۱۳ ص ۲۹۳

(۲) تفسیر الطبری: سورة هود آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت، ج ۱۵ ص ۳۸۱ / تفسیر ابن کثیر: سورة هود آیت

نمبر ۱۰۷ کے تحت، ج ۳ ص ۳۰۱



## تشریح

اہل عرب کبھی کسی حکم کو کسی زوال پذیر شئی پر معلق کر دیتے ہیں، مگر مراد اس سے دوام اور تابید کا معنی ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے: ”ہذا دائم دوام السموات و الأرض“ اس مثال میں دوام کو ارض و سماء کے دوام پر معلق کیا گیا ہے جو کہ زوال پذیر ہیں مگر اہل عرب تابید کو بتانے کے لئے یہ تعبیر ذکر کرتے ہیں، جیسے:

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا فَنِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَ شَهِيقٌ ۝ خَلِيدِينَ فِيهَا مَا  
 دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۗ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝  
 وَ أَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَنِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَ  
 الْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۗ عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْدُوذٍ ۝ (ہود)

ترجمہ: چنانچہ جو بد حال ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے جہاں ان کے چیخنے  
 چلانے کی آوازیں آئیں گی، یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان  
 اور زمین قائم ہیں، مگر یہ کہ تمہارے رب ہی کہ کچھ اور منظور ہو۔ یقیناً تمہارا  
 رب جو ارادہ کر لے اس پر اچھی طرح عمل کرتا ہے۔

اور جو لوگ خوش حال ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ  
 رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں، مگر یہ کہ تمہارے رب ہی کو کچھ  
 اور منظور ہو۔ یہ ایک ایسی عطا ہوگی جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔

## تطبیق

اس میں اہل جہنم کا جہنم میں اور اہل جنت کا جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا آسمانوں اور  
 زمینوں کے بقاء پر معلق کیا گیا جو زوال پذیر شئی ہے، مگر اس سے مقصود دوام اور تابید کا معنی  
 ہے جیسا کہ ”خَالِدِينَ فِيهَا“ کا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۶۶)

الْعَطْفُ يَقْتَضِي الْمَغَايِرَةَ بَيْنَ الْمَعْطُوفِ وَالْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ مَعَ  
اِشْتِرَاكِهِمَا فِي الْحُكْمِ الَّذِي ذُكِرَ لَهُمَا. (۱)

## حاصل قاعدہ

عطف کا مقتضی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ہے گو حکم میں دونوں  
مشترک ہوں۔

## تشریح

محض تغایر لفظی کی بناء پر عطف کرنا درست نہیں، عطف کے لئے معانی میں تغایر  
ضروری ہے، البتہ اس تغایر کے چند درجات ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ باہم متباین ہوں، یعنی ایک دوسرے کا نہ  
جزء ہو اور نہ دوسرے کے لئے لازم ہو، عطف کی یہ شکل سب سے زیادہ رائج ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان لزوم ہو یعنی معطوف،  
معطوف علیہ کا عین تو نہ ہو لیکن ایک کے ساتھ دوسرے کا شمول لازماً ہو جاتا ہو۔  
تیسرا درجہ یہ ہے کہ جزء شئی کا عطف شئی پر کیا جائے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ تغایر وصفی کو تغایر ذاتی کے قائم مقام کر دیا جائے یعنی ایک ہی شئی کی  
دو مختلف صفات ذکر کر کے ان کا باہم عطف کر دیا جائے، بایں خیال کہ گویا وہ دو ذات ہیں۔

## تطبيق

مثال بر جزء اول: معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان متباین ہو:

(۱) مجموع الفتاوی: کتاب الإیمان، فصل: عطف الشیئی علی الشیئی فی القرآن... إلخ، ج ۷

ص ۱۷۲ / مختصر فی قواعد التفسیر: المقصد التاسع، ص ۱۵

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (الفرقان: ۵۹)

ترجمہ: وہ ذات جس نے چھ دن میں سارے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں پیدا کیں۔

”السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا“ یہاں ”السَّمَوَاتِ، الْأَرْضَ، وَمَا بَيْنَهُمَا“ تین مختلف اشیاء ہیں، ان کے درمیان تباہی کی بناء پر عطف کیا گیا ہے کیونکہ آسمان و زمین اور ان کے مابین کی اشیاء سب الگ الگ ہیں، ایک دوسرے کے لئے جز یا ایک دوسرے کے لئے لازم نہیں ہیں۔

مثال برجز ثانی: معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان تلازم ہو:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾ (البقرة)

ترجمہ: اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ جبکہ (اصل

حقیقت) تم اچھی طرح جانتے ہو۔

تلبیس حق اور کتمان حق دونوں دو الگ چیزیں ہیں، تاہم ایک کا وجود دوسرے کو مستلزم ہو جاتا ہے، وہ اس طور پر کہ باطل کے ساتھ حق کی تلبیس کرنے والا جتنا باطل کا اظہار کرے گا اسی قدر حق کا کتمان بھی ہوگا، اور کتمان حق کرنے والے کو لا محالہ حق کی جگہ باطل کو پیش کرنا ہوگا، اس طرح حق کی تلبیس بھی لازماً پائی جائے گی۔

مثال برجز ثالث: جزء شئی کا شئی پر عطف:

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَ قَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينًا ﴿۱۰﴾ (البقرة)

ترجمہ: تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو اور (خاص طور) درمیانی والی نماز کا،

اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔

صلاة وسطیٰ صلوات کا ایک فرد ہے پس عطف الجزء علی الكل کی قبیل سے ہے۔

مثال برجز رابع: تغایر صفت کو تغایر ذات کے قائم مقام کر دیا جائے:

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝

وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۖ (الأعلى)

ترجمہ: اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جس کی شان سب سے اونچی ہے،

جس نے سب کچھ پیدا کیا، اور ٹھیک ٹھیک بنایا، اور جس نے ہر چیز کو ایک خاص

انداز دیا، پھر راستہ بتایا، اور جس نے سبز چارہ (زمین سے) نکالا۔

یہ سب صفات ایک ذات حق جل مجدہ کی ہیں مگر ان کے درمیان عطف کیا گیا ہے،

صفات کے تغایر کے پیش نظر۔

### جزء اول سے متعلق

۱..... مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۵﴾

(البقرة)

ترجمہ: کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا، اور جبریل اور میکائیل

کا دشمن ہے تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

۲..... وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۲﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴿۳﴾

(آل عمران: ۳، ۴)

ترجمہ: اور اسی نے تورات و انجیل اتاریں جو اس سے پہلے لوگوں کے لئے مجسم

ہدایت بن کر آئی تھیں، اور اسی نے حق و باطل کو پرکھنے کا معیار نازل کیا۔

یہ دونوں آیات پہلے جزء سے متعلق ہیں یعنی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان

تغایر ہے، پہلی آیت میں جبریل اور میکائیل کے درمیان عطف تغایر کے لئے ہے۔

### جزء ثانی سے متعلق

۱..... وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ

نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ (النساء: ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی

مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے،

اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کریں گے جو اس نے خود اپنائی ہے۔

۲..... وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء: ۱۳۶)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں

کا اور یومِ آخرت کا انکار کرے۔

یہ دونوں آیات جزء ثانی سے متعلق ہیں یعنی معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان ایک گنا تلامزم ہے۔ پہلی آیت میں جو رسول کی مخالفت کرے گا تو لازماً وہ ایمان والوں کی راہ کی بھی مخالفت کرے گا۔ دوسری آیت میں جو اللہ کا انکار کرے گا لازماً وہ ملائکہ، کتابیں اور رسولوں کی بھی مخالفت کرے گا۔

### جزء ثالث کے متعلق

۱..... وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ

مَرْيَمَ (الأحزاب: ۷)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا، اور تم سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔

۲..... وَأَوْسَاكُمْ أَرْضَهُمْ وَإِيسَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوُّهَا (الأحزاب: ۲۷)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین کا، ان کے گھروں کا اور ان کی دولت کا

وارث بنا دیا، اور ایک ایسی زمین کا بھی جس تک ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے۔

یہ دونوں آیات تیسرے جزء سے متعلق ہیں یعنی جزء شئی کا عطف شئی پر کیا جائے۔

پہلی آیت میں ہم نے تمام نبیوں سے وعدہ لیا، اب اس میں سارے انبیاء شامل تھے، پھر آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہم السلام کا عطف کیا گیا، تو یہ عطف الجزئی علی الكل ہے۔ دوسری آیت میں ہم نے تمہیں زمین کا وارث بنایا اس میں ساری زمین شامل ہے پھر آگے فرمایا: وہ زمین جس تک ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے یعنی خیبر کی زمین، اس میں خوش خبری تھی کہ کچھ عرصے میں مسلمان اس زمین کو بھی فتح کر لیں گے، تو یہاں بھی خیبر کی زمین کا عطف، یہ عطف الجزئی علی الكل کے قبیل سے ہے۔

## جزء رابع سے متعلق

..... الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ  
يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۖ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ (البقرة)

ترجمہ: جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، اور جو اس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی، اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں۔

یہ آیت جزء رابع سے متعلق ہے یعنی تغایر صفت کو تغایر ذات کے قائم مقام کر دیا جائے، ان دو آیات میں یہ سب صفات متقین کی بیان کی گئی ہیں، صفات کے تغایر کی وجہ سے ان کے درمیان حرف عطف لایا گیا ہے، یہاں ایک ہی جماعت یعنی متقین کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں لیکن درمیان میں حرف عطف صفات کے تغایر کی وجہ سے لایا گیا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۶۷)

الْغَالِبُ فِي الْقُرْآنِ وَفِي كَلَامِ الْعَرَبِ أَنَّ الْجَوَابَ الْمَحذُوفَ يُذَكَّرُ  
قَبْلَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ. (۱)

## حاصل قاعدہ

اکثر و بیشتر قرآن اور کلام عرب میں ایسا ہوتا ہے کہ جواب محذوف سے پہلے کوئی ایسا قرینہ مذکور ہوتا ہے جو اس پر دال ہوتا ہے۔

مثال..... وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ السَّمَوَاتُ ۗ

(الرعد: ۳۱)

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة يوسف آیت نمبر ۲۳ کے تحت، ج ۲ ص ۲۰۸

ترجمہ: اور اگر کوئی قرآن ایسا بھی اُترتا ہے جس کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے، یا اس کی بدولت زمین شق کردی جاتی (اور اس سے دریا نکل پڑتے) یا اس کے نتیجے میں مردوں سے بات کر لی جاتی (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے)۔

”جواب الآیة محذوف تقدیرہ لکفرتم بالرحمن“ اور اس جواب پر اس سے پہلے کی آیت ”وہم یکفرون بالرحمن“ دلالت کر رہی ہے۔

ترجمہ: اور یہ لوگ اس ذات کی ناشکری کر رہے ہیں جو سب پر مہربان ہے۔

اس آیت میں ان چند معجزات کا ذکر ہے جن کی فرمائش مکہ مکرمہ کے کافر لوگ کیا کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ کے ارد گرد ہیں جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹا دو، یہاں کی زمین شق کر کے یہاں سے دریا نکال دو، ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے ان سے ہماری بات کرادو، اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر بالفرض یہ بے ہودہ مطالبات پورے بھی کر دیئے جاتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ اب یہاں جواب محذوف ہے ”لکفرتم بالرحمن“ اور اس پر قرینہ اس سے پہلی آیت میں ”وہم یکفرون بالرحمن“ کے الفاظ ہیں۔

### قاعدہ نمبر (۶۸)

الْفَاظُ الشَّرِيعِ مَحْمُولَةٌ عَلَى الْمَعَانِي الشَّرْعِيَّةِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَالْعُرْفِيَّةُ  
فَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَاللُّغَوِيَّةُ (۱)

حاصل قاعدہ

نصوص (الفاظ شرعیہ) کو سب سے پہلے معانی شرعیہ پر محمول کیا جائے گا، وہ نہ ہوں تو معانی عرفیہ پر، وہ نہ ہوں تو معانی لغویہ پر۔

(۱) البرہان فی علوم القرآن: النوع الحادی والأربعون، ج ۲ ص ۱۶۷ / فتح الباری: کتاب الآذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم... إلخ، ج ۲ ص ۲۳۷

## تشریح

اہل علم کے ہاں ایک ضابطہ ہے ”کل من کان له عرف یحمل کلامہ علی عرفہ“ ہر صاحب کلام کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا، مذکورہ قاعدہ اسی ضابطہ پر مفرع ہے۔

قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ کسی لفظ کا من جانب الشارع کوئی معنی متعین نہ ہو مگر عرف میں وہ ایک خاص معنی میں مستعمل ہوتا ہو تو اس کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا، اس طرح اگر کسی لفظ کا کوئی خاص معنی شریعت کی جانب سے متعین نہ ہو، نہ ہی عرف میں وہ کسی خاص معنی میں استعمال ہوتا ہو ایسے الفاظ کو ان کے لغوی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

فائدہ

یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب کہ تینوں معانی میں سے کسی معنی کی تعیین پر قرینہ نہ ہو البتہ کوئی قرینہ ہو تو حسب قرینہ معنی مراد ہوگا۔

مثال برجزء اول: لفظ معنی شرعی اور معنی لغوی کے درمیان دائرہ ہو:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا (التوبة: ۸۴)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے تو تم اس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا۔

یہاں لفظ صلاة وارد ہے اس کا معنی لغوی ”دعا“ ہے اور معنی شرعی ”نماز“ ہے، اور نماز سے مراد یہاں نماز جنازہ ہے، یہاں ”صلوة“ کے صلے میں ”علی“ ہے اور آگے ”مات“ کے لفظ سے متعین ہے کہ یہاں نماز سے مراد نماز جنازہ ہے۔

مثال برجزء ثانی: لفظ معنی عرفی کے اور معنی لغوی کے درمیان دائرہ ہو:

اللَّهُ يَتَوَقَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲)

ترجمہ: اللہ تمام روجوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے)۔



توفی کا ایک معنی لغوی ہے اور ایک معنی عرفی:

لغوی معنی ”کسی چیز کو پورا پورا لے لینا“ اس اعتبار سے توفی کا معنی ہوگا روح اور جسم دونوں کو قبض کر لینا، مگر اس کا معنی عرفی اس کے علاوہ ہے یعنی عرف میں صرف اخذِ روح پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، پس لفظ توفی چونکہ معنی لغوی اور معنی عرفی کے درمیان دائر ہے اس لئے قاعدہ مذکورہ کی بنیاد پر معنی عرفی کو لیا جائے گا اور معنی لغوی کو ترک کر دیا جائے گا۔

مثال برجزء ثالث: لفظ معنی شرعی اور لغوی کے درمیان دائر ہو مگر معنی لغوی پر قرینہ

موجود ہو:

حُذِّ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةٌ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّى عَلَيْهِمْ<sup>ط</sup> (التوبة: ۱۰۳)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے اموال میں سے صدقہ وصول کر لو جس کے

ذریعے تم انہیں پاک کر دو گے اور ان کے لئے باعثِ برکت بنو گے، اور ان

کے لئے دعا کرو۔

صلاة کا ایک معنی لغوی (دعا) ہے، اور ایک معنی شرعی (نماز) ہے، پس از روئے

قاعدہ معنی شرعی مراد ہونا چاہئے، مگر یہاں معنی لغوی کے مراد ہونے پر قرینہ ہے، وہ قرینہ

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی صدقہ

لے کر آتا تو صدقہ لانے والے کو دعا دیتے۔ ایک مرتبہ میرے والد صدقہ کا مال لے کر

آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ آلِ أَبِي أَوْفَى“<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۶۹)

الْفِعْلُ فِي سِيَاقِ النَّفْيِ وَمَا فِي مَعْنَاهُ يُفِيدُ الْعُمُومَ<sup>(۲)</sup>

(۱) صحیح البخاری: کتاب الزکاة، باب صلاة الإمام ودعائه لصاحب الصدقة، ج ۲ ص ۱۲۹، رقم

الحدیث: ۱۳۹۷

(۲) شرح تنقیح الفصول: الباب السادس فی العمومات، الفصل الأول، ج ۱ ص ۱۸۳

## حاصل قاعدہ

فعل جب نفی اور ملحقاتِ نفی کے تحت واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

## تشریح

قاعدہ مذکورہ میں فعل سے مراد فعلِ امر، فعلِ ماضی، فعلِ مضارع تینوں افعال ہیں، اور ملحقاتِ نفی سے نفی، شرط، استفہام مراد ہے، اور اس قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ افعالِ ثلاثہ مذکورہ میں سے کوئی بھی فعلِ نفی، استفہام اور شرط میں سے کسی کے تحت آئے گا تو اس فعل میں عموم کا معنی پیدا ہو جائے گا۔

## فعل تحت النفی کی مثال

وَ لَا يُفْلِحُ السَّاجِرُ حَيْثُ أَتَى ⑩ (ظہ)

ترجمہ: اور جادو گر چاہے کہیں چلا جائے، اسے فلاح نصیب نہیں ہوتی۔

اس آیت میں ”يُفْلِحُ“ فعل مضارع نفی کے تحت واقع ہوا ہے، لہذا یہ عموم کا فائدہ دے گا، اور یہاں ہر قسم کے فلاح کی نفی ہو رہی ہے۔

## فعل تحت النہی کی مثال

وَ لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ⑪ (البقرة: ۱۹۵)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس آیت میں ”تُلْقُوا“ فعل مضارع ہے اور نہی کے تحت واقع ہوا ہے لہذا یہ عموم کا فائدہ دے گا، مطلب یہ کہ اپنے آپ کو کسی بھی قسم کی ہلاکت میں مت ڈالو، یہاں ہر قسم کی ہلاکت میں پڑنے سے روکا جا رہا ہے۔

## فعل تحت الشرط کی مثال

إِنْ يَتَّقُوا كُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً (المتحنة: ۲)

ترجمہ: اگر تم ان کے ہاتھ آ جاؤ تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔

اس آیت میں ”يَتَّقُواكُمْ“ فعل مضارع ہے اور ”إِنْ“ حرف شرط کے تحت واقع ہوا ہے، ”إِنْ يَتَّقُواكُمْ“ میں عموم ہے، اس میں ہر قسم کی قدرت مراد ہے، اگر کسی بھی وقت ان کو کسی بھی قسم کی تمہارے اوپر قدرت حاصل ہو جائے تو تمہارے دشمن بن جائیں گے۔

### قاعدہ نمبر (۷۰)

الْقُرْآنُ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ أَصُولِ الدِّينِ دَلَائِلُهُ وَ مَسَائِلُهُ أَمَّا تَعْرِيفُهُ  
لِلْأَحْكَامِ فَكَثْرُهُ كَلِّيٌّ لَا جُزْئِيٌّ (۱)

### حاصل قاعدہ

قرآن کریم دین کے اصول اور اس کے دلائل و مسائل پر مشتمل ہے، اور احکام کے باب میں قرآن کے اکثر ارشادات قانون کلی کی حیثیت رکھتے ہیں نہ کہ قضیہ جزئیہ کی۔

### تشریح

دین کے اصول و کلیات کا قرآن عزیز میں کلی و شافی بیان ہے، یعنی ان اصول کو دلائل کے ساتھ اچھی طرح واضح کیا گیا ہے، نیز ان اصول تک پہنچنے کے طریقے بھی بیان کر دیئے گئے۔ اصول دین سے مراد مسائل اعتقادیہ قطعہ ہیں۔

جہاں تک احکام کی بات ہے تو قرآن کے بیان کردہ اکثر احکام قانون کلی کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی کسی شخص یا کسی خاص حالت اور زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں، نیز ان کے بیان میں شرائط و ارکان کا استیعاب اور موانع و عوارض کے ذکر کا التزام نہیں کیا گیا ہے، اور اس کی ذمہ داری خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپ دی گئی، اسی لئے احادیث مبارکہ قرآن مقدس کی شرح و تفسیر کہلاتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کے لئے احادیث کی مراجعت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، اگر کسی آیت کی تفسیر احادیث میں نہ ملے تو

(۱) الموافقات: کتاب الأدلة الشرعية، الدلیل الأول، ج ۲ ص ۱۸۰۔

اقوال سلف پر نظر کی جائے ورنہ پھر عربی زبان کے اسالیب و قواعد کی رو سے حل کیا جائے۔  
الغرض قرآن کریم اپنے اختصار کے ساتھ جامع اور کافی کتاب ہے، جس میں دین  
کے اصول و کلیات سمودئے گئے ہیں۔

### تطبیق مثال: اصول دین سے متعلق

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي  
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يُعَلِّمُ مَا  
بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ  
وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ

الْعَظِيمُ ﴿البقرة﴾

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری  
کائنات سنبھالے ہوئے ہے، جس کو نہ کبھی اونگھ لگتی ہے نہ نیند۔ آسمانوں میں جو  
کچھ ہے (وہ بھی) اور زمین میں جو کچھ ہے (وہ بھی) سب اسی کا ہے کون ہے  
جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ سارے  
بندوں کے تمام آگے پیچھے کے حالات خوب جانتا ہے، اور وہ لوگ اس کے علم  
کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لاسکتے، سوائے اس بات کے جسے  
وہ خود چاہے، اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے، اور ان  
دونوں کی نگہبانی سے اسے ذرا بھی بوجھ نہیں ہوتا، اور وہ بڑا عالی مقام، صاحب  
عظمت ہے۔

یہ آیت دین کے اصول پر مشتمل ہے یعنی اس میں ذات اور صفات باری تعالیٰ کی  
تفصیل موجود ہیں۔

فائدہ: علامہ احمد بن منیر اسکندری رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۳ھ) نے ”الانتصاف فیما  
تضمنه الکشاف من الاعتزال“ جو تفسیر کشاف کے ساتھ حاشیہ کی صورت میں چھپا ہوا

ہے، اس حاشیے میں اس آیت کے تحت یہ فرماتے ہیں کہ آیت الکرسی میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر سولہ مرتبہ آیا ہے، بعض جگہ صراحت کے ساتھ، بعض جگہ ضمائر کی صورت میں، اور بعض مواقع میں صفات کی صورت میں، قرآن کریم کی کسی اور آیت میں اس طرح موجود نہیں ہے۔

- ۱..... لفظ ”اللَّهُ“ ۲..... ”هُوَ“ ضمیر ۳..... ”الْحَيُّ“ ۴..... ”الْقَيُّومُ“ ۵..... ”لَا تَأْخُذُهُ“ کی ضمیر ۶..... ”لَهُ“ کی ضمیر ۷..... ”عِنْدَهُ“ کی ضمیر ۸..... ”إِلَّا بِإِذْنِهِ“ کی ضمیر ۹..... ”يَعْلَمُ“ میں موجود ضمیر ۱۰..... ”عَلَيْهِ“ کی ضمیر ۱۱..... ”شَاءَ“ میں موجود ضمیر ۱۲..... ”كُرْسِيِّهِ“ میں موجود ضمیر ۱۳..... ”وَلَا يُؤْذُهُ“ میں موجود ضمیر ۱۴..... ”هُوَ“ ۱۵..... ”الْعَلِيُّ“ ۱۶..... ”الْعَظِيمُ“ (۱)۔

### تطبیق مثال: احکام اور فروع سے متعلق

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ مَعَ الشَّرِيعِينَ ﴿۳۹﴾ (البقرة)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ کے متعلق ایک قانون کلی کو بیان کیا گیا کہ انہیں بجلاؤ، اس کے شرائط و ارکان اور جزئیات و فروع سے تعرض نہیں کیا گیا۔

### قاعدہ نمبر (۱۷)

الْكَلِمَةُ إِذَا احْتَمَلَتْ وُجُوهاً لَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ صَرْفٌ مَعْنَاهَا إِلَّا بَعْضُ وُجُوهاً دُونَ بَعْضٍ إِلَّا بِحُجَّةٍ (۲)

### حاصل قاعدہ

جہاں چند معانی کا احتمال ہو تو کسی ایک معنی کی تعیین دلیل کے بغیر نہیں ہوگی۔

(۱) الانتصاف علی الکشاف: سورة البقرة آیت نمبر ۲۵۵ کے تحت، ج ۱ ص ۳۲۹

(۲) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۱۶ کے تحت، ج ۱ ص ۳۱۵

## مثال مع تطبیق

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَاةَ بِالْهُدَى (البقرة: ۱۷۵)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب کو ترجیح دی ہے (یا اختیار کیا ہے)۔

آیت کریمہ میں لفظ ”اشترء“ وارد ہے جس کے متعدد معانی ہیں۔

اول: ”اعتیاض شیئی ببدل شیئی مکانہ عوضاً منہ“ یعنی ایک شیئی دے کر دوسری شیئی اس کے عوض میں لینا۔

دوم: ”الاختیار والاستحباب“ یعنی ایک شیئی کو دوسری شیئی کے مقابلہ میں ترجیح دینا۔

سوم: ”مطلقاً ایک شیئی کو لینا دوسری شیئی کو چھوڑ دینا“۔

ان معانی ثلاثہ کا بیک وقت آیت میں مراد لینا درست نہیں ہے۔ لہذا معنی مرادی کی تعیین کی ضرورت ہوگی اور دلیل کے بغیر کسی ایک معنی کی تعیین نہیں کی جاسکتی، اور دلیل کا پہلو یہاں پر یہ ہے کہ پہلا معنی مراد لینا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ آیت منافقین کے متعلق ہے۔ اور ان لوگوں کے پاس ہدایت تھی ہی نہیں کہ اس کو دے کر اس کے عوض میں ضلالت لیتے، ہاں دوسرا اور تیسرا معنی معتبر ہے یعنی ان لوگوں نے ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت کو ترجیح دی یا یہ کہ ان کے سامنے دونوں چیزیں تھیں ایک کو قبول کیا دوسرے کو چھوڑ دیا۔

## قاعدہ نمبر (۷۲)

المُحْتَرَزَاتُ فِي الْقُرْآنِ تَقَعُ فِي كُلِّ الْمَوَاضِعِ عِنْدَ الْحَاجَةِ إِلَيْهَا (۱)

حاصل قاعدہ

خلاف مقصود واہمہ کو قرآن حسب ضرورت دفع کر دیتا ہے۔

(۱) القواعد الحسان لتفسیر القرآن: القاعدة السابعة والعشرون، ص ۸۱

## تطبیق مثال

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ

شَيْءٍ (النمل: ۹۱)

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی ہے، اور ہر چیز کا مالک وہی ہے۔

اس آیت میں ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر یعنی مکہ مکرمہ کے رب کی عبادت کروں، اب یہ سوال ہو سکتا تھا کہ اس کی عبادت کیوں کی جائے؟ تو ”وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ“ سے اس کا جواب دے دیا کہ تمام چیزوں پر ملکیت اس کی ہے اور اسی کے لئے تمام اختیارات ثابت ہیں لہذا وہی عبادت کا مستحق ہے۔

مثال نمبر ۲.... لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَبِ (النساء: ۹۵)

ترجمہ: برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں۔

یہاں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ معذورین بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اس لئے ”غَيْرُ أُولِي الضَّرَبِ“ کہہ کر فوراً اس کا دفعیہ کر دیا۔

مثال نمبر ۳.... وَلَا تَسْمِعُ الصَّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَتَوْا مُدْبِرِينَ (النمل)

ترجمہ: اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً) جب وہ پیٹھے پھیر کر چل دیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں آ سکتی تھی کہ بہروں کو پکار نہیں سنا جاسکتی اشارہ تو سمجھایا جاسکتا ہے، اس کو دور کرنے کے لئے فوراً ذکر کر دیا ”إِذَا وَتَوْا مُدْبِرِينَ“

مثال نمبر ۴.... فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكَلَّمْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا (الانبیاء: ۷۹)

ترجمہ: چنانچہ اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان کو دے دی، اور (ویسے) ہم نے

دونوں ہی کو حکمت اور علم عطا کیا تھا۔

یہاں وہم ہو رہا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقابلے میں حضرت داود علیہ السلام کی شان اور منزلت کم تھی، اس لئے فوراً ذکر کر دیا ”وَكَلَّا اتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا“

### قاعدہ نمبر (۷۳)

المُطَّلَقُ يُحْمَلُ عَلَى الْكَامِلِ-<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

مطلق کو فردِ کامل پر محمول کیا جائے گا۔

مثال: ”انما امرت ان اعبد رب هذه البلدة“ اس میں ”البلدة“ سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جیسا کہ البیت بول کر کعبہ مراد لیا جاتا ہے کیونکہ وہ بیت کے افراد میں فردِ کامل ہے۔

### قاعدہ نمبر (۷۴)

النَّفْيُ الْمَقْصُودُ بِهِ الْمَدْحُ لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ مُتَضَمِّنًا لِثَبَاتِ كَمَالٍ ضِدِّهِ-

حاصل قاعدہ

مقامِ مدح میں کی گئی نفی اپنی ضد کے کمال کو ثابت کرتی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كان عامة ما وصف الله به نفسه من النفي متضمنا لإثبات مدح

كقوله تعالى: الله لا إله إلا هو الحي القيوم لا تأخذه سنة ولا نوم:

فنفى السنة والنوم: يتضمن كمال الحياة والقيام، فهو مبين لكمال

أنه الحي القيوم-<sup>(۲)</sup>

(۱) فتح الباری: کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان، قوله باب، ج ۱ ص ۵۳ / تبیین الحقائق: کتاب

الجنایات، فصل قطع ید رجل ثم قتله، ج ۶ ص ۱۲۴

(۲) مجموع الفتاوی: اعتقاد السلف، القاعدة الأولى، ج ۳ ص ۳۶



علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

إن كل ما نفاه الله عن نفسه هو لإثبات كمال ضده۔<sup>(۱)</sup>

علامہ ابن ابی العزحمنی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

كل نفى يأتى فى صفات الله تعالى فى الكتاب والسنة إنما هو

لثبوت كمال ضده۔<sup>(۲)</sup>

## تشریح

نفی نام ہے عدم الشئی کا، اور عدم کوئی شئی نہیں ہے اس لئے صفات سلبیہ جب مقام مدح میں واقع ہوتی ہیں تو وہاں اس کی ضد (صفت مثبت) کا فردِ کامل مراد ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ سے نوم کی نفی کی گئی ہے تو وہاں مقصود اس کی ضد یعنی کمالِ یقظہ کو ثابت کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے بیداری کامل درجہ کی ثابت ہے۔

مثال..... وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ (الفرقان: ۵۸)

ترجمہ: اور تم اس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

یہ آیت مقام مدح میں واقع ہے، اور یہاں اللہ تعالیٰ سے موت کی نفی کی گئی ہے لہذا اس کی ضد یعنی کمال حیات اللہ کے لئے ثابت ہوگی، اس ذات پر بھروسہ کرو جس کے لئے حیات کامل طور پر ثابت ہے۔ یہاں موت کی نفی ہے مقصود کمال حیات کو بتلانا ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (الكهف)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

اس آیت میں ظلم کی نفی ہے مقصود کمالِ عدل کو ثابت کرنا ہے۔

مثال نمبر ۳..... ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيهِ ۗ (البقرة: ۲)

ترجمہ: یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(۱) الصواعق المرسله: الفصل الرابع والعشرون، ج ۳ ص ۱۰۲۳

(۲) شرح العقيدة الطحاوية: المراتب الثلاثة اللتي لا بد منها فى كل خطاب، ج ۱ ص ۱۰۶

یہاں شک کی نفی ہے مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اس کی صحت اور مضامین کی حقانیت اور عند اللہ ہونے میں کوئی ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہے، تو یہاں ریب کی نفی سے مقصود کمال جزم کو ثابت کرنا ہے۔

مثال نمبر ۴:..... لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَافَاً (البقرة: ۲۷۳)

ترجمہ: وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

تو یہاں لوگوں سے سوال کی نفی ہے تو مقصود اس کی ضد یعنی وہ اللہ کے سامنے آہ وزاری کر کے دست سوال پھیلاتے ہیں، لوگوں سے لپٹ کر کے نہیں مانگتے بلکہ وہ اللہ سے مانگتے ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۷۵)

النِّكَرَةُ إِذَا تَكَرَّرَتْ دَلَّتْ عَلَى التَّعَدُّدِ بِخِلَافِ الْمَعْرِفَةِ - (۱)

حاصل قاعدہ

نکرہ جب مکرر ہو تو تعدد پر دلالت کرتا ہے بخلاف معرفہ کے۔

تشریح

کوئی اسم جب دو مرتبہ ذکر کیا جائے تو اس کی چار صورتیں بنتی ہیں:

۱..... اعادہ معرفہ بصورت معرفہ یعنی دونوں مرتبہ معرفہ ذکر کیا جائے۔

۲..... اعادہ نکرہ بصورت نکرہ یعنی دونوں مرتبہ نکرہ ذکر کیا جائے۔

۳..... اعادہ نکرہ بصورت معرفہ یعنی پہلے نکرہ لایا جاوے پھر معرفہ۔

۴..... اعادہ معرفہ بصورت نکرہ یعنی پہلے معرفہ لایا جائے پھر نکرہ۔

اگر دونوں مرتبہ معرفہ لایا جائے تو عموماً اسم ثانی سے اسم اول ہی مراد ہوتا ہے، اور اگر

(۱) فتح الباری: کتاب الجمعة، باب انتقام الرب عز وجل من خلفه بالقحط، ج ۲ ص ۵۰۳ / نیل الأوطار: کتاب الاستسقاء، باب ما یقول وما یصنع الخ، ج ۳ ص ۱۹

دونوں مرتبہ نکرہ لایا جاوے تو عموماً اسمِ ثانی سے اسمِ اول کا غیر مراد ہوتا ہے۔ اور اگر پہلی مرتبہ نکرہ اور دوسری مرتبہ معرفہ واقع ہو تو اسمِ ثانی سے اسمِ اول ہی مراد ہوتا ہے، اور اگر پہلی مرتبہ معرفہ اور دوسری مرتبہ نکرہ ہو تو قرینہ کے مطابق مراد متعین کی جاتی ہے۔

فائدہ: مختلف صورتوں کے جو مختلف احکام پیش کئے گئے یہ سب عمومی اور اکثری ہیں کبھی قرائن و عوارض کی وجہ سے اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

### اعادہ معرفہ بصورت معرفہ کی مثال

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۞ (الفاتحة)

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے۔

اس میں صراطِ دو مرتبہ واقع ہوا ہے اور دونوں معرفہ ہے، صراطِ اول معرفہ ہے الف لام کی وجہ سے، اور صراطِ ثانی اضافت الی المعرفة کی وجہ سے، لہذا صراطِ ثانی سے صراطِ اول ہی مراد ہے، مختصر یہ ہے کہ دونوں صراط سے صراطِ مستقیم ہی مراد ہے۔

### اعادہ نکرہ بصورت نکرہ کی مثال

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ

مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً\* (الروم: ۵۴)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کمزوری سے کی، پھر کمزوری کے بعد طاقت عطا فرمائی، پھر طاقت کے بعد (دوبارہ) کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔

یہاں نکرہ کا اعادہ نکرہ سے ہے، لہذا ہر جگہ مراد مختلف ہے، ضَعْفِ اول سے مراد یا تو نطفہ ہے یا مٹی ہے اور ضَعْفِ ثانی سے مراد جنین ہونے کی حالت کا ضَعْفِ ہے یا ولادت کے بعد طفولیت کے زمانہ کا ضَعْفِ ہے، اور ضَعْفِ ثالث سے مراد بڑھاپے کا ضَعْفِ ہے۔

مقام واحد میں معرفہ نکرہ دونوں کا اعادہ معرفہ و نکرہ ہر دو صورت میں قرآن کریم کی آیت ”فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۖ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۗ“ کے اندر معرفہ اور نکرہ دونوں کا تکرار یکجا واقع ہے ”عسر“ دو مرتبہ آیا ہے اور دونوں مرتبہ معرفہ اور ”یسر“ دو مرتبہ آیا ہے اور دونوں مرتبہ نکرہ، لہذا قاعدہ مذکورہ کی روشنی میں ”عسر“ ثانی سے مراد ”عسر“ اول ہی ہے اور ”یسر“ ثانی سے مراد ”یسر“ اول کا غیر ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ”عسر“ کے مقابلے میں دو یسر ہے، اور یہی بات روایت سے بات بھی ثابت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں یہ جملہ لکھا: ”لَنْ يَغْلِبَ عَسْرُ يَسْرِينَ“ (۱) یعنی ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہو سکتی۔

اسم اول کے نکرہ اور اسم ثانی کے معرفہ واقع ہونے کی مثال

كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۗ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ

(المزمل: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول (موسیٰ) کو بھیجا، پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی۔

اس میں ”رسول“ دو مرتبہ آیا ہے، اور موخر الذکر ”الرسول“ سے اول الذکر ہی رسول مراد ہے یعنی دونوں جگہوں پر ایک ہی رسول مراد ہے اور وہ رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

اسم اول معرفہ اور اسم ثانی نکرہ واقع ہونے کی مثال

یہ بات گزر چکی کہ اس قسم میں قرینہ کے ذریعہ مراد متعین کی جاتی ہے اور قرینہ دو قسم کا

ہوتا ہے:

۱..... وہ قرینہ جو مغایرت پر دلالت کرے۔ ۲..... وہ قرینہ جو اتحاد پر دلالت کرے۔

(۱) موطا مالک: کتاب الجہاد، باب الترغیب فی الجہاد، ج ۲ ص ۲۲۶

## مغایرت پر دلالت کا قرینہ

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ

سَاعَةٍ<sup>ط</sup> (الروم: ۵۵)

ترجمہ: اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا) میں نہیں رہے مگر ایک گھڑی۔

اس میں ”الساعة“ دو مرتبہ وارد ہے اول معرفہ، ثانی نکرہ، اور سیاقِ مضمون مغایرت پر دلالت کرتا ہے یعنی دونوں ساعت کی مراد جدا جدا ہے۔ ساعت اول سے مراد قیامت ہے اور ساعت ثانی سے مراد وقت اور زمانہ ہے۔

## قرینہ دالہ علی الاتحاد کی مثال

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ<sup>ع</sup>

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرِ ذِي عَوَاجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ<sup>ح</sup> (الزمر)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی خاطر ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ لوگ سبق حاصل کریں، یہ عربی قرآن جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں تاکہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔

اس میں ”قرآن“ دو مرتبہ وارد ہے اول معرفہ ثانی نکرہ، اور اس قرآن کے علاوہ کسی دوسرے قرآن کا نہ ہونا اتحاد کا قرینہ ہے یعنی دونوں جگہ ایک ہی قرآن مراد ہے۔

## دونوں جگہ معرفہ

۱..... فَأَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۗ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ<sup>ط</sup> (الزمر: ۳، ۲)

ترجمہ: اسی لئے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اس کے لئے ہو، یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے۔

اس آیت میں ”الدِّينَ“ دونوں جگہ معرفہ آیا ہے، لہذا دونوں سے ایک ہی مراد ہے۔

۲..... وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسْبًا ۖ وَلَقَدْ عَلِمْتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۹۰﴾ (صافات)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ اور جنات کے درمیان بھی نسبی رشتہ داری بنا رکھی ہے، حالانکہ خود جنات کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ لوگ مجرم بن کر پیش ہوں گے۔

اس آیت میں ”الْجِنَّةُ“ دونوں جگہ معرفہ آیا ہے، لہذا دونوں سے ایک ہی مراد ہے۔

۳..... وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ۗ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَاحِمَتْهُ ۗ (المومن: ۹)

ترجمہ: اور ان کو ہر طرح کی برائیوں سے محفوظ رکھ، اور اس دن جسے تو نے برائیوں سے محفوظ کر لیا، اس پر تو نے بڑا رحم فرمایا۔

اس آیت میں بھی دونوں جگہ ”السَّيِّئَاتِ“ معرفہ آیا ہے۔

### دونوں جگہ نکرہ

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (البقرة: ۴۸)

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا۔

اس آیت میں ”نَفْسٌ“ دونوں جگہ نکرہ آیا ہے، لہذا ہر نفس سے مراد الگ الگ نفس ہوگا۔

### پہلی جگہ نکرہ دوسری جگہ معرفہ

۱..... مَثَلُ نُورٍ كَمِثْلِهِ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۗ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۗ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ

(النور: ۳۵)

ترجمہ: اس کے نور کے مثال کچھ یوں ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ

رکھا ہو، چراغ ایک شیشے میں ہو، شیشہ ایسا ہو جیسے ایک ستارہ۔

اس آیت میں ”مِصْبَاحٌ“ پہلے نکرہ پھر معرفہ آیا ہے، اسی طرح ”زُجَاجَةٍ“ پہلے نکرہ پھر

معرفہ آیا ہے، لہذا قاعدے کے مطابق دونوں سے ایک ہی مراد ہوگا یعنی دونوں جگہ

”مِصْبَاحٌ“ اور ”زُجَاجَةٍ“ سے ایک ہی مراد ہوگا۔

۲..... وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۱﴾ صِرَاطِ اللَّهِ (الشوری: ۵۲، ۵۳)

ترجمہ: بے شک آپ (لوگوں کی) رہنمائی کرتے ہوئے سیدھے راستے کی

طرف، جو اللہ کا راستہ ہے۔

اس آیت میں پہلے ”صِرَاطٍ“ نکرہ آیا ہے، پھر ”صِرَاطِ اللہ“ اضافت کی وجہ سے معرفہ استعمال ہوا ہے، نکرہ کا اعادہ معرفہ کے ساتھ ہو تو عین اولیٰ مراد ہوتا ہے۔

۳..... فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ۗ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ

(الشوریٰ: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے، الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اس آیت میں پہلے ”سَبِيلٍ“ نکرہ آیا ہے پھر معرفہ آیا ہے لہذا دونوں سے ایک ہی

مراد ہے۔

### پہلی جگہ معرفہ دوسری جگہ نکرہ

۱..... يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ (النساء: ۱۵۳)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) اہل کتاب تم سے (جو) مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کراؤ (تو یہ کوئی نئی بات نہیں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بھی اس سے بڑھ کر مطالبہ کیا تھا)۔

اس آیت میں پہلے ”الکتاب“ معرفہ آیا ہے اور پھر نکرہ آیا ہے، لہذا ان میں سے ہر

ایک دوسرے کا غیر ہے۔

۲..... وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْصَيْنَاهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ۗ هُدًى وَذِكْرًا

لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ (المومن)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی، اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث

بنایا، جو عقل والوں کے لئے سراپا ہدایت اور نصیحت تھی۔

اس آیت میں ”الہُدٰی“ پہلے معرفہ آیا ہے اور پھر نکرہ، دونوں سے الگ الگ

مراد ہے۔

## قاعدہ نمبر (۷۶)

النَّكْرَةُ فِي سِيَاقِ الْإِثْبَاتِ لَا تَعْمُ إِلَّا إِذَا أُضِيفَ إِلَيْهَا كَلٌّ أَوْ كَانَتْ فِي سِيَاقِ الْإِمْتِنَانِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

نکرہ تحت الاثبات واقع ہو تو مفید عموم نہیں ہوتا ہے، ہاں مگر جب اس کی طرف لفظ ”کل“ کی اضافت کر دی جائے، یا وہ نکرہ معرض امتنان میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دے گا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

النكرة في سياق الإثبات لا عموم فيها باتفاق أهل اللسان ومحقق أهل العلم - (۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

النكرة في سياق الإثبات لا تعم - (۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

نكرة في سياق الإثبات فلا عموم فيها - (۴)

## تشریح

قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ تحت الاثبات واقع ہو تو عموم کا فائدہ نہیں دیتا مگر اس سے دو حالتیں مستثنیٰ ہیں۔

۱..... ایک یہ کہ اس نکرہ کی طرف لفظ کل کی اضافت کر دی جائے۔

(۱) البرهان في علوم القرآن: النوع الثاني والثلاثون، ج ۲ ص ۷

(۲) تفسیر القرطبی: سورة النحل آیت نمبر ۶۹ کے تحت، ج ۱۰ ص ۱۳۷

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الرحمن آیت نمبر ۶۳ کے تحت، ج ۷ ص ۳۶۷

(۴) فتح الباری: کتاب الرهن، باب من ملك من العرب رقيقاً فوهب إلخ، ج ۵ ص ۱۷۱



۲..... دوسرا یہ کہ وہ نکرہ ایسے مقام پر واقع ہو جہاں انعام و احسان کا تذکرہ چل رہا ہو۔  
مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ کبھی کبھی سیاق کلام کی دلالت سے نکرہ تحت الاثبات بھی عام  
ہوتا ہے، جیسے: عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرْتُ ۙ (التکویر) عَلِمْتُ نَفْسٌ مَّا قَدَّمْتُ وَ  
أَخَّرْتُ ۙ (الإنفطار) یہاں ”نفس“ نکرہ عموم کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے  
مقام پر فرمایا: ”هُنَالِكَ تَبْلُغُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ“ (یونس: ۳۰)

### نکرہ تحت الاثبات کی مثال

۱..... قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَكُمْ (البقرة: ۸۰)  
ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیجیے کیا تم نے حق تعالیٰ سے (اس کے متعلق کہ جہنم کی  
آگ بجز چند روز کے تم کو نہیں چھوئے گی) کوئی معاہدہ لے لیا ہے جس میں  
اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے۔

۲..... وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ (البقرة: ۱۰۱)  
ترجمہ: اور جب ان کے پاس ایک عظیم الشان پیغمبر (یعنی محمد صلی اللہ علیہ  
وسلم) آئے اللہ کی جانب سے۔

اس میں عہد اور رسول سے مراد خاص عہد اور خاص رسول ہے، عہد سے عہد عدم خلود  
فی النار اور رسول سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

### کل کے مضاف ہونے کی مثال

وَ جَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَ شَهِيدٌ ۙ (ق)  
ترجمہ: اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا، اور  
ایک گواہی دینے والا۔

یہاں ”نفس“ نکرہ تحت الاثبات واقع ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مفید عموم نہ ہو مگر  
جب اس کی طرف لفظ ”کل“ کی اضافت کی گئی تو معنی میں عموم پیدا ہو گیا، کیوں کہ لفظ کل  
الفاظ عموم میں سے ہے۔

## معرضِ امتنان میں نکرہ واقع ہونے کی مثال

وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۝ (الفرقان: ۴۸)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی برسایا۔

یہاں لفظ ”ماء“ نکرہ معرض امتنان میں واقع ہونے کی وجہ سے عام ہے، اور مطلب

یہ ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والا ہر پانی طہور ہے۔

## سیاق کلام کی وجہ سے عموم پیدا ہونے کی مثال

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝ (التکویر)

ترجمہ: ہر نفس جان لے گا اپنے کئے ہوئے اعمال۔

اور

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ آخَرَتْ ۝ (الانفطار)

ترجمہ: ہر شخص اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

ان دونوں آیتوں میں ”نفس“ نکرہ ہے اور تحت الاثبات واقع ہے، مگر چونکہ ما قبل

سے مضمون قیامت اور آخرت کے مناظر اور حساب و کتاب کے متعلق چلا آ رہا ہے، اور

ظاہر ہے کہ قیامت اور آخرت کے ان امور کا تعلق ہر کس و ناکس کے ساتھ ہے، جیسا کہ

قرآن کی سورہ یونس کی آیت: ”هٰنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ“ (یونس: ۳۰) کے اندر

بتلایا گیا، اس سیاق کلام کی وجہ سے مذکورہ دونوں آیتوں میں عموم کا معنی ملحوظ ہے اور ”نفس“

سے ”کل نفس“ مراد ہے۔

## قاعدہ نمبر (۷۷)

النَّهْيُ عَنِ اللَّازِمِ اَبْلَغُ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى النَّهْيِ عَنِ الْمَلْزُومِ فِي النَّهْيِ

عَنْهُ اِبْتِدَاءً۔ (۱)

(۱) الکلیات لأبی البقاء: فصل فی المتفرقات، ج ۱ ص ۱۰۳۵

## حاصل قاعدہ

لازم حکم سے نہیں ملزوم (یعنی نفس حکم) کی نہیں سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

## تشریح

کسی فعل سے نہیں کی دو صورتیں ہیں:

اول: یہ کہ اسی فعل سے نہیں کر دی جائے، جیسے ”لا تاکلوا الربوا“

دوم: یہ کہ اس فعل سے نہیں کی بجائے لازم فعل سے نہیں کی جائے، جیسے یوں کہا

جائے: ”لا تقربوا الزنی“ تو یہ نہیں زیادہ بلیغ ہے کیوں کہ اس میں ملزوم (فعل زنا) کے ساتھ ساتھ اس کے لازم (مقاربت زنا) سے بھی نہیں ہے، جس سے نہیں میں تاکید اور مبالغہ پیدا ہوتا ہے۔

فائدہ: نہیں پر مشتمل یہ قاعدہ نفی میں بھی منطبق ہوتا ہے یعنی لازم فعل کی نفی، نفس فعل

کی نفی سے بلیغ ہوتی ہے، جیسے:

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (النساء)

ترجمہ: ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے نزدیک تک نہیں آتے؟

یہاں قرب فہم کی نفی ان کی شدید جہالت و حماقت پر دال ہے۔

وَلَا تَقْرُبُوا الزَّانِيَ إِنَّمَا كَانَ فَاحِشَةً وَ سَاءَ سَبِيلًا (الإسراء)

ترجمہ: اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ

روی ہے۔

یہاں زنا کی قربت سے نہیں کی گئی جو نفس زنا کی نفی سے بلیغ ہے، کیوں کہ اس میں زنا

اور مقدمات زنا دونوں سے نہیں ہو گئی۔

مثال نمبر ۲..... وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ (الأنعام: ۱۵۱)

ترجمہ: اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ، خواہ

اعلانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں۔

مثال نمبر ۳..... وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (الأنعام: ۱۵۲)

ترجمہ: اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے۔

پہلی آیت میں بے حیائی کے قرب سے نہیں کی گئی، اور دوسری آیت میں مال یتیم کے قریب جانے سے روکا گیا، یہ نہیں نفس کو ان اعمال کے کرنے سے زیادہ بلوغ ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ بے حیائی کے کام نہ کرو، یتیم کا مال نہ کھاؤ، نفس افعال ہی سے صرف نہیں روکا گیا بلکہ اس کے قرب سے بھی ممانعت کی گئی، چونکہ قریب جانا عموماً سبب بن جاتا ہے ان افعال میں پڑنے کا، تو یہاں فعل اور مقدمات فعل دونوں سے نہیں ہے، اسی وجہ سے یہ نہیں بہ نسبت نفس افعال کی نہیں سے زیادہ بلوغ ہے۔

### قاعدہ نمبر (۷۸)

إِيرَادُ الْإِنْشَاءِ بِصِغَةِ الْخَبَرِ أْبْلَغُ مِنْ إِيرَادِهِ بِصِغَةِ الْإِنْشَاءِ (۱)

حاصل قاعدہ

انشاء بصیغہ خبر زیادہ بلوغ ہوتا ہے انشاء بصورت انشاء کے مقابلہ میں۔

تشریح

یعنی انشاء کو بصورت خبر ذکر کرنا بصورت انشاء ذکر کرنے سے بلوغ ہوتا ہے، اس سے مامور بہ کی تاکید اور اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے بایں طور کہ وہ امر اس قدر مطلوب اور سریع الامتثال تھا کہ گویا وہ کر دیا گیا پھر اس کے وقوع کی خبر دی گئی، جیسے قرآن میں ہے ”لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ“ یہ نفی ہے اور لیکن مراد اس سے نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر یہاں نہیں کی بجائے نفی کا صیغہ ذکر کیا جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے ہو جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ حکم اتنا اہم ہے کہ مخاطب سنتے ہی اس پر عمل پیرا ہو گیا۔

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الحج آیت نمبر ۲۷ کے تحت، ج ۵ ص ۲۰

اس قاعدے (انشاء بصورت خبر) کی دو صورتیں ہیں:

۱.....نبی کو نفی کے صیغہ کے ساتھ لایا جائے۔

۲.....امر کو صیغہ مضارع کے ساتھ لایا جائے۔

### نبی بصورت نفی کی مثال

فَلَا رَافَتْ وَ لَا فُسُوْقٌ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط (البقرة: ۱۹۷)

ترجمہ: توجح کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔

اس میں نفی نہیں کے معنی میں ہے، اور آیت کا حاصل ہے:

”فلا ترفثوا ولا تفسقوا ولا تجادلوا في الحج“

### امر بصورت خبر کی مثال

۱.....وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرة: ۲۳۳)

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں۔

۲.....وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ط (البقرة: ۲۲۸)

ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے

آپ کو انتظار میں رکھیں۔

ان دونوں مثالوں میں صیغہ مضارع وارد ہے جو امر کے معنی میں ہے۔

پہلی مثال میں ماؤں کو دودھ پلانے کا حکم دیا جا رہا ہے، اور دوسری مثال میں مطلقہ

عورتوں کو تین حیض تک عدت گزارنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اس انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ احکام اتنے موکد ہیں کہ مکلف نے سنتے ہی اس کو

پورا کر دیا۔

### قاعدہ نمبر (۷۹)

بَعْضُ الْأَسْمَاءِ الْوَارِدَةِ فِي الْقُرْآنِ إِذَا أُفْرِدَ دَلَّ عَلَى الْمَعْنَى الْعَامِ

الْمُنَاسِبِ لَهُ وَإِذَا قُرِنَ مَعَ غَيْرِهِ دَلَّ عَلَى بَعْضِ الْمَعْنَى وَدَلَّ مَا قُرِنَ  
مَعَهُ عَلَى بَاقِيهِ-<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

قرآن میں بعض کلمات ایسے ہیں کہ اگر ان کا استعمال انفراداً ہو تو اپنے معنی عام پر دلالت کرتے ہیں، اور اگر وہ مقرون مع الغیر ہو کر مستعمل ہوں تو معنی کے بعض افراد پر دلالت کرتے ہیں، اور دیگر افراد پر وہ دوسرا کلمہ دال ہوتا ہے جو اس کے ساتھ مقرون ہوتا ہے۔

### تشریح

الفاظ اور کلمات دو طرح کے ہیں۔ اول وہ کلمات جو انفراداً و اجتماعاً (یعنی خواہ تنہا مستعمل ہوں یا دوسرے کلمہ کے ساتھ) ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں یعنی اگر انفراداً استعمال کیا جائے تب بھی اپنے اسی معنی پر دال ہوتے ہیں اور اجتماعاً مستعمل ہوں تب بھی اسی معنی پر دال ہوتے ہیں۔

مگر کلمہ کی ایک دوسری قسم وہ ہے جس کی دلالت اختلاف احوال کے مطابق بدلتی رہتی ہے، یعنی کبھی اطلاق پر دال ہوتے ہیں تو کبھی تقیید پر، کبھی تجرید پر تو کبھی اقتران پر۔

مذکورہ قاعدہ میں یہی بتایا گیا ہے کہ بعض کلمات انفراداً استعمال کی صورت میں اپنے معنی عام (یعنی جملہ افراد معنی) پر دال ہوتے ہیں، مگر جب وہ قریب المعنی کسی کلمہ کے ساتھ آتے ہیں تو صرف بعض افراد پر دال ہوتے ہیں، کیوں کہ دوسرے بعض افراد پر وہ کلمہ مقرونہ دال ہوتا ہے۔

اسی قاعدہ کو کسی نے یوں تعبیر کیا ہے:

تختلف دلالة بعض الأسماء باختلاف أحوالها من حيث الإطلاق و

التقييد و التجريد و الاقتران-

(۱) القواعد الحسان لتفسير القرآن: القاعدة السابعة عشرة، ص ۴۸

مثال نمبر ۱..... اَعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ (البقرة: ۲۱)

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (هود: ۱۲۳)

پہلی آیت میں عبادت کا لفظ افراد اور دہوا ہے یعنی اس کے ساتھ اس کے متقارب  
المعنی کوئی لفظ نہیں، پس وہاں عبادت کا معنی ہوگا "جميع ما يحبه الله تعالى من الأقوال  
و الأعمال الظاهرة و الباطنة"

(وہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال و اقوال جو عند اللہ محبوب ہوں) مگر دوسری آیت میں  
لفظ توکل کے ساتھ وارد ہے جو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے، کیوں کہ توکل کی تفسیروں کی جاتی ہے  
"التوکل هو صدق اعتماد القلب على الله عز وجل في استجلاب

المنافع و دفع المضار من أمور الدنيا والآخرة" (۱)

یعنی ہر نفع کی تحصیل اور ہر مضرت کے دفع کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر دل سے  
اعتماد کرنا۔

تو چونکہ توکل کا تعلق قلب کے خیال و اعتقاد سے ہے، اس لئے یہاں پر (جب کہ  
عبادت کو توکل کے ساتھ مقرر و ناذر کیا گیا ہے تو) عبادت سے مراد ظاہری و باطنی اعمال کا  
بجالانا ہوگا۔

مثال نمبر ۲..... لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (البقرة: ۲۷۳)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسْكِينِ (التوبة: ۶۰)

پہلی آیت میں لفظ فقیر افراد مستعمل ہے اس لئے وہاں یہ لفظ فقیر اور مسکین دونوں کو  
شامل ہے، اور دوسری آیت میں فقیر کے ساتھ مسکین بھی وارد ہوا ہے اس لئے فقیر اپنے معنی  
میں ہے، مسکین کے معنی کو شامل نہیں ہے۔

مثال ۳..... وَعَلَى اللَّهِ قَلْبَتَا كُلِّ الْمُؤْمِنِينَ (ابراہیم)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (الأحزاب: ۳۵)

(۱) جامع العلوم والحکم: الحدیث التاسع والأربعون، ج ۲ ص ۳۹۷

پہلی آیت میں تنہا مؤمن کا لفظ آیا ہے، جب کہ دوسری آیت میں مؤمن کے ساتھ مسلم وارد ہوا، پس آیت اولیٰ میں ایمان کا معنی عام یعنی تصدیق، اقرار اور اعمالِ ظاہرہ سب مراد ہوگا، اور دوسری آیت میں ایمان سے مراد فقط تصدیق و اقرار، اور اسلام سے مراد اعمالِ ظاہرہ کا بجالانا ہوگا۔

### قاعدہ نمبر (۸۰)

تُحْمَلُ الْآيَةُ عَلَى الْمَعْنَى الَّتِي اسْتَفَاضَ النَّقْلُ فِيهِ عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ  
وَإِنْ كَانَ غَيْرَهُ مُحْتَمَلًا<sup>(۱)</sup>

#### حاصل قاعدہ

اہل علم سے جو معنی بطور تواتر منقول ہو آیت کو اس پر محمول کیا جائے گا گو اس کے علاوہ معنی کا بھی احتمال ہو۔

#### تشریح

کبھی لفظ متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے لیکن محض معنی کا محتمل ہونا آیت کی مراد اور تفسیر کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ تعیین معنی کے لئے بہت سے اصول و ضوابط ہیں جن میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ کبھی لفظ کے محتمل معانی میں سے کوئی ایک معنی اس کی تفسیر میں اہل علم سے منقول ہوتا چلا آ رہا ہے اور دوسرے معنی کی طرف بالکل التفات نہیں کیا جاتا۔ پس جہاں کہیں اس طرح دو یا دو سے زائد معانی کا اجتماع ہو جائے تو سلف سے منقول معنی کو تقدیم و ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ فہم سلف ہماری فہم سے زیادہ معتبر ہے۔

#### تطبیق مثال

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ<sup>ط</sup> (البقرة: ۷۴)

(۱) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۷۴ کے تحت، ج ۲ ص ۲۳۳



ترجمہ: اور انہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں۔

اس آیت میں پتھروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ بعض پتھر اللہ کی خشیت و خوف سے لڑکتے ہیں۔

اب اس کی مراد میں اہل تفسیر کے مختلف اقوال ہیں: پہلا قول: یہ ہے کہ پتھروں کے سایوں کا جھکنا اور مائل ہونا ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں اس کا بیان ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَّقِيُوْا ظِلَلَهُ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاوِيْلِ  
سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذٰخِرُوْنَ ﴿۵﴾ (النحل)

ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے، اس کے سائے اللہ کو سجدے کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکے رہتے ہیں، اور وہ سب عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ظاہر ہوئی تھی اور اس کے نتیجے میں وہ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ بعض پتھروں کو اللہ نے عقل و معرفت دی ہے آیت میں وہ خاص پتھر مراد ہیں، پھر یہ پتھر عقل سے کام لے کر اللہ کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ اس آیت میں پتھروں کی حالت کو خاشع من اللہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یہ تمام اقوال بعید المعنی نہیں اور آیت میں ان کی گنجائش بھی ہے تاہم سلف کی تفسیر اس کے علاوہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ خشیت اپنے اصلی معنی (عظمت آمیز خوف) میں ہے، اور اللہ کے حق میں تمام جمادات ذی عقل ہیں پس مذکورہ قاعدہ کی رو سے یہی معنی راجح ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۸۱)

تُحْمَلُ نُصُوصُ الْكِتَابِ عَلَى مَعْهُودِ الْأُمِّيِّينَ فِي الْخِطَابِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

نصوص کے خطابات کو عرب امیین کے مزاج و محاورہ کی روشنی میں سمجھا جائے گا۔

علامہ سلیمان بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا بد في فهم الشريعة من إتباع معهود الأميين و هم العرب

الذين نزل القرآن بلسانهم فإن كان للعرب في لسانهم عرف

مستمر فلا يصح العدول عنه في فهم الشريعة - (۲)

## تشریح

قرآن مجید جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعلیٰ فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے، جس کے اولین مخاطب اہل عرب جو امی تھے، متقدمین کے علوم سے وہ یکسر ناواقف تھے، ان کے اسالیب و تعبیرات اور دقائق و اشارات سے وہ بالکل نا آشنا تھے، بقول علامہ شاطبی رحمہ اللہ وہ تکلفات و تصنعات سے بہت دور تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان متقدمین کے طرز کلام اور فلسفیانہ انداز کو نہ اپنا کر ان امیین کے طرز گفتگو پر قرآن مجید کو نازل فرمایا تاکہ وہ کلام الہی کی مرادوں کو باسانی سمجھ سکیں۔

مثلاً آپ غور کیجیے کہ دلائل توحید کے ضمن میں بجائے عقلیات و نظریات کی دقیقہ سنجیوں کے ارض و سماء، جبال و صحاب جیسی بدیہی اور روشن چیزوں کو مدار گفتگو بنایا، اسی طرح جنت کی نعمتوں کا تعارف کرانے کے لئے ان کے درمیان پائی جانے والی اشیاء نعمت کا سہارا لیا گیا، مثلاً فرمایا:

(۱) الموافقات للشاطبي: القسم الأول، النوع الثاني، ج ۲ ص ۱۳۱

(۲) عناية المسلمين باللغة العربية خدمة للقرآن الكريم: ج ۱ ص ۳۳

وَ أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۗ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ۗ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۖ وَ طَلْحٍ  
مَّنْضُودٍ ۖ وَ ظِلِّ مَمْدُودٍ ۖ (الواقعة)

ترجمہ: اور جو دائیں ہاتھ والے ہوں گے، کیا کہنا ان دائیں ہاتھ والوں کا۔  
(وہ عیش کریں گے) کانٹوں سے پاک بیڑیوں میں، اور اوپر تلے لدے  
ہوئے کیلے کے درختوں میں، اور دور تک پھیلے ہوئے سائے میں۔

نیز دوسری آیتوں میں جنت کے دودھ، پانی، شراب، شہد، کھجور، انگور وغیرہ کا تو ذکر  
فرمایا جن سے عرب واقف تھے مگر بادام، اخروٹ، امرود، سیب کو نہیں چھیڑا کیونکہ یہ چیزیں  
عرب میں پیدا نہ ہونے کے سبب اہل عرب کے لئے نامانوس تھیں۔

نیز دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و عظمت کو سمجھانے کے لئے حیوانات کی دنیا سے  
اونٹ کو عنوان بنایا اور فرمایا:

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۗ (الغاشية)

ترجمہ: تو کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے پیدا کیا گیا؟

ہاتھی کو اس مقام پر ذکر نہیں فرمایا جب کہ وہ قد و قامت اور جسامت میں اونٹ سے بہت  
بڑھ کر ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہاتھی اہل عرب کے ہاں معروف و مشہور نہیں تھا۔  
الغرض قرآن مجید عرب کے اسلوب و منہج پر نازل ہوا ہے اس لئے اس کی مرادوں کو  
سمجھنے کے لئے ان کے مزاج و محاورہ کا لحاظ ضروری ہوگا، جیسے:

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَيْنِ ۖ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۗ (المائدة: ۶۴)

لَهَا خَلْقٌ بَيْدَايَ ۗ (ص: ۷۵)

تطبیق

اس طرح کی آیات میں بعض مفسرین نے ”ید“ کی تفسیر ”نعمت“ سے کی ہے یہ تفسیر  
زبان عربی کے مزاج و مذاق کے موافق نہیں ہے، کیونکہ عربوں کے یہاں ”ید“ بول کر ”نعمت“  
مراد نہیں لی جاتی ہے، یوں نہیں کہا جاتا ”فَعَلْتُ بَيْدِي“ اور ”ید“ سے مراد ”نعمت“ لی جائے۔

## قاعده نمبر (۸۲)

تَفْهَمُ مَعَانِيَ الْأَفْعَالِ عَلَى ضَوْءِ مَا تَتَعَدَّى بِهِ۔<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعده

افعال کے معانی ضلالت سے متعین کئے جاتے ہیں۔

مثال: مثلاً ایک فعل ہے ”نظر“

اس کے استعمال کی تین صورتیں ہیں اور ہر صورت میں معنی جدا ہے۔

اول: بغیر صلہ کے اس کا استعمال کیا جائے اس وقت معنی ہوگا توقف اور انتظار کرنا، جیسے:

اَمْنُوا اَنْظُرُوْنَا نَقْتَبِسُ مِنْ نُورِكُمْ ..... اى انتظار ونا۔ (الحديد: ۱۳)

یعنی منافقین اہل ایمان سے کہیں گے تم ذرا ٹھہرو اور ہمارا انتظار کرو تا کہ ہم تمہارے

نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں۔

دوم: حرف جر ”إلى“ کے ساتھ استعمال کیا جائے، اس صورت میں معنی ہوگا مشاہدہ

کرنا، آنکھوں سے دیکھنا، جیسے سورہ قیامہ میں ہے ”وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةً ۗ إِلَىٰ رَبِّهَا

نَاطِرَةً ۗ“ یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے تروتازہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

سوم: ”فی“ کے ساتھ استعمال ہو تو اس وقت غور و فکر کرنے اور عبرت لینے کے معنی

میں ہوگا، جیسے:

أَوْ لَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ (الأعراف: ۱۸۵)

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں۔

## قاعده نمبر (۸۳)

تَقْدِيمُ الْعِتَابِ عَلَى الْفِعْلِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى لَا يَدُلُّ عَلَى تَحْرِيمِهِ۔<sup>(۲)</sup>

(۱) قواعد التفسير: المقصد الثالث: القواعد اللغوية، ج ۱ ص ۳۶۱

(۲) بدائع الفوائد: معاتبه الله بنبيه، ج ۳ ص ۷

## حاصل قاعدہ

کسی فعل پر اللہ کی جانب سے عتاب نازل ہوا ہو اس کے خلاف اولیٰ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اسی کو متقدمین اور بعض متاخرین کی اصطلاح میں مکروہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر بعض علماء نے منہیات کی تقسیم کی ہے، ایک وہ حکم جو صیغہ نہی سے ممنوع کیا گیا ہو، دوسرے وہ جس کی ممانعت صیغہ امر سے مستفاد ہو، کیوں کہ جس چیز کا امر کیا گیا ہو اس کی ضد ممنوع ہوگی۔ قسم اول کو مکروہ اور قسم ثانی کو خلاف اولیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ کسی فعل کے متعلق عتاب سے صرف اس کے خلاف اولیٰ ہونے پر دلالت ہوتی ہے، حرمت کا درجہ اس سے مانوق ہے۔ لہذا اس کے لئے خارجی دلائل وقرائن کی ضرورت ہوگی۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ مقامات پر اپنے نبی کو مورد عتاب بنایا ہے۔ سورہ انفال، سورہ براءۃ، سورہ احزاب، سورہ تحریم اور سورہ عبس میں۔

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۗ (الأنفال: ۶۷)

ترجمہ: یہ بات کسی نبی کے شایان شان نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی رہیں

جب تک کہ وہ زمین میں (دشمنوں کا) خون اچھی طرح نہ بہا چکا ہو۔

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسارائے بدر کو فدیہ لے کر رہا کر دینے پر عتاب کیا گیا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ فدیہ لینا حرام درجہ کا ممنوع تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ تھا۔

مثال نمبر ۲..... عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعُونَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ

الْكُذِبِينَ ۗ (التوبة)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا، (مگر) تم نے ان کو (جہاد

میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ

بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی

طرح جان لیتے۔

مثال نمبر ۳..... وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ (الأحزاب: ۳۷)

ترجمہ: اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا۔

مثال نمبر ۴..... يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (التحریم: ۱)

ترجمہ: اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے تم اسے کیوں حرام

کرتے ہو؟

ان تینوں آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا گیا ہے، مگر یہ اس فعل کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ منافقین کو اجازت دینا یا آپ کا قلب میں بات کا مخفی رکھنا یا شہد یا باندی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے ناجائز امور کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ اس وقت تک ان افعال کی حلت یا حرمت کا کوئی حکم آیا ہی نہیں تھا تو بھلا ان کا کرنا فعل حرام کیسے ہو سکتا؟ یہ امور خلاف اولیٰ تھے لیکن آپ کا مقام و مرتبہ چونکہ عالی تھا تو ”حسنات الأبرار سیئات المقربین“ کے پیش نظر آپ کو عتاب کیا گیا، لہذا مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں یہ عتاب ان افعال کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا۔

## قاعدہ نمبر (۸۴)

جَمِيعُ الْأَسْئَلَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِتَوْحِيدِ الرُّبُوبِيَّةِ اسْتِفْهَامَاتُ تَقْرِيرٍ - (۱)

حاصل قاعدہ

توحید ربوبیت سے متعلق تمام تر سوالات استفہام تقریری ہیں۔

تشریح

توحید ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقات کی تربیت اور نظام عالم کے چلانے والی

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الإسراء آیت نمبر ۹ کے تحت، ج ۳ ص ۲۱

ذات صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات واحد ہے۔ کسی اور کی اس میں ادنیٰ کوئی شرکت نہیں، اور توحید الوہیت کا حاصل یہ ہے کہ معبود ہونے کی شان اور ہمارے سجدوں اور عبادتوں کے حقیقی و اصلی مستحق صرف اور صرف خدائے واحد ذوالجلال والا کرام ہی ہیں کوئی اور نہیں۔ توحید ربوبیت کے قائل تمام عرب اور مشرکین قریش تھے، اس لئے قرآن کریم نے اس کو موضوع بحث نہیں بنایا یعنی توحید ربوبیت کے اثبات پر دلائل و براہین قائم نہیں کئے، البتہ توحید ربوبیت کے ذریعہ توحید الوہیت پر استدلال کیا ہے، کیوں کہ توحید ربوبیت کا مقتضی یہ ہے کہ توحید الوہیت کو بھی مانا جائے۔

اسی لئے اللہ رب العزت نے توحید ربوبیت کے بیان میں استفہام تقریری کے انداز میں خطاب کیا ہے۔

مثال نمبر ۱..... قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ  
مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدِيرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ  
أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۰﴾ (یونس)

ترجمہ: آپ ان مشرکین سے کہئے کہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا یہ (بتلاؤ) وہ کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے، اور بے جان (چیز) کو جاندار سے نکلتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ سوالات کیجئے) سو ضرور وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ (ان سب افعال کا فاعل) اللہ ہے، تو ان سے کہئے کہ پھر (شرک سے) کیوں نہیں پرہیز کرتے۔

اس آیت میں ربوبیت کے متعلق چند سوالات کئے گئے، جب انہوں نے اعتراف کر لیا تو پھر آگے ”أَفَلَا تَتَّقُونَ“ کے ذریعہ توحید الوہیت کے انکار پر توبیخ کی گئی یعنی جب تم نے اللہ ہی کو خالق و رازق اور مالکِ سمع و بصر مانا ہے تو پھر عبادت اور الوہیت میں

دوسرے کو شریک کیوں کرتے ہو؟

قاعدہ کی تطبیق یہاں اس طور پر ہے کہ مَنْ يَرِزُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ..... الخ میں سب استفہامات تقریری ہیں، چنانچہ آگے ذکر ہے ”فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ“

مثال نمبر ۲..... قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۵﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۝

(المؤمنون: ۸۵)

ترجمہ: آپ (جواب میں) کہہ دیجیے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) زمین اور جو اس پر رہتے ہیں یہ کس کے ہیں اگر تم کو کچھ خبر ہے، وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کی ہیں۔ یہاں ارض و سماوات کے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ ان کا مالک کون ہے، یہ استفہام بھی تقریری ہے۔

مثال نمبر ۳..... قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ قُلِ اللَّهُ ۚ (الرعد: ۱۶)

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ آسمان اور زمین کا پروردگار کون ہے، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہے۔

”قُلِ اللَّهُ“ کے ذریعہ جب اعتراف ربوبیت کر لیا تو پھر شرک پر توبیح کی گئی۔

قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا

ضَرًّا ۚ (الرعد: ۱۶)

ترجمہ: کہو کہ کیا پھر بھی تم نے اس کو چھوڑ کر ایسے کارساز بنائے ہیں جنہیں خود

اپنے آپ کو بھی نہ کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت حاصل ہے، نہ نقصان پہنچانے کی؟

مثال نمبر ۴..... وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنْتُمْ يُوقَفُونَ ﴿۱۷﴾ (الزخرف)

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی کہیں

گے کہ اللہ نے، سو تم لوگ کدھرا لٹے پھرے جاتے ہو۔

جب اللہ کی خالقیت کا اعتراف کر لیا تو پھر کہا گیا ”فَأَنْتُمْ تُوقَفُونَ“



## قاعدہ نمبر (۸۵)

جَمِيعُ أَوْزَانِ الصِّفَةِ الْمُشَبَّهَةِ بِاسْمِ الْفَاعِلِ إِنْ قُصِدَ بِهَا الْحُدُوثُ  
وَالْتَجَدُّ جَاءَتْ عَلَى وَزْنِ "فَاعِلٌ" مُطْلَقًا وَإِنْ لَمْ يُقْصَدِ الْحُدُوثُ  
وَالْتَجَدُّ بَقِيَ عَلَى أَصْلِهِ. (۱)

## حاصل قاعدہ

صفتِ مشبہ باسمِ فاعل میں اگر حدوث و تجدد کا معنی مراد ہو تو "فاعل" کے وزن پر آتا ہے ورنہ وہ اپنی اصل پر باقی رہتا ہے۔

## تشریح

فعل ثلاثی سے صفتِ مشبہ کے دو وزن ہیں۔

اول: "فَاعِلٌ" جیسے: طاهر القلب۔

دوم: صفتِ مشبہ کا اپنا اصلی وزن "فَعِيلٌ" جیسے "جمیل الظاهر، کریم الأدب"

پس جہاں صفتِ مشبہ کے اندر حدوث و تجدد کا معنی ملحوظ ہو وہ "فاعل" کے وزن پر آئے گا، اور جہاں یہ مقصود نہ ہو وہ اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

## تطبیق مثال

وَ إِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ (الفرقان: ۱۳)

ترجمہ: اور (پھر) جب وہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر  
ڈال دیئے جائیں گے۔

یہاں "ضائقاً" کے بجائے "ضيقاً" لایا گیا، اسی طرح سورہ انعام میں "يجعل

صدره ضيقاً حرجاً" میں "ضيقاً" کہا گیا، جب کہ سورہ ہود میں "وضائق به

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الفرقان آیت نمبر ۱۳ کے تحت، ج ۶ ص ۲۸

صدرک "میں" ضائق "بروزن" فاعل "وارد ہے اس لئے کہ یہاں حدوث و تجدد کا معنی ملحوظ ہے، اور مذکورۃ الصدر دو آیتوں میں یہ معنی ملحوظ نہیں ہے اس لئے وہ اپنی اصل یعنی "فعیل" کے وزن پر ہے۔

### قاعدہ نمبر (۸۶)

جَمِيعُ مَا وَرَدَ فِي الْقُرْآنِ حِكَايَةٌ عَنْ غَيْرِ أَهْلِ اللِّسَانِ مِنَ الْقُرُونِ  
الْخَالِيَةِ إِنَّمَا هُوَ مِنْ مَعْرُوفٍ مَعَانِيهِمْ وَ لَيْسَ بِحَقِيقَةٍ أَلْفَاظِهِمْ<sup>(۱)</sup>

#### حاصل قاعدہ

قرآن کریم نے جن گذشتہ اقوام کی حکایتیں بیان کی ہیں ان میں اصل مضمون کا لحاظ کیا ہے، ان کے الفاظ و عبارت کا التزام نہیں کیا ہے۔

#### تشریح

الفاظ کی دلالت معانی پر دو طرح کی ہے۔

اول: دلالتِ اصلیہ یعنی الفاظ کی دلالتِ نفسِ مضمون پر ہو خارجی اشارات و محسنات سے قطع نظر، اس قسم میں تمام زبانیں مشترک ہیں کسی جماعت کے ساتھ خاص نہیں۔

دوم: دلالتِ تابعہ یا خارجیہ یہ عربی زبان کا خاصہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حکایات و اخبار میں مخبر، مخبر عنہ، مخبر بہ، نفسِ اخبار و سیاق و سباق کا لحاظ کرتے ہوئے عبارات لائی جائیں، نیز اسلوب کے نشیب و فراز یعنی ایضاح و اخفاء، ایجاز و اطناہ وغیرہ کا لحاظ کرتے ہوئے کلام کرنا سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً اگر اس بات کی حکایت کرنی ہے کہ زید کھڑا ہے، ایک طریقہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے "قام زید" یہ تعبیر اس وقت لائی جائے گی جب

(۱) البرہان فی علوم القرآن: النوع السادس والأربعون، ج ۲ ص ۴۱۲ / الإلتقان فی علوم القرآن:

النوع الرابع والستون، ج ۴ ص ۲۵

مخبر عنہ (یعنی زید) کے تعلق سے اہتمام اعتناء ملحوظ نہ ہو، اور اگر یہ اہتمام و اعتناء پیش نظر ہو تو یوں کہا جائے گا ”زید قام“ اسی طرح اگر یہ بات کسی سائل کے جواب میں کہی جائے تو یوں تعبیر کی جائے گی ”إن زیدًا قام“ اور اگر کسی منکر کے جواب میں ہو تو اسلوب تعبیر ہوگا ”والله إن زیدًا قام“ اور اگر متوقع کے جواب میں کہنا ہو تو کہا جائے گا ”قد قام زید“ یا ”زید قد قام“

اسی طرح یہ اسلوب تعبیر کبھی مخبر عنہ کی عظمت و حقارت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، کبھی کنایہ و تصریح اور کبھی مقام و مقتضی کے اعتبار سے بھی بدلتا ہے۔

یہ سارے اسالیب جن سے ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا جاتا ہے اس کو مکملات کلام یا متمات کلام کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے بھی اپنے اسلوب بیان میں ان تمام امور کا لحاظ کیا ہے، چنانچہ ایک ہی قصہ اور واقعہ کو مختلف الفاظ و تعبیرات میں ذکر کیا ہے، کیوں کہ ایک ہی واقعہ مختلف سیاق میں وارد ہے ہر جگہ مقتضائے حال اور مقام جدا جدا ہے، اسی لحاظ سے واقعہ کی تعبیرات بھی مختلف ہوئی ہیں۔

البتہ بعض مقامات پر قرآن کریم قصہ کی بعض جزئیات و تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے، مگر دوسری جگہ ذکر کر دیتا ہے، اور دونوں جگہ مقتضائے مقام کا اعتبار پیش نظر ہوتا ہے۔

### تطبیق مثال

قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ صِيفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ۝ قَالَ

أَوْلَمَ نَنْهَكَ عَنِ الْعُلَمِيْنَ ۝ قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِيْنَ ۝ (الحجر)

ترجمہ: لوط نے (ان سے) کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہذا مجھے رسوا نہ

کرو، اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو، کہنے لگے کیا ہم نے آپ کو پہلے ہی

دنیا جہاں کے لوگوں (کو مہمان بنانے) سے منع نہیں کر رکھا تھا؟ لوط نے کہا اگر

تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ میرے بیٹیاں (جو تمہارے نکاح میں ہیں،

تمہارے پاس) موجود ہی ہیں۔

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ  
يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَ لَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ  
أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۙ ۱۰ ۖ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَمَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ  
وَ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۙ ۱۱ (هود)

ترجمہ: لوط نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، یہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، اس لئے اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے، کہنے لگے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کچھ مطلوب نہیں، اور تم خوب جانتے ہو ہم کیا چاہتے ہیں؟

قَالَتْ يُوَيْلَيْتِي ءَأَلِدُ وَ أَنَا عَجُوزٌ ۙ وَ هَذَا بَعْلِي شَيْخًا ۙ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ  
عَجِيبٌ ۙ ۱۲ (هود)

ترجمہ: وہ کہنے لگیں ہائے کیا میں اس حالت میں بچہ جنوں گی کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر خود بڑھاپے کی حالت میں ہیں، واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

اور یہی واقعہ سورہ ذاریات میں اس طرح آیا ہے:

فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَٰةٍ فَصَكَتْ وَ جَهَّهَا وَ قَالَتْ عَجُوزٌ  
عَقِيمٌ ۙ ۱۳ (الذاریات)

ترجمہ: اس پر ان کی بیوی زور سے بولتی ہوئی آئیں، اور انہوں نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور کہنے لگیں (کیا) ایک بانجھ بڑھیا (بچہ جنے گی؟)۔

قرآن کریم کے ان دونوں واقعات یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کے، ان دونوں میں اصل مضمون کا لحاظ رکھا گیا ہے، الفاظ و عبارات کا

نہیں، اس لئے ایک ہی مضمون کو دونوں جگہ الگ الگ الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا لیکن مضمون دونوں کا ایک ہی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ امم سابقہ کے واقعات میں مضمون کا لحاظ رکھا گیا ہے الفاظ کا نہیں۔

### قاعدہ نمبر (۸۷)

جِنْسُ فِعْلِ الْمَأْمُورِ بِهِ أَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ تَرْكِ الْمَنْهَى عَنْهُ وَجِنْسُ تَرْكِ الْمَأْمُورِ بِهِ أَعْظَمُ مِنْ جِنْسِ فِعْلِ الْمَنْهَى عَنْهُ كَمَا أَنَّ مَثُوبَةَ آدَاءِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنْ مَثُوبَةِ تَرْكِ الْمُحَرَّمَاتِ وَالْعُقُوبَةُ عَلَى تَرْكِ الْوَاجِبَاتِ أَعْظَمُ مِنَ الْعُقُوبَةِ عَلَى فِعْلِ الْمُحَرَّمَاتِ - (۱)

### حاصل قاعدہ

اداءِ مامورات کی جنس ترکِ منہیات کی جنس سے بڑھ کر ہے، نیز ترکِ مامورات کی جنس ارتکابِ منہیات کی جنس سے فائق ہے، جیسا کہ واجبات کی ادائیگی کی جزاءِ محرمات کے ترک کی جزا سے بڑھ کر ہے، اور ترکِ واجبات کی سزا ارتکابِ محرمات کی سزا سے زیادہ شدید ہے۔

### تشریح

شریعت کے احکام دو قسم پر ہیں:

اول: ”مامورات“ یعنی وہ اعمال جن کے کرنے کا حکم کیا گیا ہے۔

دوم: ”منہیات“ یعنی جن سے روکنے کا حکم کیا گیا ہے۔

قاعدہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مامورات کی ادائیگی زیادہ اہم اور عظیم ہے، اس لئے کہ

مامورات میں ایک فعل کی ادائیگی مطلوب ہوتی ہے جب کہ منہیات میں امتناع عن الفعل

(۱) مجموع الفتاوی: اصول الفقہ، فصل فی العدل لدولی والصدق، ج ۲۰ ص ۸۵

(کسی فعل کا ترک) مطلوب ہوتا ہے، اور منہیات کا ترک مامورات کی ادائیگی کے مقابلہ میں فروتر ہے، اسی وجہ سے مامور بہ کا ترک زیادہ شنیع ہے اور منہی عنہ کا ارتکاب اس سے فروتر ہے، نیز اس لئے مامورات کے کرنے کا ثواب ترک منہیات کے ثواب سے بڑھ کر ہے، اور سزا میں بھی ترک واجبات کی سزا فعل محرمات سے بڑھ کر ہے، اور یہ قانون مامورات و منہیات کی جنس کے اعتبار سے ہے نہ کہ ہر ہر فرد کے اعتبار سے کیونکہ بسا اوقات بعض منہیات کا کرنا بعض مامورات کے ترک سے زیادہ شنیع ہوتا ہے مگر یہ استثنائی صورت ہے، قاعدہ جنس اور کل کے اعتبار سے ہے۔

اس قاعدہ کی روشنی میں ابلیس اور آدم (علیہ السلام) کی غلطی کے درمیان کافرق واضح ہو جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کی لغزش ارتکاب منہیات کے قبیل سے تھی جب کہ ابلیس کی غلطی ترک مامور بہ کے قبیل سے تھی اس لئے ابلیس کا گناہ عظیم شمار کیا گیا۔

### قاعدہ نمبر (۸۸)

حَذْفُ جَوَابِ الشَّرْطِ يَدُلُّ عَلَى تَعْظِيمِ الْأَمْرِ وَ شِدَّتِهِ فِي مَقَامَاتِ  
الْوَعِيدِ-<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

جواب شرط کا حذف تعظیم امر اور شدت وعید پر دلالت ہوتا ہے۔

تشریح

اگر شرط کی جزا محذوف کر دی جائے تو اشارہ ہے کہ وہ جزا اتنی عظیم اور ایسی سنگین ہے کہ گویا الفاظ میں ادا کرنا ممکن نہیں اس لئے حذف کر دیا گیا۔

مثال: وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ ذُقُّوا عَلٰی رَءْسِهِمْ (الأنعام: ۳۰)

(۱) القواعد الحسان لتفسیر القرآن: القاعدة السادسة عشرة، ص ۴۷

ترجمہ: اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے  
کئے جائیں گے۔

اس میں ”لَوْتَرَىٰ“ کی جزا محذوف ہے، اور اس کو حذف کر کے وعید کی شدت کو بتلایا  
گیا ہے، پس تقدیر آیت یہ ہوگی:

لو ترى إذ وقفوا على ربهم لرأيت أمراً مهولاً أو عظيماً۔

## دیگر امثلہ

۱..... وَ لَوْتَرَىٰ إِذِ الْهَجْرِ مُؤْنًا كَسُوا أَسْمَاءُ وَ سَبَّوْهُمُ عِنْدَ مَا بَيَّهْمُ (السجدة: ۱۲)

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں تو عجیب حال دیکھیں گے جب کہ یہ مجرم لوگ اپنے  
رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے۔

۲..... وَ لَوَيْرَىٰ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (البقرة: ۱۶۵)

ترجمہ: اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو  
دیکھتے تو (اس کے وقوع میں غور کر کے) یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ  
ہی کو ہے۔

۳..... وَ لَوْتَرَىٰ إِذْ وَفَّقُوا عَلَى النَّارِ (الانعام: ۲۷)

ترجمہ: اور اگر آپ (اس وقت) دیکھیں جب کہ وہ دوزخ کے پاس کھڑے  
کئے جائیں گے۔

ان تینوں آیات میں ”لَوْتَرَىٰ“ کی جزا محذوف ہے، اور اس کو حذف کر کے وعید کی  
شدت کو بتلایا گیا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۸۹)

حَيْثُ وَقَعَتْ "إِذْ" بَعْدَ "أَذْكَرُ" فَالْفِعْلُ إِذْ بِهِ الْأَمْرُ بِالنَّظَرِ إِلَى مَا

اَشْتَمَلَ عَلَيْهِ ذَلِكَ الزَّمَانُ لِعَرَابَةِ مَا وَقَعَ فِيهِ فَهُوَ جَدِيرٌ بِأَنْ يُنْظَرَ  
فِيهِ- (۱)

### حاصل قاعدہ

لفظ ”اذ“ جب ”اذکر“ کے بعد آئے تو اس سے مقصود اس واقعہ کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے جو اس وقت میں پیش آیا، اور یہ انداز اس واقعہ کے عجیب و غریب ہونے کی وجہ سے اپنایا جاتا ہے تاکہ سامع کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو۔

### تشریح

لفظ ”اذ“ ظرفِ زمان ہے جو کسی فعل کے وقوع کا وقت بتلاتا ہے، لیکن جب یہ کلمہ ”اذکر“ کے بعد لایا جائے تو اس صورت میں فعل کے وقت کو بتلانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس وقت میں صادر ہونے والے فعل (یعنی واقعہ) کو بتلانا مقصود ہوتا ہے، اور اس اسلوبِ تعبیر سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ لہذا سامع کو اس کی طرف پوری توجہ مبذول کرنی چاہئے۔ اسی قاعدہ کو کبھی اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

إذا كان وقت الشيء مستحقاً للذكر فإن ذلك الشيء مستحق له  
بالأولى- (۲)

یعنی جب وقتِ شی قابل ذکر ہو تو شی بدرجہ اولیٰ قابل ذکر ہوگی۔

مثال نمبر ۱..... وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرِيحًا ۝ (مریم)  
ترجمہ: اور آپ اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجیے جب کہ وہ اپنے گھر والوں  
سے علیحدہ ہوئیں۔

اس میں ”اذ“ ”اذکر“ کے بعد واقع ہے جس سے مقصود حضرت مریم رضی اللہ

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع السابع والأربعون، ج ۴ ص ۲۰۸

(۲) فتح القدير للشوكاني: سورة الأعراف آیت نمبر ۷۲ کے تحت، ج ۲ ص ۲۳۸



عنها کے واقعہ کے عجیب و غریب ہونے کو بتلا کر مخاطب کو پورے طور پر متوجہ کرنا ہے۔  
مثال نمبر ۲..... وَادُّرُفِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ؑ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ

يَا اَبَتِ (مریم: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ ذکر کیجئے، بے شک وہ سچائی کے  
خوگر پیغمبر تھے جب کہ انہوں نے اپنے والد سے کہا۔  
اس میں بھی حسب سابق نفس واقعہ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔

### قاعدہ نمبر (۹۰)

زِيَادَةُ الْمَبْنِي تَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْمَعْنَى (قُوَّةُ اللَّفْظِ لِقُوَّةِ الْمَعْنَى)۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

زیادتی حرف زیادتی معنی پر دال ہوتی ہے (قوت لفظ، قوت معنی کا سبب ہوتی ہے)

مثال نمبر ۱..... فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر)

ترجمہ: اس لئے ہم نے ان کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت  
والے کی پکڑ ہوتی ہے۔

اس آیت میں لفظ ”مُقْتَدِرٍ“ استعمال کیا گیا ہے جو لفظ ”قادر“ سے زیادہ بلند ہے،

نیز مقتدر میں پانچ حروف ہیں جب کہ لفظ ”قادر“ میں چار حروف ہیں۔

مثال نمبر ۲..... فَأَعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۝ (مریم: ۲۵)

ترجمہ: لہذا تم اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر جمے رہو۔

اس آیت میں لفظ ”اصْطَبِرْ“ استعمال کیا گیا ہے جو ”اصبر“ سے زیادہ بلند ہے

کثرت حروف کی وجہ سے۔

(۱) روح المعانی: سورة الأنبياء آیت نمبر ۱۷ کے تحت، ج ۹ ص ۲۱ / وفيه أيضا، سورة النازعات آیت نمبر ۱۱ کے

تحت، ج ۱۵ ص ۲۲۸

مثال نمبر ۳..... لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كُتِبَتْ<sup>ط</sup> (البقرة: ۲۸۶)

ترجمہ: اس کو فائدہ بھی اس کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور

نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔

اس آیت میں لفظ ”اَكْتَسَبَتْ“ لایا گیا ہے ”كَسَبَتْ“ سے زیادہ بلیغ ہے کثرتِ الفاظ

کی وجہ سے۔

مثال نمبر ۴..... فَكُتِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْعَاوَنَ<sup>ل</sup> (الشعراء)

ترجمہ: پھر ان کو اور گمراہوں کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس آیت میں لفظ ”كُتِبُوا“ لایا گیا ہے جو ”فَكُتِبُوا“ سے زیادہ بلیغ ہے۔

اسی طرح لفظ ”الرحمن“ کثرتِ الفاظ کی وجہ سے ”الرحيم“ سے زیادہ بلیغ ہے۔

## قاعدہ نمبر (۹۱)

سَبْعَةُ أُمُورٍ يَنْدَفِعُ بِهَا الْإِشْكَالُ عَنِ التَّفْسِيرِ

۱..... رَدُّ الْكَلِمَةِ لِضِدِّهَا - ۲..... رَدُّهَا إِلَى نَظِيرِهَا-

۳..... النَّظْرُ فِيمَا يَتَّصِلُ بِهِ مِنْ خَبْرٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ إِضَاحٍ فِي مَعْنَى آخَرَ-

۴..... دَلَالَةُ السِّيَاقِ - ۵..... مَلَا حَظَّةُ النُّقْلِ عَنِ الْمَعْنَى الْأَصْلِيِّ-

۶..... مَعْرِفَةُ النُّزُولِ - ۷..... السَّلَامَةُ مِنَ التَّدْفِيعِ<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

تفسیر میں پیش آنے والی پیچیدگیوں کو دفع کرنے کے سات طریقے ہیں۔

۱..... ردِ اِلَى الضدِّ: یعنی کلام کو اس کی ضد کی طرف پھیرا جائے۔

۲..... ردِ اِلَى النِّظِيرِ: یعنی نظائر پر غور کیا جائے۔

۳..... تدبیر در متعلقات: یعنی اس کے متعلقات مثلاً خبر، شرط یا اس معنی کی کہیں

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع الحادی والأربعون، ج ۲ ص ۱۹۹ تا ۲۰۲

توضیح و تفسیر آئی ہو اس پر غور کرے۔

۴..... دلالت سیاق: یعنی سیاق کی دلالت سے۔

۵..... تدبر فی مدارج المعنی: یعنی لفظ اپنے معنی اصلی سے دوسرے معانی کی طرف کس طرح منتقل ہو اس پر تدبر کرے۔

۶..... معرفة النزول: یعنی شان نزول سے واقفیت۔

۷..... احتراز عن التعارض: یعنی تعارض آیات سے سلامتی کی راہ اختیار کرنا۔

مثال بر طریقہ اولیٰ: یعنی کلام کو اس کی ضد کی طرف پھیرا جائے

و لَا تُطِيعُ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ (الدھر)

ترجمہ: اور ان لوگوں میں سے کسی نافرمان یا کافر کی بات نہ مانو۔

یہاں مشکل یہ پیش آرہی ہے ظاہر آیت سے مفہوم ہو رہا ہے کہ آثم اور کفور میں سے کسی ایک کی اطاعت ممنوع ہے نہ کہ دونوں کی، حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کی بھی اطاعت درست نہیں ہے، اس مشکل کا حل یہ ہے کہ یا تو ”او“ بمعنی ”واو“ کے ہے مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی بھی اطاعت نہ کرو، یا نکرہ تحت النفی کی وجہ سے عموم ہے کہ کسی کی بھی اطاعت درست نہیں ہے، یا علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہی سے پہلے یہ جملہ تھا ”تطیع اثمًا او کفورا“ تو گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت کرتا ہے، تو نہی کے بعد مطلب ہوگا ”لا تطع احدا منهما“ ان میں سے کسی کی بھی اطاعت نہ کرو۔ یا ”او کفورا“ کا پہلے جملے پر عطف ہے اور اس پر بھی ”لا تطع“ داخل ہے۔<sup>(۱)</sup>

مثال بر طریقہ ثانیہ: ردالی النظر

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝۶۳ (الفاتحة)

ترجمہ: راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔

(۱) الإبتقان فی علوم القرآن: النوع الأربعون، ج ۲ ص ۲۱۰

یہاں ”منعم علیہم“ مبہم ہیں اب اس کے نظائر پر غور کیا تو سورہ نساء کی آیت ملی:  
 فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ  
 وَالصَّالِحِينَ (النساء: ۶۹)

ترجمہ: تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء،  
 صدیقین، شہداء اور صالحین۔

اس سے معلوم ہوا کہ منعم علیہم سے مراد انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

### مثال بر طریقہ ثالثہ: تدبیر متعلقات

كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ (البقرة: ۱۸۷)

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ سفید خط ممتاز ہو جائے سیاہ خط سے۔

آیت کے اتنے ٹکڑے سے خط ابیض کا مفہوم مبہم رہتا مگر آگے ”مِنَ الْفَجْرِ“ کا  
 اضافہ کر دینے سے اس کی تعیین ہو جاتی ہے۔

### مثال بر طریقہ رابعہ: دلالت سیاق

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ (الدخان)

ترجمہ: چکھ تو ہی ہے وہ بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا عزت والا۔

یہاں سیاق کلام سے متعین ہو گیا کہ یہ جملہ تحقیراً و تذلیلاً کہا جا رہا ہے۔

### مثال بر طریقہ خامسہ: انتقال معانی کے مدارج میں تدبیر کرنا

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

(آل عمران: ۲۸)

ترجمہ: مؤمن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں۔

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ (البقرة: ۲۳)

ترجمہ: اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو جو تم نے خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں۔

اگر دونوں آیتوں میں لفظ ”دُونِ“ کا معنی معلوم کرنا ہو تو پہلے اس کے معنی اصلی کو دیکھا جائے گا پھر معنی ثانی کو پھر معنی ثالث کو۔

چنانچہ کلمہ ”دُونِ“ کا اصل معنی ہے ایسی جگہ جو دوسری جگہوں کے مقابلہ میں پست ہو، اسی سے معمولی اور حقیر شیئی کے لئے لفظ ”الدون“ استعمال ہوتا ہے، پھر اس کو احوال و مراتب کے تفاوت اور درجہ بندیوں کو بتلانے کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔

چنانچہ کہا جاتا ہے ”زید دون عمرو فی العلم و الشرف“ ”زید علم اور شرف میں عمرو سے کم درجہ ہے، پھر اس کا استعمال ”تجاوز حد الی حد“ ایک حد پار کر کے دوسرے حد میں داخل ہو جانا کے معنی میں ہونے لگا۔

پس آیت اولیٰ کا مطلب ہوگا ”لا تتجاوز ولا یتة المومنین الی ولا یتة الکافرین“ ”مومنین کی ولایت تجاوز کر کے کافرین کی ولایت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اور آیت ثانیہ کا مطلب ہوگا:

تجاوزوا اللہ فی دعائکم الی دعاه الہتکم الذین تزعمون انہم یشہدون لکم الی یوم القیامة۔

قرآن کا چیلنج قبول کرنے کے لئے اللہ سے تجاوز کر کے اپنے ان معبودان کو بلا لوجن کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے کہ وہ بروز قیامت تمہارے سفارشی ہوں گے۔

مثال بر طریقہ سادہ: شان نزول کی معرفت

وَاللّٰهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيُّمَا تَوَلَّوْا فِئْتَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ وَاَسِعٌ

عَلِيْمٌ ﴿۱۰﴾ (البقرة)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ

کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے، بے شک اللہ بہت وسعت والا، بڑا علم رکھنے والا ہے۔

اس کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کہ استقبالِ قبلہ کی ضرورت نہیں جس سمت رخ کر لیا

جائے نماز ہو جائے گی، مگر شان نزول سے یہ اشکال رفع ہو جاتا ہے وہ یہ کہ یہ آیت سفر میں

نفل نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

دوسرا شان نزول یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی تحویل قبلہ کے متعلق نکتہ چینوں کے جواب میں نازل ہوئی ہے، یا اس شخص کے بارے میں وارد ہے جس کو جہت قبلہ معلوم نہ ہو اور وہ تخری کرے اور اس میں خطا کر جائے۔

مثال بر طریقہ سابعہ: احترام از متعارض

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ  
طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ  
يَحْذَرُونَ ﴿۱۳۰﴾ (التوبة)

ترجمہ: اور (ہمیشہ کے لئے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہ چاہئے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔

اس آیت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔

اول یہ کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام جماعتیں مؤمنین کی ایک ساتھ اپنے اپنے علاقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دین سیکھنے کے لئے نہ آئیں بلکہ ان میں سے ایک جماعت آئے اور علم دین سیکھ کر غیر حاضرین کو بتلا دے تاکہ نظام زندگی برقرار رہے۔

دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ یہاں ”لِيَنفِرُوا“ سے نفیر غزوہ مراد ہے یعنی تمام مؤمنین ایک ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کے لئے نہ نکلیں بلکہ بعض اپنے علاقوں میں رُکے رہیں، اور نکلنے والی جماعت علم دین کا جو حصہ غزوہ میں سیکھے وہ آ کر ان لوگوں کو بتادے جو شریک نہ ہو سکے تھے۔

آیت کی تفسیر دونوں طرح سے کی گئی ہے مگر پہلی تفسیر راجح اور اقرب ہے۔ کیونکہ اس میں کسی آیت سے معارضہ لازم نہیں آتا جبکہ دوسری تفسیر کا دو آیتوں سے معارضہ ہو رہا ہے

وہ آیتیں یہ ہیں:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِ

رَسُولِ اللَّهِ (التوبة: ۱۲۰)

ترجمہ: مدینے کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش (رہتے) ہیں

ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیں۔

اور دوسری آیت ہے:

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ اَنْفِرُوا جَمِيعًا (النساء)

ترجمہ: پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو۔

علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۹۴۷ھ) فرماتے ہیں:

وإذا تعارض محملان يلزم من أحدهما معارضته ولا يلزم من

الآخر فالثاني أولى<sup>(۱)</sup>

یعنی کسی آیت کے دو محل ہوں ایک پر تعارض لازم آتا ہے اور دوسرا تعارض سے پاک

ہے تو دوسرے پر محمول کرنا اولیٰ ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۹۲)

سَبِيلُ الْوَأَجِبَاتِ الْبَاتِيَانُ بِالْمَصْدَرِ مَرْفُوعًا وَسَبِيلُ الْمُنْدُوبَاتِ

الْإِثْيَانُ بِالْمَصْدَرِ مَنْصُوبًا<sup>(۲)</sup>

حاصل قاعدہ

مصدر کو مرفوع ذکر کرنے سے وجوب مستفاد ہوتا ہے، اور منصوب ذکر کرنے سے استحباب۔

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع الحادی والأربعون، ج ۲ ص ۲۰۴

(۲) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع الثانی والأربعون، ج ۲ ص ۳۷۹ / الکلیات لأبی البقاء: فصل فی

المتفرقات، ص ۱۰۱۳

## تشریح

اس قاعدے کی علت یہ ہے کہ مصدر مرفوع مبتدا و خبر جملہ اسمیہ کی ترکیب پر مشتمل ہوتا ہے، اور مصدر منصوب فعل فاعل یعنی جملہ فعلیہ کی ترکیب پر مشتمل ہوتا ہے، اور جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد ہوتا ہے، اس لئے اس میں وجوب کا معنی پیدا ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر ۱..... فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَّمَ قَوْمٌ مِّنْكُمْ وَنَ ﴿٥﴾ (الذاریات)

ترجمہ: جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی

سلام کہا، (اور دل میں سوچا کہ) یہ کچھ انجان لوگ ہیں۔

اس میں پہلا سلام جو منصوب ہے ملائکہ کا سلام ہے، انہوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ابتداءً پہل کر کے پیش کیا تھا جو مستحب تھا، اور دوسرا سلام جو مرفوع ہے ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے جو ابی سلام ہے جو واجب تھا۔

مثال نمبر ۲..... فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعًا بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءً إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ

(البقرة: ۱۷۸)

ترجمہ: پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق (خون بہا) کا مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اسے خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل) کا فرض ہے۔

اس آیت میں ”اتِّبَاعًا“ اور ”أَدَاءً“ مصدر مرفوع واقع ہوئے ہیں، تو ان سے وجوب مستفاد ہوتا ہے کہ اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کریں اور دیت کا مطالبہ کریں تو انہیں چاہئے کہ خوش اسلوبی اور اچھے طریقے کے ساتھ مطالبہ پر امن فضا میں کریں، اور قاتل کے ذمے بھی لازم ہے کہ خوش اسلوبی کے ساتھ یہ دیت ادا کرے، تو یہاں دونوں پر یہ لازم ہے۔

مثال نمبر ۳..... وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا



إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ (البقرة: ۲۴۰)

ترجمہ: اور تم میں جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر) سے نکالا نہیں جائے گا۔

اس آیت میں ”وَصِيَّةٌ“ مصدر منصوب واقع ہوا لہذا یہ استحباب کا فائدہ دے گا، تو اب یہاں شوہر کا یہ وصیت کرنا مستحب عمل ہے نہ کہ واجب۔

### قاعدہ نمبر (۹۳)

صِيغَةُ التَّفْضِيلِ قَدْ تَطَّلَقَ فِي الْقُرْآنِ وَاللُّغَةِ مُرَادًا بِهَا إِلَّا تَصَافُ لَا تَفْضِيلَ شَيْئٍ عَلَى شَيْئٍ (۱)

حاصل قاعدہ

اسم تفضیل سے مقصود کبھی صرف اتصافِ شئی کو بتلانا ہوتا ہے نہ کہ ایک شئی کو دوسری شئی پر فضیلت دینا۔

تشریح

اسم تفضیل کا صیغہ اصلاً وضع کیا گیا ہے کسی وصف میں مشترک دو چیزوں میں سے ایک کی افضلیت کو بتلانے کے لئے، یہ وصف تو دونوں میں ہے مگر ان میں سے ایک میں یہ وصف زیادہ پایا جاتا ہے۔ جیسے ”زید اعلم من عمرو“ میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ زید اور عمرو دونوں وصفِ علم کے ساتھ متصف ہیں مگر زید میں یہ وصف زیادہ پایا جاتا ہے، مگر کبھی کبھی اسم تفضیل کے صیغہ سے یہ زیادتی بتلانا مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف اس وصف کا پایا جانا

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الفرقان آیت نمبر ۱۵ کے تحت، ج ۶ ص ۳۰

بتلانا مقصود ہوتا ہے، جیسے:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (يوسف: ۳۳)

ترجمہ: (یوسف علیہ السلام نے) دعا کی کہ اے میرے رب! جس کام کی

طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے۔

اس میں احب اسم تفضیل کا صیغہ ہے یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ زلیخا کی

دعوت کے مقابلے میں مجھے جیل خانہ محبوب ہے، یہ مقصود نہیں ہے کہ جیل خانہ اور دعوت زلیخا

دونوں محبوب ہیں لیکن جیل خانہ زیادہ محبوب ہے۔

کبھی کبھی اسم تفضیل کا صیغہ دونوں سے اس وصف کی نفی کرنے کے لئے آتا ہے،

جیسے کہا جاتا ہے ”الشیطان خیر من فلان“ (شیطان فلاں سے بہتر ہے) مراد یہ ہے

کہ دونوں میں سے کسی کے اندر بھی خیر نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اس کی مثال یہ آیت ہے

”أهم خیر ام قوم تبع“ ہم ضمیر کا مرجع بنی اسرائیل ہیں، مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل

اور قوم تبع (ان دونوں) میں سے کسی میں بھی خیر نہیں ہے۔ حدیث پاک میں اس کی مثال

”نحن احق بالشک من ابراهیم“ ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی قدرت احیاء کی کیفیت کو معلوم کرنے کے

لئے جو ”رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ“ (البقرة: ۲۶۰)

یعنی اے میرے رب! مجھے دکھلا دیں کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں

گے، یہ شک کی بنیاد پر نہیں تھا ورنہ تو پھر ہم شک کرنے کے زیادہ قابل ہیں، اور ظاہر ہے کہ

ہمارے اندر شک نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بدرجہ اولیٰ یہ شک نہیں۔

حاصل گفتگو یہ کہ یہاں اسم تفضیل احق سے مقصود دونوں حضرات سے شک کی نفی کرنا

ہے کہ دونوں میں سے کسی میں شک نہیں ہے۔

مثال نمبر ۱..... أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا (الفرقان)

ترجمہ: اس دن جنتی لوگ ہوں گے جن کا مستقر بھی بہترین ہوگا اور آرام گاہ

بھی خوب ہوگی۔

مثال نمبر ۲..... أَذَلِكَ خَيْرٌ لِّكَ لَا أَمْرَ شَجَرَةَ الرَّقُودِ ① (الصفات)

ترجمہ: بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت؟

مثال نمبر ۳..... أَذَلِكَ خَيْرٌ أَمْرٌ جَنَّةِ الْخُلْدِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ② (الفرقان: ۱۵)

ترجمہ: کہو یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت، جس کا وعدہ متقی لوگوں سے

کیا گیا ہے۔

ان تینوں آیات میں اسم تفضیل کے صیغے موجود ہیں، لیکن ایک شئی کو دوسری شئی پر فضیلت دینے کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اتصاف شئی کو بتلانا مقصود ہے۔

## قاعدہ نمبر (۹۴)

صِيغَةُ الْمُضَارِعِ بَعْدَ لَفْظَةِ "كَانَ" تَدُلُّ عَلَى كَثْرَةِ التَّكْرَارِ وَ

الْمُدَاوِمَةِ عَلَى ذَلِكَ الْفِعْلِ۔

### حاصل قاعدہ

فعل مضارع پر "كَانَ" کا دخول اس فعل کی کثرت تکرار اور مداومت پر دلالت کرتا ہے۔  
اس قاعدے کو علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

لأن المقرر في الأصول: أن الفعل المضارع بعد لفظ "كان" يدل

على المداومة على ذلك الفعل، فقول عائشة في رواية مسلم هذه

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغسل تدل على كثرة

وقوع ذلك منه و مداومته عليه۔<sup>(۱)</sup>

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة النحل آیت نمبر ۶۶ کے تحت، ج ۲ ص ۳۰۰

مثال..... وَ كَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝ (مریم)

ترجمہ: اور وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہتے تھے۔

تطبیق: ”يَأْمُرُ“ فعل مضارع پر ”كَانَ“ کا دخول امر بالصلوٰۃ والزکوٰۃ کی کثرت پر

دال ہے۔

مثال نمبر ۱..... إِنَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّونَ فِي الْخَيْبَاتِ (الأنبياء: ۹۰)

ترجمہ: یقیناً یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ تیزی دکھاتے تھے۔

مثال نمبر ۲..... وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۝ (الأعراف)

ترجمہ: اور فرعون اور اس کی قوم جو کچھ بناتی چڑھاتی رہی تھی، اس سب کو ہم

نے ملیا میٹ کر دیا۔

مثال نمبر ۳..... تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (ابراہیم: ۱۰)

ترجمہ: تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے ہیں ان

سے ہمیں روک دو۔

ان تینوں آیات میں لفظ ”كَانَ“ فعل مضارع پر داخل ہے، تکرار اور مداومت پر

دلالت کر رہا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۹۵)

ضَمِيرُ الْغَائِبِ قَدْ يَعُودُ عَلَى غَيْرِ مَلْفُوظٍ بِهِ كَالَّذِي يُفَسِّرُهُ سِيَاقُ

الْكَلَامِ- (۱)

حاصل قاعدہ

کبھی غیر مذکور شئی کو ضمیر غائب کا مرجع قرار دیا جاتا ہے بایں وجہ کہ سیاق کلام اس پر

دال ہوتا ہے۔

(۱) الکلیات لأبی البقاء: فصل: الضاد، ج ۱ ص ۵۶۸

مثال نمبر ۱..... کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿١٠٠﴾ (الرحمن)

ترجمہ: اس زمین میں جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے۔

”علیہا“ کی ضمیر ”ارض“ کی طرف راجع ہے جو ما قبل میں مذکور نہیں ہے مگر سیاق

کلام میں ظاہر ہے۔

مثال نمبر ۲..... حَتَّىٰ تَوَارِثَ بِالْحِجَابِ ﴿١٠١﴾ (ص)

ترجمہ: یہاں تک کہ سورج اوٹ میں چھپ گیا۔

”توارث“ میں ”ہی“ ضمیر ”شمس“ کی جانب راجع ہے جو مذکور نہیں ہے۔

مثال نمبر ۳..... كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿١٠٢﴾ (القيامة)

ترجمہ: خبردار! جب جان ہنسلوں تک پہنچ جائے گی۔

”بلغت“ میں ”ہی“ ضمیر نفس و روح کی جانب راجع ہے جو مذکور نہیں ہے۔

## قاعدہ نمبر (۹۶)

عَطْفُ الْجُمْلَةِ الْإِسْمِيَّةِ عَلَى الْفِعْلِيَّةِ يُفِيدُ الدَّوَامَ وَ الثُّبَاتَ.

حاصل قاعدہ

جملہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ کا عطف دوام و ثبات کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

وهذه الجملة الاسمية معطوفة على الجملة التي قبلها والمجيب بها

اسمية عقب تلك الفعلية للدلالة على الدوام والثبات۔<sup>(۱)</sup>

تشریح

اسم چونکہ کہ ثبوت و دوام پر دال ہوتا ہے اور فعل حدوث و تجدد پر، یہی ضابطہ جملوں

(۱) فتح القدیر للشوکانی: سورة الأنعام آیت نمبر ۵۶ کے تحت، ج ۲ ص ۱۹۳

کے درمیان بھی ہے یعنی جملہ اسمیہ دوام و ثبات پر دال ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ حدوث و تجدد پر دلالت کرتا ہے، لیکن اگر جملہ فعلیہ پر عطف کر کے جملہ اسمیہ کو ذکر کیا جائے تو اسمیہ اور فعلیہ دونوں جملے دوام و ثبات پر دال ہوتے ہیں۔

### تطبیق مثال

قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَ كُمْ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذَا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۳۰﴾ (الانعام)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے خیالات کی اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس

حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔

یہاں ”قَدْ ضَلَلْتُ“ جملہ فعلیہ ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ حدوث و تجدد پر دال ہو مگر

چونکہ اس پر جملہ اسمیہ ”وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ“ کا عطف کیا گیا ہے، اس لحاظ سے دونوں

جملے دوام و ثبات پر دال ہیں، پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر میں کفار کی خواہشات کی اتباع

کروں تو میں ہمیشہ کے لئے ضلال کا شکار اور ہدایت سے دور رہوں گا۔

### قاعدہ نمبر (۹۷)

عَطْفُ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ التَّنْبِيهُ عَلَى فَضْلِهِ حَتَّى كَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ

جِنْسِ الْعَامِّ تَنْزِيلًا لِلتَّغَايُرِ فِي الْوَصْفِ مَنْزِلَةَ التَّغَايُرِ فِي الذَّاتِ - (۱)

### حاصل قاعدہ

خاص کا عطف عام پر خاص کی اہمیت و فضیلت پر دال ہوتا ہے۔ بایں طور پر کہ تغایر

وصفی تغایر ذاتی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ گویا یہ فرد خاص عام کے

افراد کے تحت داخل ہی نہیں تھا۔

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع السادس والخمسون، ج ۳ ص ۲۴۰

## تشریح

قاعدے کا حاصل یہ ہے کہ عام کے بعد خاص کو بذریعہ عطف ذکر کیا جائے تو اس سے خاص کا مہتمم بالشان اور افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عام کے ذکر میں خاص اگرچہ داخل تھا مگر چونکہ خاص میں عام کے دیگر افراد کے مقابلہ میں ایک زائد وصف پایا جاتا ہے، جس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گویا عام کے افراد میں شامل ہی نہیں تھا اس لئے اس کو علیحدہ مستقلاً عطف کی شکل میں ذکر کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے، جیسے:

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿۱۰۸﴾ (البقرة)

ترجمہ: محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی۔

صلوات میں صلاۃ وسطیٰ داخل تھی مگر اس کا انفراداً ذکر اس کی اہمیت و فضیلت پر دلالت ہے۔

مثال نمبر ۱..... مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ (البقرة: ۹۸)

ترجمہ: جو شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو اور فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور جبریل کا اور

میکائیل کا۔

ملائکہ کے ذکر کے بعد جبریل اور میکائیل کا ذکر ان کی فضیلت پر دلالت ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۗ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ

الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۰۷﴾ (الأعراف)

ترجمہ: اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں، ہم ایسے

لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔

اقامتِ صلاۃ تمسک بالکتاب کے تحت داخل تھا مگر مستقلاً اس کا ذکر نماز کی اہمیت

وفضیلت کی دلیل ہے۔

مثال نمبر ۳..... فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿۱۰۶﴾ (الرحمن)

ترجمہ: ان دونوں باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔

نخل ورمٰن ”فاکھة“ میں داخل ہیں مگر مستقل ذکر ان کے اعلیٰ و افضل ہونے پر دال ہے۔

مثال نمبر ۴..... وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ (النساء: ۱۱۰)

ترجمہ: اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے۔

عمل سوء کے تحت ظلم نفس داخل تھا مگر اس کے عظیم ہونے کو بتلانے کے لئے انفراداً

ذکر کیا گیا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۹۸)

عَطْفُ الْعَامِّ عَلَى الْخَاصِّ يَدُلُّ عَلَى التَّعْمِيمِ وَعَلَى اَهْمِيَّةِ الْاَوَّلِ۔

حاصل قاعدہ

خاص پر عام کا عطف تعمیم اور خاص کی اہمیت شان پر دال ہوتا ہے۔

علامہ ابن عاشور رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

عطف العام على الخاص للتعميم بعد ذكر الخاص اهتماما به۔<sup>(۱)</sup>

تشریح

خاص چونکہ عام کا جزء ہوتا ہے اس لئے خاص کے بعد عام کا ذکر مشیر ہوتا ہے کہ تعمیم افراد ملحوظ ہے، مگر خاص کا ذکر چونکہ عام کے شمول کے باوجود استقلالاً ہو رہا ہے اس لئے اس سے اس کی اہمیت شان کا پتہ چلتا ہے، جیسے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانعام)

ترجمہ: کہہ دو بے شک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب

کچھ اللہ کے لئے ہے۔

”نسک“ کی تفسیر عبادت سے کی گئی ہے، اور ”صلاة“ اس کا ایک فرد ہے مگر اس

(۱) التحرير والتنوير: سورة الإسراء آیت نمبر ۱۲ کے تحت، ج ۱۵ ص ۵۳



کے باوجود اس کو استقلالاً ذکر کیا گیا، یہ نماز کی عظمتِ شان پر دال ہے۔

مثال نمبر ۱..... فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ

ظَهِيْرٌ ۝ (التحریم)

ترجمہ: ان کا ساتھی اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں، اور اس کے

علاوہ فرشتے ان کے مددگار ہیں۔

ملائکہ میں جبریل شامل ہیں مگر اس کے باوجود ان کا انفراداً ذکر ان کے عظمتِ شان پر

دال ہے۔

مثال نمبر ۲..... قُلْ مَنْ يَرِزُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ

مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ

أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ (یونس)

ترجمہ: آپ ان مشرکین سے کہیے کہ (بتلاو) وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور

زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا (یہ بتلاو) وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور

آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو جان دار (چیز) کو بے جان

(چیز) سے نکالتا ہے، اور بے جان (چیز) کو جان دار سے نکالتا ہے، اور وہ کون

ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ سوالات کیجیے) سو ضرور وہ

جواب میں یہی کہیں گے کہ (ان سب افعال کا فاعل) اللہ ہے، تو ان سے کہیے

کہ پھر شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے۔

یہاں اللہ رب العزت نے اپنے مختلف افعال کا ذکر فرمایا:

”اعطاء رزق، ملکِ سمع و بصر، اخراجِ حی من المیت و اخراجِ المیت من الحی“ ان

سب کے بعد ”وَمَنْ يُدْبِرُ الْأَمْرَ“ ذکر فرمایا، جو اللہ عزوجل کے تمام افعال و صفات کو شامل

ہے، مگر ان سے پہلے مذکورہ اشیاء کا انفراداً و استقلالاً ذکر ان کی اہمیت پر دال ہے۔

مثال نمبر ۳..... يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾ (الحج)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو، اور بھلائی کے کام کرو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

یہاں عطف العام علی الخاص دو مرتبہ ہے، اس طور پر کہ رکوع و سجود یعنی نماز عبادت کا ایک فرد ہے، اور عبادت کا ذکر آگے موجود ہے اس کے باوجود نماز کا استقلالاً ذکر اس کی اہمیت و عظمت پر دل ہے۔ اسی طرح ”اعْبُدُوا رَبَّكُمْ“ کے بعد ”وَأَفْعَلُوا الْخَيْرَ“ وارد ہے، جب کہ فعل خیر میں عبادت بھی داخل ہے مگر عبادت کا انفراداً ذکر اس کی عظمتِ شان کی دلیل ہے۔

### قاعدہ نمبر (۹۹)

عِلْمُ الْمُبَهَّمَاتِ مَوْقُوفٌ عَلَى النَّقْلِ الْمَحْضِ وَلَا مَجَالَ لِلرَّأْيِ فِيهِ۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

مبہمات کے علم کا مدار صرف اور صرف نقل پر ہے، رائے اور قیاس کی اس میں بالکل گنجائش نہیں۔

تشریح

قرآنی مبہمات کی معرفت صرف اور صرف نقل سے ہو سکتی ہے، اس طور پر کہ قرآن ہی اسے متصلاً بیان کرے یا کسی دوسری جگہ بیان کر دے یا پھر سنت اور اقوال صحابہ سے اس کی معرفت ہو سکتی ہے، کیوں کہ نزول قرآن کے وقت وہ موجود تھے اور اس کے اسباب نزول سے واقف تھے۔

البتہ جن مبہمات کے متعلق معلومات اسرائیلیات سے حاصل ہوں اور کتاب و سنت

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع السبعون، ج ۳ ص ۹۵

میں اس کے صحیح ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو، اور وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں تو ان میں توقف کیا جائے گا۔

مثال جزء اول: یعنی وہ مبہمات جن کا بیان قرآن میں آیا ہو:

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ (الفاتحة)

ترجمہ: جو مالک ہے روزِ جزا کا۔

اس کا بیان سورہ انفطار کی آیت ۱۷ تا ۱۹ میں موجود ہے:

وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ۝ يَوْمَ

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۝ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝

ترجمہ: اور تمہیں کیا پتہ کہ جزا و سزا کا دن کیا چیز ہے؟ ہاں تمہیں کیا پتہ کہ جزا

و سزا کیا چیز ہے؟ یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی دوسرے کے لئے کچھ کرنا کسی کے

بس میں نہیں ہوگا، اور تمام تر حکم اس دن اللہ ہی کا چلے گا۔

مثال جزء ثانی: جن کا بیان سنت میں آیا ہے:

أَنْ جَاءَكَ الْأَعْمَى ۝ (العبس)

ترجمہ: جب کہ اُن کے پاس وہ نابینا آیا۔

آیت میں لفظ ”اعمی“ سے مراد سنت نے بیان کر دیا کہ حضرت عبد اللہ بن اُمّ مکتوم

رضی اللہ عنہ ہیں۔

مثال جزء ثالث: جن کا بیان صحابہ سے منقول ہو:

وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ (التوبة: ۱۰۶)

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا فیصلہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔

یہاں صحابہ کرام کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرون سے مراد ہلال بن اُمیہ،

مُرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں۔

## امثلہ برجزء اول

۱..... صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۖ (الفاتحة)

یہاں منعم علیہم کی تفسیر خود قرآن نے کی ہے:

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ

وَالصَّالِحِينَ ۗ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۗ (النساء)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

۲..... وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۗ (البقرة: ۳۰)

ترجمہ: اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔

یہاں سیاق آیت سے خلیفہ کی توضیح ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ

السلام ہیں۔

۳..... وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ ۗ (الانبياء: ۸۷)

ترجمہ: اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس کا تذکرہ کیجیے) وہ اپنی قوم سے (جب کہ وہ ایمان نہ لائے) خفا ہو کر چل دیئے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم ان پر (اس چلے جانے میں) کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔

ذوالنون کی مراد ایک دوسری آیت سے واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے:

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۗ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۗ فَسَاهَمَ

فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۗ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۗ (الصافات)

ترجمہ: اور یقیناً یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے، جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی

کشتی میں پہنچے، پھر وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے، اور قرعہ میں مغلوب

ہوئے، پھر مچھلی نے انہیں نگل لیا جب کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔

۴..... فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ۖ (الشمس)

ترجمہ: تو اللہ کے پیغمبر نے ان سے کہا کہ خبردار! اللہ کی اونٹنی کا اور اس کے پانی

پینے کا پورا خیال رکھنا۔

یہاں رسول اللہ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں کیونکہ سورہ اعراف کی آیت

میں اس کی وضاحت آئی ہے:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ ائْتِنَا بِهَا تَعْدُنَا إِن

كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ (الاعراف)

ترجمہ: چنانچہ انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی،

اور کہا صالح اگر واقعی تم ایک پیغمبر ہو تو لے آؤ عذاب جن کی ہمیں دھمکی دیتے ہو۔

امثلہ برجزء ثانی

۱..... رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ

الْمُحَرَّمِ ۗ (ابراہیم: ۳۷)

ترجمہ: اور اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت

والے گھر والے کے پاس ایک ایسی وادی میں لا بسایا جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوئی۔

”ذریۃ“ کی وضاحت سنت میں آئی ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

۲..... فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۖ (الكهف)

(الكهف)

ترجمہ: تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی

رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ عبد سے مراد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

## امثلہ برجزء ثالث

۱..... إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۗ (النور: ۱۱)

ترجمہ: اور یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گڑھ کر لائے ہیں وہ تمہاری اندر ہی کی ایک جماعت ہے۔

عصبہ سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان فرمادیا کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش وغیرہ ہیں۔

۲..... هَذِهِ خَصْمِيتٌ اِخْتَصَمُوْا فِيْ سَرَائِبِهِمْ ۗ (الحج: ۱۹)

ترجمہ: یہ (مؤمن اور کافر) دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے۔

”خَصْمِيَّةٌ“ کی وضاحت صحابہ نے فرمائی کہ اس سے مراد ایک تو حمزہ، عبیدہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، اور دوسری جماعت عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کی ہے۔

۳..... وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

(الأحزاب: ۳۷)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا اور تم نے بھی احسان کیا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ یہاں زوج سے مراد حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۱۰۰)

عِنْدَ عَطْفِ صِفَةٍ عَلَى صِفَةٍ لِمَوْصُوفٍ وَاحِدٍ فَلَا فَصْحَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ تَرَكُ إِدْخَالَ الْوَاوِ وَإِذَا أُرِيدَ بِالْوَصْفِ الثَّانِي مَوْصُوفٍ آخَرَ

غَيْرُ الْأَوْلِ أَدْخِلَتِ الْوَاوُ- (۱)

### حاصل قاعدہ

ایک موصوف کی متعدد صفات ذکر کرنا ہو تو واضح یہ ہے کہ واو عاطفہ کو نہ لایا جائے، اور اگر دوسری صفت کسی دوسرے موصوف کی ہو تو واو کا لانا ضروری ہے۔

مثال برجزء اول: ایک موصوف کی متعدد صفات ہوں

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ مُلِكِ يَوْمِ

الدِّينِ ۝ (الفاتحة)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے، جو روز جزا کا مالک ہے۔

یہاں ایک ہی موصوف یعنی اللہ رب العزت کی چار صفات کا ذکر ہے ”رب العلمین، الرحمن، الرحیم، ملک یوم الدین“ اس لئے حرف عطف کو ترک کر دیا گیا ہے۔

مثال برجزء ثانی: متعدد موصوف کی صفات ہوں

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِيَاءًا لِلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ (النساء: ۳۷، ۳۸)

ترجمہ: جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں، اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے، اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے، اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور اللہ

(۱) تفسیر الطبری: سورة النساء آیت نمبر ۳۸ کے تحت، ج ۸ ص ۳۵۷

تعالیٰ پر اور آخری دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

یہاں چند صفات کا ذکر ہے جو اگرچہ ساری کی ساری کفار سے ہی متعلق ہیں مگر چونکہ ہر ہر صفت کا تعلق ایک الگ نوع کے کافر سے ہے اس لئے ہر دو صفت کے درمیان واو فصل لایا گیا۔

### قاعدہ نمبر (۱۰۱)

فِي تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ بِمُقْتَضَى اللُّغَةِ يُرَاعَى الْمَعْنَى الْأَغْلَبُ وَالْأَشْهُرُ  
وَالْأَفْصَحُ دُونَ الشَّاذِّ أَوْ الْقَلِيلِ۔

#### حاصل قاعدہ

مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر میں غالب و مشہور اور فصیح معنی کا لحاظ کیا جائے گا، شاذ اور قلیل الاستعمال معانی سے احتراز کیا جائے گا۔  
علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) نے اس قاعدے کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

وأما تاويل من تأوله بمعنى الحبة من النسبلة، و النسبلة من الحبة،  
و البيضة من الدجاجة، و الدجاجة من البيضة، و المؤمن من  
الكافر، و الكافر من المؤمن، فإن ذلك و إن كان له وجه مفهوم،  
فليس ذلك الأغلب الظاهر في استعمال الناس في الكلام، و توجيه  
معاني كتاب الله عز و جل إلى الظاهر المستعمل الناس، أولى من  
توجيهها إلى الخفى القليل في الاستعمال۔<sup>(۱)</sup>

(۱) تفسیر الطبری: سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۷ کے تحت، ج ۶ ص ۳۰۹



## تطبیق مثال

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٣١﴾ (النبا)

ترجمہ: اور اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک (یعنی راحت) کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا۔

بعض مفسرین نے ”بردًا“ کی تفسیر ”نوم“ سے کی ہے مگر یہ معنی قلیل الاستعمال ہے، مشہور معنی اس کا ٹھنڈک ہے۔ لہذا اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۱..... تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ (البقرة)

ترجمہ: اسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے، اگر تم مؤمن ہو تو تمہارے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔

یہ آیت حملِ تابوت کے بارے میں ہے، جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء کے تبرکات تھے۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے فتح عطا فرماتے تھے، جب جالوت بنی اسرائیل پر غالب آیا تو یہ صندوق بھی لے گیا، جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے وہیں وبا اور بلا پہنچتی جس کی وجہ سے کئی شہر ویران ہو گئے، ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا، فرشتے اس صندوق کو اٹھا کر طالوت کے دروازے پر لے آئے، بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کر دی اور موسم نہایت گرم تھا۔

بعض مفسرین نے ”تَحْمِلُ“ کی تفسیر ”تَسْوِقُ“ سے کی ہے یعنی ملائکہ بذاتِ خود تابوت کو اٹھائے ہوئے نہیں تھے بلکہ دو جانور اسے اٹھائے ہوئے تھے اور ملائکہ انہیں ہانک رہے تھے۔

دیگر مفسرین نے حمل کو اس کے مشہور معنی (بذاتِ خود اٹھانا) پر رکھا ہے، قاعدہ مذکورہ

کے مطابق حمل کے مشہور معنی ہی پر محمول کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۲..... وَ تَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تَخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ - (البقرة)

ترجمہ: اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں اور بے جان چیز کو

جاندار سے نکال لیتے ہیں۔

حی اور میت کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں:

اول: یہ کہ حی سے مراد ”جاندار“ اور میت سے مراد ”نطفہ“۔

دوم: یہ کہ حی سے مراد ”پودا“ اور میت سے مراد ”بیج یا گٹھلی“۔

سوم: یہ کہ حی سے مراد ”مؤمن“ اور میت سے مراد ”کافر“۔

مگر پہلا قول راجح ہے کیونکہ دوسرے اور تیسرے قول میں گویا حیات و ممات کا مفہوم ہے مگر حقیقی اور مشہور معنی میں نہیں ہے، اور قول اول میں حیات و ممات اپنے حقیقی اور مشہور معنی میں مستعمل ہے، لہذا اس معنی کو دیگر معانی پر تقدیم و ترجیح ہوگی۔

مثال نمبر ۳..... إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَةً وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ

الْمَصِيرُ ① (آل عمران: ۲۸)

ترجمہ: مگر یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار

کرو، اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے، اور اس کی طرف (سب کو)

لوٹ کر جانا ہے۔

یہ آیت کفار سے موالات کے متعلق ہے جس میں کفار سے موالات اختیار کرنے کی

ممانعت کی گئی ہے مگر ایک استثنائی صورت میں اجازت دی گئی ہے۔ ”إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ

تُقَةً“ کے ذریعہ اس کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

مشہور قول یہ ہے کہ اتقاء کا تعلق کفار سے ہے یعنی کفار کی جانب سے اگر اذیت و

آزمائش کا اندیشہ ہو تو ظاہری موالات کی اجازت ہے البتہ قلبی موالات اس صورت میں

بھی ممنوع ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اتقاء کا تعلق ”اللہ تعالیٰ“ سے ہے یعنی اگر تم کو ان سے قرابت کے متعلق اللہ کا ڈر ہے تو موالات کرو۔

پہلی توجیہ کلام عرب کے اسلوبِ غالب و شائع کے موافق ہے جب کہ دوسری توجیہ کی بھی گنجائش ہے، مگر چونکہ وہ مشہور اسلوب عرب سے الگ ہے اس لئے پہلی توجیہ راجح ہوگی۔

### قاعدہ نمبر (۱۰۲)

قَدْ يَتَجَاذَبُ اللَّفْظَةُ الْوَاحِدَةُ الْمَعْنَى وَالْبُعْرَابَ فَيَتَمَسَّكُ بِصِحَّةِ الْمَعْنَى وَيُؤَوَّلُ لِصِحَّةِ الْبُعْرَابِ - (۱)

#### حاصل قاعدہ

کبھی معنی اور اعراب (نحوی ترکیب) کے مقتضی میں مخالف ہوتا ہے تو وہاں معنی کو اختیار کیا جائے گا، اور اعراب کی تصحیح کے لئے کوئی تاویل کر لی جائے گی۔

#### تشریح

بعض مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر لفظ کے معنی پر نظر کی جائے تو ایک مفہوم نکلتا ہے مگر جملہ کی ترکیب اس مفہوم سے انکار کرتی ہے، ایسے مواقع پر معنی کو اختیار کیا جائے گا کیونکہ وہی اصل ہے اور ترکیب کی کوئی ایسی شکل اختیار کی جائے گی جو اس معنی صحیح کے موافق ہو۔

مثال نمبر ۱..... إِنَّهُ عَلَى رَاجِعِهِ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ (الطارق)

ترجمہ: بے شک وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے، جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ ہوگی۔

یہاں جب آیت کے معنی و مراد پر نظر کی جائے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) البرہان فی علوم القرآن: النوع العشرون، ج ۱ ص ۳۹۰ / الاتقان فی علوم القرآن: النوع

الحادی والأربعون، ج ۲ ص ۳۱۹

قیامت کے دن انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے، اور اس صورت میں یوم ظرف ہوگا رجب مصدر کا، مگر اصول عربیت کے اعتبار سے یہ ترکیب درست نہیں، اس لئے کہ اس میں مصدر (رجع) اور اس کے معمول یعنی یوم کے درمیان فصل بالاجنبی آرہا ہے، لہذا قاعدہ مذکورہ کی رو سے معنی کی رعایت کرتے ہوئے اس کو صحیح قرار دیا جائے گا اور ترکیب میں کوئی مناسب تاویل کر لی جائے گی۔

مثلاً یہ کہ ”یَوْمَ تُبَلَى السَّرَّاءُ“ سے پہلے ”رجع“ مصدر کے مناسب کوئی فعل مقدر مان لیا جائے گا اور تقدیر آیت یہ ہوگی:

إِنَّهُ عَلَى رَاجِعِهِ لَقَادِرٌ ۝ (فَرَجَعَهُ) يَوْمَ تُبَلَى السَّرَّاءُ ۝

اب اس صورت میں معنی بھی اپنی جگہ صحیح برقرار رہے گا اور نحوی ترکیب پر بھی اشکال نہیں آئے گا۔

مثال نمبر ۲..... لَمَقَّتْ اللهُ أَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنْفُسُكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ

فَتَكْفُرُونَ ۝ (المومن)

ترجمہ: جیسے تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر اللہ کو (تم سے) نفرت تھی جب کہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔

یہاں معنی کا تقاضا یہ ہے کہ ”إِذ“ کو ”مقت“ مصدر سے متعلق کیا جائے، مگر اس ترکیب میں مصدر اور اس کے معمول کے درمیان فصل بالاجنبی لازم آرہا ہے، اس لئے معنی کو اسی حالت پر رکھا جائے گا اور ”إِذ“ کا متعلق کوئی ایسا فعل مقدر مانیں گے جس پر مصدر دلالت کر رہا ہو۔

مثال نمبر ۳..... أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝ إِنَّ رَبَّهُمْ

بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝ (العاديات)

ترجمہ: بھلا کیا وقت اسے معلوم نہیں ہے جب قبروں میں جو کچھ ہے، اسے باہر

بکھیر دیا جائے گا، اور سینوں میں جو کچھ ہے اسے ظاہر کر دیا جائے گا، یقیناً ان

کا پروردگار اس دن (ان کی حالت ہوگی اس) سے پوری طرح باخبر ہے۔

یہاں معنی کا تقاضا یہ ہے کہ ”اذا“ کو ”خبیر“ کا ظرف بنایا جائے مگر نحوی ترکیب اس سے انکار کرتی ہے، کیونکہ نحو کا قاعدہ ہے کہ ”ان“ کا مابعد اپنے ماقبل پر عمل نہیں کرتا، یہاں ”خبیر“ ان کی خبر ہے، اور ”اذا“ اس سے پہلے ہے اس لئے معنی کو درست رکھا جائے گا اور ترکیب کی صحت کے لئے ”ان“ سے پہلے ایک عامل مقدر مان لیا جائے گا۔

### قاعدہ نمبر (۱۰۳)

قَدْ يُثْنِي الضَّمِيرُ مَعَ كَوْنِهِ عَائِدًا عَلَى أَحَدِ الْمَذْكُورَيْنِ دُونَ  
الْآخِرِ - (۱)

#### حاصل قاعدہ

بسا اوقات ضمیر سے پہلے دو چیزیں مذکور ہوتی ہیں، اور مقصود ان میں سے ایک چیز ہی ہوتی ہے مگر ان کی جانب لوٹنے والی ضمیر تشنیہ کی لائی جاتی ہے۔

مثال نمبر ۱..... نَسِيحُوا تَهُمًا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ (الكهف)

ترجمہ: تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کاراستہ بنا لیا۔

دونوں کلموں میں ضمیر تشنیہ کی لائی گئی ہے جب کہ ناسی صرف ایک شخص (موسیٰ علیہ السلام کا خادم) تھا۔

مثال نمبر ۲..... فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۖ (البقرة: ۲۲۹)

ترجمہ: تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔

(۱) الكلبيات لأبي البقاء: فصل الضاد، ج ۵۶۹ / الإتيان في علوم القرآن: النوع الثاني والأربعون، ج ۲ ص ۲۲۷

فدیہ دینے والی صرف عورت ہوتی ہے مگر ”عَلَيْهِمَا“ میں ضمیر تشنیہ کی لائی گئی۔

مثال نمبر ۳..... يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٣٣﴾ (الرحمن)

ترجمہ: ان دونوں سمندروں سے موتی اور موزگان نکلتا ہے۔

اب یہ موتی اور مرجان دونوں یعنی میٹھے اور کھارے دونوں سمندروں سے نہیں نکلتے

ہیں بلکہ ایک سے نکلتے ہیں لیکن ضمیر تشنیہ کی لائی ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۰۴)

قَدْ يَجِيءُ الضَّمِيرُ مُتَّصِلًا بِشَيْءٍ وَهُوَ لِغَيْرِهِ عَائِدًا عَلَى مُلَابِسِ مَا  
هُوَ لَهُ (۱)

### حاصل قاعدہ

بسا اوقات ضمیر کسی شئی سے متصل آتی ہے مگر اس کا مرجع شئی متصل کا غیر ہوتا ہے یا

شئی متصل کے متعلقات میں سے کوئی متعلق ہوتا ہے۔

مثال: (الف) جب کہ مرجع شئی متصل کے علاوہ ہو:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ﴿٣١﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ

مَّكِينٍ ﴿٣٢﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسی ٹپکی ہوئی

بونڈ کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر رکھا۔

یہاں ”جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً“ میں ”ہ“ ضمیر سے قبل انسان مذکور ہے جس سے مراد آدم علیہ

السلام ہیں، مگر یہ ”ہ“ ضمیر کا مرجع نہیں ہے بلکہ اس کا مرجع اولادِ آدم ہے، کیوں کہ نطفہ کا

تعلق تخلیقِ آدم سے نہیں بلکہ تخلیقِ اولادِ آدم سے ہے۔

(۱) الإتقان فی علوم القرآن: النوع الثانی والأربعون، ج ۲ ص ۳۳۷/الکلیات: فصل الضاد،

مثال: (ب) جب کہ ضمیر کا مرجع متعلق شئی ہو:

إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحًى (النازعات)

ترجمہ: مگر ایک شام یا ایک صبح۔

ضلعہا میں ”ہا“ کا مرجع ”عشیة“ نہیں بلکہ ”یوم“ ہے۔ جو ”عشیة“ کے متعلقات میں سے ہے، اور تقدیر آیت اس طرح ہے ”أَوْ ضُحًى يَوْمَ الْعَشِيَّةِ“ اور اس تقدیر کی ضرورت اس لئے پڑی کہ ضحیٰ سے مراد آفتاب کی چڑھتی ہوئی روشنی ہے، اور عشیہ کہتے ہیں شام کے وقت کو، اور ظاہر ہے آفتاب کی چڑھتی ہوئی روشنی کا تعلق دن سے ہے نہ کہ شام سے۔

مثال نمبر ۱..... لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءَ إِن تُبَدَّلْ كُمْ تَسْؤُكُمْ (المائدة: ۱۰۱)

ترجمہ: اور ایسی فضول باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو۔

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ (المائدة: ۱۰۲)

ترجمہ: ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں۔

سَأَلَهَا مِیں ”ہا“ ضمیر کا مرجع اشیاء کے علاوہ دوسری چیز ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَإِذِ انبأَهُمْ اللَّيْلُ نَسَخَ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ﴿۱۰۱﴾ (یس)

ترجمہ: اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اس (رات) پر سے

دن کو اتار لیتے ہیں سو یکا یک وہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔

”فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ“ میں ”ہم“ ضمیر کا مرجع ”لیل و نہار“ کا غیر ہے یعنی کفار

مراد ہیں۔

مثال نمبر ۳..... مِلَّةَ آبَائِكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۖ هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۸﴾ (الحج: ۷۸)

ترجمہ: اپنے باپ ابراہیم کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اُس نے تمہارا نام

مسلمان رکھا تھا۔

بعض مفسرین نے ”هو“ ضمیر کا مرجع ابراہیم علیہ السلام کو بنایا، مگر دیگر مفسرین نے اس کا مرجع ”اللہ“ کو قرار دیا ہے جو شی متصل کا غیر ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۰۵)

قَدْ يَحْتَمِلُ اللَّفْظُ عِدَّةَ مَعَانٍ وَ يَكُونُ أَحَدُهَا هُوَ الْغَالِبُ اسْتِعْمَالًا  
فِي الْقُرْآنِ فَيَقْدَمُ<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

جہاں چند معانی کا احتمال ہو تو اس معنی کو اختیار کرنا رائج ہوگا جو قرآن میں کثرت سے مراد لیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: حالانکہ ان کا صحیح مطلب بجز حق تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔

لفظ تاویل قرآن میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے:

اول: التفسیر و ادراك المعنى۔

یعنی مراد کو واضح کرنا اور روشن کرنا۔

دوم: حقيقة الأمر التي يوول إليها۔

یعنی کسی شئی کی حقیقت، مصداق، انجام اور غرض و غایت۔ مگر دوسرا معنی مراد لینا رائج

ہوگا، کیوں کہ دوسرے معنی میں استعمال بکثرت ہوا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے

ظاہر ہوتا ہے۔

۱..... هَذَا تَأْوِيلُ رُءُوسِهَا مِنْ قَبْلُ (يوسف: ۱۰۰)

ترجمہ: یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانے میں دیکھا تھا۔

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة الحشر آیت نمبر ۲ کے تحت، ج ۸ ص ۱۵



۲..... هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۗ (الأعراف ۵۳)

ترجمہ: (اب) یہ (کافر) اس آخری انجام کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہے؟

۳..... بَلْ كَذَّبُوا بِآلِهَتِهِمْ يُحِيطُوا بِعَلْمِهَا وَلَسَّيَا تَبَهُمُ تَأْوِيلَهُ ۗ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن

قَبْلِهِمْ (يونس: ۳۹)

ترجمہ: بات دراصل یہ ہے کہ جس چیز کا احاطہ یہ اپنے علم سے نہیں کر سکے، اسے انہوں نے جھوٹ قرار دے دیا اور ابھی اس کا انجام بھی ان کے سامنے نہیں آیا۔

۴..... ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۙ (النساء)

ترجمہ: یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔

ان تمام مثالوں میں دوسرا معنی مراد ہے اس لئے دوسرا معنی ہی راجح ہوگا۔

مثال نمبر ۲..... وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۙ (التكوير)

ترجمہ: اور قسم رات کی جب وہ آنے لگے۔

آیت کریمہ میں لیل کی طرف ”عَسْعَسَ“ کی نسبت کی گئی ہے اور لفظ ”عَسْعَسَ“

اقبال وادبار کے معنی میں مشترک ہے، پس آیت مذکورہ میں رات کا آنا اور جانا دونوں کا

احتمال ہوگا، اور قرآن میں لیل کے لئے اقبال وادبار (آنے اور جانے) دونوں صفتوں کا

استعمال ہوا ہے، جیسے: وَاللَّيْلِ إِذَا دَبَرَ ۙ (المدثر) اس میں ادبار کی صفت وارد ہے اور وَاللَّيْلِ

إِذَا يَغْشَى ۙ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۙ (اللیل) وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ۙ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۙ (الشمس)

وَالضُّحَى ۙ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ۙ (الضحى) ان آیتوں میں لیل کے لئے اقبال کی صفت آئی ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اقبال لیل کی قسم ادبار لیل کے مقابلہ میں زیادہ وارد ہوئی

ہے اس لئے ”عَسْعَسَ“ میں اقبال کا معنی راجح ہوگا۔

مثال نمبر ۳..... كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَيْنَ أَنَا وَرُسُلِي ۗ (المجادلة: ۲۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور

میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔

غلبہ دو معنوں میں مستعمل ہے غلبہ لسان، غلبہ سنان، اور دونوں معنی یہاں درست ہیں مگر غلبہ سنانی کے لئے اس کا استعمال قرآن میں زیادہ ہوا ہے، مثلاً:

۱..... كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (البقرة)

ترجمہ: بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں۔

۲..... وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ (النساء: ۷۴)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر چاہے قتل ہو جائے یا غالب آجائے۔

۳..... وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِّائَةٌ يَغْلِبُوا آلَافًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (الأنفال: ۶۵)

ترجمہ: اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجائیں گے۔ پس قاعدہ ہذا کی رو سے غلبہ سنانی والے معنی کو ترجیح ہوگی۔

## قاعدہ نمبر (۱۰۶)

قَدْ يَخْتَلِفُ اللَّفْظَانِ الْمَعْبَرُ بِهِمَا عَنِ الشَّيْءِ الْوَاحِدِ فَيُسْتَمْلَحُ  
ذِكْرُهُمَا عَلَى وَجْهِ التَّأَكِيدِ (۱)

حاصل قاعدہ

کبھی ایک ہی شے کو دو مختلف لفظوں سے تعبیر کر دیا جاتا ہے تاکید و تحسین کی غرض سے۔

تشریح

بلاغت کا یہ بہت اہم قاعدہ ہے، اہل عرب کہتے ہیں ”سحقاً و بعداً“ ”حلال

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الثانی عشر: الترادف، ج ۱ ص ۳۶۹

وطیب “قرآن کریم میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے، اس طرح کی تعبیر اپنے اندر تاکید کے ساتھ تائیس کے معنی کو بھی شامل ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر لفظ دوسرے لفظ سے ایسا زائد معنی رکھتا ہے جس کو اول شامل نہیں ہوتا۔

مثال..... فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۱۰۷﴾ (الحجر)

ترجمہ: چنانچہ سوسارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔

اس آیت میں ”كُلُّهُمْ“ سے ملائکہ کے تمام افراد کا استغراق معلوم ہوا، اور ”أَجْمَعُونَ“ سے یہ معلوم ہوا کہ ان ملائکہ کا سجدہ ایک ساتھ ل کر ہوا تھا۔

## دیگر امثلہ

۱..... وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۲۷﴾ (الفاطر: ۲۷)

ترجمہ: اور بہت گہرے سیاہ۔

۲..... وَكَلُوا مُدْبِرِينَ ﴿۱۰۸﴾ (النمل)

ترجمہ: جب وہ پیٹھ پھیر کر چل کھڑے ہوں۔

۳..... وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۹﴾ (التوبة)

ترجمہ: اور منہ موڑ کر چل دیئے۔

ان تینوں آیات میں ایک ہی معنی کو دو مختلف لفظوں سے تاکید و تحسین کی غرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۰۷)

قَدْ يُذَكَّرُ شَيْئَانِ وَيَعُودُ الضَّمِيرُ عَلَى أَحَدِهِمَا إِكْتِفَاءً بِذِكْرِ عَنِ  
الْآخِرِ مَعَ كَوْنِ الْجَمِيعِ مَقْصُودًا۔<sup>(۱)</sup>

(۱) قواعد التفسیر: الرقعة السابعة: الضمائر، ج ۱ ص ۳۰۶

## حاصل قاعدہ

بسا اوقات ضمیر سے پہلے دو چیزیں مذکور ہوتی ہیں مگر ضمیر کسی ایک ہی چیز کی جانب لوٹائی جاتی ہے، جب کہ اس ضمیر سے دونوں چیزوں کا اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

## تشریح

یہاں کل چار صورتیں ہیں لیکن قاعدہ مذکورہ کا تعلق صرف چوتھی صورت سے ہے۔

اول: دونوں چیزوں کو مرجع بناتے ہوئے ضمیر تثنیہ کی لائی جائے:

۱..... إِنَّ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا (النساء: ۱۳۵)

ترجمہ: وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جا رہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے۔

۲..... كَانَتَا تَتَقَاتِفَتُهُمَا (الأنبياء: ۳۰)

ترجمہ: آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے انہیں کھول دیا۔

۳..... يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ

بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: ۱)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیئے۔

دوم: مرجع اول المذکورین کو بنایا جائے اور ضمیر مفرد لائی جائے:

وَ إِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا (الجمعة: ۱۱)

ترجمہ: اور جب کچھ لوگوں نے کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھا تو اس کی طرف ٹوٹ پڑے۔

اس میں مرجع ”تِجَارَةً“ کو مان کر واحد مونث کی ضمیر لائی گئی ہے۔

سوم: مرجع آخر المذکورین کو بنایا جائے اور ضمیر مفرد لائی جائے:  
 وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (التوبة: ۳۴)  
 ترجمہ: اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اس (چاندی) کو  
 اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔

اس میں مرجع صرف ”الْفِضَّةُ“ کو بنایا گیا ہے اور ضمیر مفرد مونث کی لائی گئی ہے۔  
 چہارم: مرجع دونوں چیزیں ہوں اور مراد بھی دونوں ہوں مگر ضمیر واحد کی لائی جائے۔  
 ا..... وَاللَّهُ وَرَأْسُؤَلُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْا (التوبة: ۶۲)

ترجمہ: اگر یہ واقعی مؤمن ہوں تو اللہ اور اس کے رسول اس بات کے زیادہ  
 مستحق ہیں کہ یہ ان کو راضی کریں۔

۲..... النَّخْلُ وَالزَّرْعُ مُخْتَلِفًا أُكْلُهُ۔ (الأنعام: ۱۴۱)

ترجمہ: اور نخلستان اور کھیتیاں جن کے ذائقے الگ الگ ہیں۔

ان دونوں آیات میں مرجع دونوں چیزیں ہیں اور مراد بھی دونوں ہیں مگر ضمیر واحد کی  
 لائی ہے۔

فائدہ

مرجع کی وحدت اور تعدد کے اعتبار سے ضمیروں کا لانا تو موافق اصل ہے، لیکن جو  
 صورتیں اصل کے خلاف ہیں ان میں کوئی معنوی علت یا نکتہ پوشیدہ ہوا کرتا ہے جس کے  
 سبب خلاف اصل کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۰۸)

قَدْ يَرِدُ التَّكْرَارُ لِتَعَدُّدِ الْمُتَعَلِّقِ۔<sup>(۱)</sup>

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الرابع والعشرون: التكرار في القرآن، ج ۲ ص ۷۰۲

## حاصل قاعدہ

کبھی تکرار متعلق کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

## تشریح

قرآن کریم کی بہت سی آیتیں اور جملے مکرر آئے ہوئے ہیں جن سے محض تکرار کا وہم ہوتا ہے مگر حقیقت میں تکرار نہیں، بلکہ ہر جگہ آیت کا مفہوم متعلق کے اعتبار سے جداگانہ ہے۔

مثال نمبر ۱..... فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿۳۰﴾ (الرحمن)

ترجمہ: اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

سورہ رحمن میں یہ آیت تیس (۳۰) مرتبہ آئی ہے مگر ہر جگہ اس کا مفہوم اپنے ماقبل کے مضمون سے مربوط ہے، اس طرح ہر جگہ یہ آیت اپنے اندر تاسیس کا معنی لئے ہوئے ہے، اور وہ اس طور پر کہ سورہ رحمن میں حق جل سبحانہ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا، ہر ایک نوع کے انعام کے بعد بندوں سے اقرار و شکر کا مطالبہ کیا ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَيَوْمَ يَوْمٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰﴾ (المرسلات)

ترجمہ: بڑی خرابی ہوگی اُس دن ایسے لوگوں کی جو حق کو جھٹلاتے ہیں۔

یہ آیت سورہ مرسلات میں دس (۱۰) مرتبہ آئی ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مرسلات میں مختلف قصوں کو ذکر فرمایا ہے اور ہر قصے کے بعد فرمایا: ”وَيَوْمَ يَوْمٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰﴾“ کہ اس قصہ کے جھٹلانے والے کے لئے ہلاکت ہے۔

مثال نمبر ۳..... إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ (الشعراء)

ترجمہ: اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

یہ آیت سورہ شعراء میں الگ الگ قصوں کے بعد آٹھ (۸) مقامات پر آئی ہے، لہذا ہر جگہ قصہ سے استفادہ آیت کا معنی مراد ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۰۹)

قَدْ يَرِدُ الْخِطَابُ بِالشَّيْنِ فِي الْقُرْآنِ عَلَى إِعْتِقَادِ الْمُخَاطَبِ دُونَ مَا  
فِي نَفْسِ الْأَمْرِ - (۱)

حاصل قاعدہ

کبھی قرآن مجید میں کلام مخاطب کے اعتقاد کے مطابق آتا ہے اگرچہ حقیقت کچھ

اور ہو۔

مثال نمبر ۱..... وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ

رَبِّهِمْ (الشوری: ۱۶)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے بارے میں حجتیں نکالتے ہیں جب کہ لوگ اس کی

بات مان چکے ہیں، ان کی حجت ان کے پروردگار کے سامنے باطل ہے۔

اس میں کفار کی بے سرو پا باتوں کو حجت کہا گیا ہے، ان کے خیال کے مطابق۔

مثال نمبر ۲..... ادْعُوا شُرَكَاءَ كُمْ (الأعراف: ۱۹۵)

ترجمہ: تم ان سب دیوتاؤں کو بلا لاؤ۔

مثال نمبر ۳..... وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا (البقرة: ۱۶۵)

ترجمہ: اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ

دوسروں کو اس کی خدائی میں شریک کرتے ہیں۔

ان دو آیات میں ”شُرَكَاء“ اور ”أَنْدَادًا“ معبودانِ باطلہ کے لئے بولا گیا ہے، یہ بھی

محض کفار کے خیال کے مطابق ہے، اس لئے کہ حقیقت میں اللہ کا کوئی شریک اور اس کا کوئی

ہمسرو مساوی ہے ہی نہیں۔

(۱) البرهان فی علوم القرآن: تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۵۵

## قاعدہ نمبر (۱۱۰)

قَدْ يَرِدُ نَفْيُ الشَّيْءِ مُقَيَّدًا وَالْمُرَادُ نَفْيُهُ مُطْلَقًا مُبَالَغَةً فِي النَّفْيِ  
وَتَاكِيدًا لَهُ<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

شئی کی نفی کبھی بصورتِ تقيید کی جاتی ہے لیکن مراد اس سے مطلق نفی ہوتی ہے، اور ایسا  
نفی میں مبالغہ اور تاکید پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

## تشریح

اہل عرب کبھی کسی شئی کی مقید انداز میں نفی کرتے ہیں جس سے بظاہر معلوم ہوگا کہ  
مقصد صرف اس قید کی نفی کرنا ہے حالانکہ ان کا مقصد اصل شئی کی نفی کرنا ہوتا ہے، اور اس  
انداز سے نفی میں مبالغہ اور تاکید کا معنی پیدا ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرِيهِ (البقرة: ۴۱)

ترجمہ: اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ۔

اس میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اول کافر ہونے (یعنی سب سے پہلے کفر کرنے)  
سے روکا گیا جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کے کفر کر لینے کے بعد کفر کرنے کی  
ممانعت نہیں ہے، حالانکہ یہاں صرف اولیت کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر قسم کا  
کفر مطلقاً ممنوع ہے خواہ اول ہو یا بعد میں، البتہ اس انداز کی وجہ سے کفر سے دور رہنے کے  
حکم میں مبالغہ اور تاکید کا معنی آ گیا۔

مثال نمبر ۲..... وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا (البقرة: ۴۱)

ترجمہ: اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو۔

(۱) الإلتقان في علوم القرآن: النوع السابع والخمسون، ج ۳ ص ۲۶۳



یہاں مطلق ثمن مراد ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، قلیل کی قید مقصود نہیں۔

مثال نمبر ۳..... مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَبِيبٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝ (المومن)

ترجمہ: (اور اس روز) ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا

جس کا کہنا مانا جائے۔

میں مطلق شفیع مراد ہے خواہ مطاع ہو یا غیر مطاع، مطاع کی قید مقصود نہیں۔

مثال نمبر ۴..... وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ ۝ (المومنون: ۱۱۷)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو پکارے، جس پر اس کے پاس کسی

اور قسم کی کوئی دلیل نہیں۔

میں ”إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ“ سے مطلق غیر اللہ مراد ہے خواہ اس کے متعلق برہان ہو

(جیسا کہ اہل باطل اپنے لئے برہان تصور کر لیتے ہیں) یا برہان نہ ہو۔ ”لَا بُرْهَانَ“ کی قید

مقصود نہیں۔

### قاعدہ نمبر (۱۱۱)

قَدْ يَقْتَضِي الْمَقَامُ ذِكْرَ شَيْئَيْنِ بَيْنَهُمَا تَلَازُمٌ وَإِرْتِبَاطٌ فَيُكْتَفَى

بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْآخَرَ۔<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

کبھی مقام ایسی دو چیزوں کے ذکر کرنے کا متقاضی ہوتا ہے جن کے درمیان تلازم یا

خاص ربط ہوتا ہے، تو ان میں سے ایک ہی کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے جو دونوں کے لئے

کافی ہوتا ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَائِجَ لَيْلٍ يُقِيئُكُمُ الْهَرَمَ (النحل: ۸۱)

(۱) الإلتقان في علوم القرآن: النوع السادس والخمسون، ج ۳ ص ۲۰۳

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کریں۔

کیڑا تو حر و برد دونوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے مگر اکتفاء علی ذکر الحراس وجہ سے کیا گیا کہ بلاد عرب گرم تھے، اور ان کے نزدیک حفاظت عن الحر حفاظت عن البرد سے زیادہ اہم تھی۔

مثال نمبر ۲..... وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْبَيْتِ وَالنَّهَارِ (الأنعام: ۱۳)

ترجمہ: اور رات اور دن میں جتنی مخلوقات آرام پاتی ہیں سب اس کے قبضے میں ہیں۔

ای ما سکن و تحرك

مثال نمبر ۳..... بِبَيْدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران: ۲۶)

ترجمہ: آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی۔

ای الخیر و الشر

مثال نمبر ۴..... الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (البقرة: ۳)

ترجمہ: جو بغیر دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ای بالغیب و الشهادة

## قاعدہ نمبر (۱۱۲)

قَدْ يَكُونُ اللَّفْظُ مُحْتَمِلًا لِمَعْنَيْنِ فِي مَوْضِعٍ وَيَعِينُ فِي مَوْضِعٍ

آخِرَ - (۱)

حاصل قاعدہ

جہاں چند معانی کا احتمال ہو مگر کسی دوسری جگہ سے کوئی ایک معنی متعین ہو جائے تو اسی

معنی کو ترجیح ہوگی۔

مثال نمبر ۱..... حَتَّمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ ذُرِّيَّاتَ ابْنِ مَرْيَمَ غَشَاوَةً (البقرة: ۷)

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع الحادی والأربعون، ج ۲ ص ۱۹۷

ترجمہ: مہر لگادی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

یہاں ”وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ“ میں دو احتمال ہیں۔

اول: یہ کہ ما قبل ”وَعَلَىٰ قُلُوبِهِمْ“ پر عطف ہو یعنی قلب کی طرح سمع کے لئے ختم ثابت ہو۔ (اور آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے)۔

ثانی: یہ کہ جملہ متانفہ ہو اس صورت میں سمع کے لئے ابصار کی طرح غشاوة ثابت ہوگا۔ (اور ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور ان کے کان اور آنکھ پر پردہ ہے) سورہ جاثیہ میں یہ مضمون واضح طور پر اس طرح آیا ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَ  
قَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً (الجاثية: ۲۳)

ترجمہ: پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہے، اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہی میں ڈال دیا، اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔

پس قاعدہ مذکورہ کی رو سے چونکہ ایک توجیہ قرآن میں تعین کے ساتھ آئی ہے۔ لہذا اس صورت کو ترجیح ہوگی، اور سمع کے لئے ختم ہوگی۔

مثال نمبر ۲..... وَيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ (الحج)

ترجمہ: اور اس بیت عتیق کا طواف کریں۔

عتیق کے لغت کے اعتبار سے تین معانی ہیں: ۱.... قدیم۔ ۲.... کریم۔ ۳.... معتق من الجبارہ (یعنی اہل تسلط کے جبر و استبداد سے آزاد) اور تینوں معنوں کا حمل یہاں درست ہے، مگر ایک آیت سے پہلے معنی کی تعین ہوتی ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ۝ (آل عمران)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔ پس اس لحاظ سے قدیم کے معنی کو ترجیح ہوگی۔

مثال نمبر ۳..... ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ① (الأنعام)

ترجمہ: پھر بھی جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر قرار دے رہے ہیں۔

عدل دو معنوں میں مشترک ہے تسویہ اور اعراض، اور دونوں معنوں کا انطباق مذکورہ آیت میں ممکن ہے مگر معنی تسویہ کی تائید دیگر آیات سے ہوتی ہے۔

۱..... تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② اِذْ نَسُوْنَكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ③ (الشعراء)

ترجمہ: اور اللہ کی قسم! ہم تو اس زمانے میں کھلی گمراہی میں مبتلا تھے، جب ہم نے تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دے رکھا تھا۔

۲..... وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰنْدَادًا يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ④ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ⑤ (البقرة: ۱۶۵)

ترجمہ: اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس خدائی میں اس طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔

پس مذکورہ قاعدہ کی بناء پر ان آیات کی تائید سے ”يَعْدِلُونَ“ میں تسویہ کا معنی راجح ہوگا۔

## قاعدہ نمبر (۱۱۳)

قَدْ يَكُوْنُ سَبَبُ النُّزُوْلِ وَاٰتِ اَيَّاتِ النَّازِلَةِ مُتَّفِرِّقَةً وَّ الْعَكْسُ - ①

(۱) قواعد التفسير: القسم الأول في القواعد المتعلقة بأسباب النزول، ج ۱ ص ۲۵

## حاصل قاعدہ

کبھی سبب نزول ایک ہوتا ہے اور اس کے تحت نازل ہونے والی آیات متعدد ہوتی ہیں، کبھی اس کے برعکس (متعدد اسباب نزول کے تحت ایک آیت نازل ہوتی ہے)۔  
تطبیق مثال

الف: سبب نزول ایک اور نازل شدہ آیات متعدد:

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں ایک قصے کی تخریج کی ہے جس کو متعدد آیات کا سبب نزول بتایا گیا ہے وہ روایت یہ ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:  
مردوں کو غزوات میں شرکت کا موقع ملتا ہے، اور ہم عورتیں اس سے محروم رہتی ہیں، میراث میں بھی ہمیں نصف حصہ ملتا ہے، اس واقعہ کو درج ذیل متعدد آیات کا سبب نزول بتایا گیا ہے:

۱..... وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۗ (النساء: ۳۲)

ترجمہ: اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ان کی تمنانہ کرو۔

۲..... إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ..... الخ۔ (الأحزاب: ۳۵)

ترجمہ: بے شک فرماں بردار مرد ہوں یا فرماں بردار عورتیں، مؤمن مرد ہوں یا مؤمن عورتیں۔

۳..... أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرْتُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (آل عمران ۱۹۵)

ترجمہ: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ مرد ہو یا عورت۔<sup>(۱)</sup>

(۱) سنن الترمذی: ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة النساء، ج ۵ ص ۲۳۷، رقم

الحديث: ۳۰۲۲، ۳۰۲۳

ب: سبب نزول متعدد اور نازل شدہ آیت ایک:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ (التحریم: ۱)

ترجمہ: اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے، آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں۔

اس کے سبب نزول کے سلسلے میں دو روایتیں منقول ہیں:

۱..... ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب عسلا عند زينب بنت جحش و يمكث عندها، فواطيتُ أنا و حفصة على أيتنا دخل عليها فلتقل له: اكلت مغافير إني أجد منك ريح مغافير، قال: لا ولكني كنت أشرب عسلا عند زينب بنت جحش، فلن أعود له، وقد حلفت لا تخبري بذلك أحدا-<sup>(۱)</sup>

۲..... دوسری روایت یہ بتلاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله كانت له أمة يطوها، فلم تنزل به عائشة و حفصة حتى حرّمها على نفسه، فأنزل الله عز و جل: يا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك-<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۱۱۴)

قَدْ يَنْفَى الشَّيْءُ فِي الْقُرْآنِ رَأْسًا وَإِنْ كَانَتْ صُورَتُهُ مَوْجُودَةً لِعَدَمِ

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب یا ایها النبی لم تحرم ما أحل الله لك، ج ۶ ص ۱۵۶، رقم الحدیث: ۳۹۱۲

(۲) السنن الكبرى للنسائی: کتاب عشرة النساء، الغيرة، ج ۸ ص ۱۵۶، رقم الحدیث: ۸۸۵۷

كَمَالٍ وَصِفِهِ أَوْ لِإِنْتِفَاءِ ثَمَرَتِهِ۔<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

قرآن کبھی کسی شئی کے وصف میں کامل نہ ہونے یا مقصود سے خالی ہونے کی وجہ سے نفس شئی کی نفی کر دیتا ہے جب کہ وہ شئی موجود ہوتی ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۰﴾ (المائدہ)

ترجمہ: ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

اس میں کفار سے عقل کی نفی ہے جب کہ ظاہر ہے کہ ان کو عقل و دانش دی گئی ہے، مگر چونکہ عقل کا مقصود (نصیحت قبول کرنا) حاصل نہیں تھا اس لئے اس کی نفی کر دی گئی۔

مثال نمبر ۲..... هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۱۰۱﴾ (المرسلات)

ترجمہ: یہ وہ دن ہوگا جس میں لوگ بول نہ سکیں گے۔

اس میں علی الاطلاق نطق کی نفی کی گئی ہے جب کہ قیامت کے روز وہ یہ کہہ رہے ہوں گے:

فَقَالُوا يَلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۲﴾ (الأنعام)

ترجمہ: اور یہ کہیں گے اے کاش! ہمیں واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے تاکہ اس

بارہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہمارا شمار مومنوں میں ہو جائے۔

کیونکہ ان کا یہ بولنا کسی کام کا نہ ہوگا، اور انہیں فائدہ نہیں دے گا اس لئے نفی کر دی۔

مثال نمبر ۳..... وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾ (الأنعام)

ترجمہ: لیکن ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

مثال نمبر ۴..... لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا

يَسْمَعُونَ بِهَا (الأعراف: ۱۷۹)

(۱) الإتقان فی علوم القرآن: النوع السابع والخمسون، ج ۳ ص ۲۶۳ / الكلبيات: فصل النون،

ترجمہ: ان کے دل ہیں پر وہ اس سے سمجھتے نہیں اور ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں۔

پہلی آیت میں علم کی نفی کی گئی اس لئے کہ علم کا مقصود تھا کہ ہدایت کو جاننا اور اس کو قبول کرنا جو انہیں حاصل نہیں تھی اس لئے اس کی نفی کر دی گئی۔ دوسری آیت میں ان کے دلوں سے سمجھنے کی اور آنکھوں سے دیکھنے کی اور کانوں سے سننے کی نفی کی گئی ہے، اس لئے کہ جس مقصد کے لئے یہ اعضاء عطا کئے گئے انہوں نے اس کا حصول نہیں کیا اس لئے ان کی نفی کر دی۔

### قاعدہ نمبر (۱۱۵)

قَدِيرُ اللَّفْظِ فِي الْقُرْآنِ مُتَّصِلًا بِالْآخِرِ وَالْمَعْنَى عَلَى خِلَافٍ<sup>(۱)</sup>

#### حاصل قاعدہ

قرآن مجید میں کبھی دو چیزیں بظاہر ایک دوسرے کے ساتھ مربوط نظر آتی ہیں جب کہ حقیقت میں وہ مربوط نہیں ہوتیں۔

مثال نمبر ۱..... قَالُوا يَوْمَئِذٍ نَّأْتِيهِمْ آسَافُ سُمُومٍ وَعَدَاةُ غَمَامٍ مُّتَسَلِّطَةٍ فَتُصَدِّقُنَّهُمْ نَارٌ مِّنْ عَذَابِ الرَّحْمٰنِ وَصَدَقَ

الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۱﴾ (یس)

ترجمہ: کہیں گے ہائے ہماری کم بختی ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھایا، یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبر سچ کہتے تھے۔

یہاں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ”هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ“ قَالُوا کا مقولہ ہے ”يَوْمَئِذٍ نَّأْتِيهِمْ“ سے مربوط ہو کر ایک ہی قائل کا مقولہ ہے، مگر ایسا نہیں بلکہ ”يَوْمَئِذٍ نَّأْتِيهِمْ“ تو منافقین کا مقولہ ہے اور ”هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ“ ملائکہ کا ہے۔

مثال نمبر ۲..... قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعْرَافَهُمْ آذِنًا

أَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۰﴾ (النمل)

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع الثانی، ج ۱ ص ۵۰



ترجمہ: بادشاہ کے لوگ جب کسی بستی میں (مخالفانہ طور پر) داخل ہوتے ہیں تو

اس کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں، اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو

ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔

”وَ كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ“ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، اور ما قبل کا جملہ بلیقیس کا ہے کما قال کثیر من

المفسرین مگر بظاہر دونوں بلیقیس کے قول معلوم ہوتے ہیں۔

مثال نمبر ۳..... الثَّنِ حَصَّصَ الْحَقُّ نَارًا وَأَوْذَتْهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۵۱﴾

ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿۵۱﴾ (یوسف)

ترجمہ: اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی میں نے ان سے اپنے مطلب کی خواہش

کی تھی اور بیشک وہی سچے ہیں (یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ اہتمام

محض) اس وجہ سے ہے تاکہ اس (یعنی عزیز مصر) کو یقین کے ساتھ معلوم

ہو جائے کہ میں نے ان کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو پر دست اندازی نہیں

کی، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

”ذَلِكَ لِيَعْلَمَ“ یوسف علیہ السلام کا قول ہے، اور ”الثَّنِ حَصَّصَ الْحَقُّ“ زلیخا کا۔

مثال نمبر ۴..... إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ

مُبْصِرُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَبْتَغُونَ فِي الْعِزِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۱۰۲﴾ (الأعراف)

ترجمہ: جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے انہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی

خیال آ کر چھوتا بھی ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں، چنانچہ اچانک ان کی

آنکھیں کھل جاتی ہیں، اور جو ان شیاطین کے بھائی ہیں، ان کو یہ شیاطین

گمراہی میں گھسیٹتے لے جاتے ہیں، نتیجہ یہ کہ وہ (گمراہی سے) باز نہیں آتے۔

## قاعدہ نمبر (۱۱۶)

قَدْ يَقْتَضِي الْكَلَامُ ذِكْرَ شَيْنَيْنِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى أَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ هُوَ

(۱) المَقْصُودُ -

## حاصل قاعدہ

کبھی کلام دو چیزوں کے ذکر کا متقاضی ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک ہی کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے اس کے مقصود ہونے کی وجہ سے۔

مثال..... قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يٰمُوسٰى ﴿۱۰﴾ (طہ)

ترجمہ: وہ کہنے لگا کہ پھر (یہ بتلاؤ کہ) تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ۔

ربکما کی ضمیر تثنیہ کا تقاضا تھا کہ کہا جاتا "یا موسیٰ و ہارون" مگر چونکہ موسیٰ ہی السلام ہی مقصود خطاب تھے اس لئے ان ہی کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

## قاعدہ نمبر (۱۱۷)

كثِيرًا مَا تُخْتَمُ الْآيَاتُ الْقُرْآنِيَّةُ بِبَعْضِ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنَى لِلتَّذْلِيلِ  
عَلَى أَنَّ الْحُكْمَ الْمَذْكُورَ لَهُ تَعَلُّقٌ بِذَلِكَ الْإِسْمِ الْكَرِيمِ - (۲)

## حاصل قاعدہ

بیشتر آیات کا اختتام اسمائے حسنیٰ پر ہوا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ مضمون آیت کا اس اسم شریف کے ساتھ خاص تعلق ہے۔

## مثال مع تطبیق

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ إِنَّهُ سَمِيعٌ

عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾ (الأعراف)

ترجمہ: اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ

(۱) القواعد الحسان لتفسير القرآن: القاعدة التاسعة عشرة، ص ۳۵

(۲) البرهان في علوم القرآن: تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۱۲۶

مانگ لو، یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے۔

آیت شریفہ کا اختتام ذاتِ باری تعالیٰ کے دو ناموں پر ہوا ”سمیع اور علیم“ اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ استعاذہ میں قلب و زبان کی موافقت ضروری ہے، یعنی زبان سے وہی بات کہے جو دل میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے اور دل میں جو کچھ ہے اللہ اسے جانتا ہے کیونکہ وہ علیم ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنْ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ (المائدہ)

ترجمہ: اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سوان دونوں کے (داہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو تا کہ ان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو، اور اللہ تعالیٰ بڑے قوت والے ہیں۔ (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں)۔

یہاں اللہ کے اسماء حسنی میں ”عزیز اور حکیم“ کا ذکر ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عزیز (غلبہ والا) جو چاہے حکم دے سکتا ہے، تاہم اس کا حکم بنی پر حکمت ہی ہوا کرتا ہے اس لئے کہ وہ حکیم ہے۔

مثال نمبر ۲..... فَرِيضَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۰ (النساء)

ترجمہ: یہ تو اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں، یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور حکمت والے ہیں۔

یہ آیت مواریث کے متعلق ہے اس کا اختتام اللہ عز و جل کے دو ناموں پر ہوا ہے۔ علیم سے اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جس کا جتنا حق متعین فرمایا وہ بالکل صحیح اور قرین انصاف ہے، اور جس کے لئے جو حصہ مقرر کیا ہے اس میں حکمت ہے۔

مثال نمبر ۳..... وَرَادَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغِيْظِهِمْ لَمْ يَنْالُوْا خَيْرًا ۗ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

الْقِتَالَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝۱۰ (الاحزاب)

ترجمہ: اور جو لوگ کافر تھے اللہ نے انہیں ان کے سارے غیظ و غضب کے ساتھ اس طرح پسا کر دیا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے، اور مومنین کی طرف سے لڑائی کے لئے اللہ خود کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت کا، بڑے اقتدار کا مالک ہے۔

یہ آیت غزوہ خندق کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس میں ”وَ كَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ“ پر اکتفاء کیا جاتا تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ کفار شکستگی کا سبب آنے والی آندھی تھی جو ایک اتفاقی چیز ہے، پس اللہ نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے ”قُوِّيَّا عَزِيْزًا“ فرمایا کہ اللہ بڑی قوت و غلبہ والا ہے اس نے اپنے ارادہ سے آندھی بھیج کر قوت و غلبہ کا اظہار فرمایا اور مومنین کو فتح نصیب ہوئی۔

## قاعدہ نمبر (۱۱۸)

كُلُّ اسْمٍ مَّعْرِفَةٍ ذِيْ اَفْرَادٍ يُفِيْدُ الْعُمُوْمَ - (۱)

حاصل قاعدہ

وہ اسم معرفہ جو ذی افراد ہو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

تشریح

ذی افراد کی قید سے علم شخصی جیسے احمد، زید وغیرہ سے احتراز ہے، اس قاعدہ کے تحت مندرجہ ذیل اسماء آتے ہیں۔

اسمائے موصولہ خواہ مفرد ہوں یا تشنیہ یا جمع عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

مثال نمبر ۱..... الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً (النور: ۲)

ترجمہ: زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو

(۱) المسودة في اصول الفقه: مسألة: يصلح ادعاء العموم في المضمرات والمعاني، ص ۹۰

کوڑے لگاؤ۔

الف لام اسمی اسم موصول ”الذی“ کے معنی میں لہذا ہرزانی اور زانیہ کو شامل ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۸﴾ (الزمر)

ترجمہ: اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے (اور خود بھی) اس کو سچ جانا ہے۔

ہر راستی کے ساتھ آنے والے اور تصدیق کرنے والے کو شامل ہے، اسی لئے آگے

فرمایا گیا ہے ”أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ“ یہاں بھی اسم موصول عموم کے لئے ہے۔

مثال نمبر ۳..... أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ (الحج: ۱۸)

ترجمہ: (اے مخاطب!) کیا تجھ کو (عقل سے یا مشاہدے سے) یہ (بات)

معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے (اپنی اپنی حالت کے مناسب) سب

عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

مثال نمبر ۴..... سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴿۱﴾ (الحشر: ۱)

ترجمہ: اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں

(مخلوقات) ہیں۔

مثال نمبر ۵..... وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ﴿۱۱﴾ (الرحمن)

ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا

رہتا ہے اس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے۔

مثال نمبر ۶..... مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَآلَا بِأَذْنِهِ ﴿۲۵۵﴾ (البقرة: ۲۵۵)

ترجمہ: ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے بدون اس

کی اجازت کے۔

ان چاروں آیات میں لفظ ”من“ اور ”ما“ آیا ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے، تو یہاں

اسم موصول عموم کے لئے ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۱۹)

كُلُّ أَمْرٍ قَدْ عَلِقَ بِمَالٍ يَكُونُ فَقَدْ نَفِي كَوْنُهُ عَلَى أَبْعَدِ الْوُجُوهِ - (۱)

حاصل قاعدہ

جس امر کی نفی محال پر معلق کر کے کی گئی ہو وہ نفی سب سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

مثال نمبر ۱..... قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَكَدٌّ فَإِنَّا أَوْلُ الْعَبِيدِ ۝ (الزخرف)

ترجمہ: آپ کہیے کہ اگر خدائے رحمن کے اولاد ہو تو سب سے اول اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں۔

تطبیق

یہ مثال ہے نفی معلق علی المحال کی ہے یعنی کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر اللہ کی عبادت کی نفی کی گئی ہے، اس طور پر کہ اس کو معلق کیا گیا ہے رحمن یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ہونے پر جو محال ہے، اور تعلق بالمحال کی شکل میں نفی نہایت بلیغ مانی جاتی ہے اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ثبوت کبھی نہیں ہو سکتا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر اللہ کی عبادت بھی کبھی متحقق نہیں ہو سکتی۔

مثال نمبر ۲..... إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ

لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۗ (الأعراف: ۴۰)

ترجمہ: (لوگو!) یقین رکھو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ ان سے منہ موڑا ہے، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ اونٹ ایک سوئی کے نا کے میں داخل نہیں ہو جاتا۔

(۱) البرہان فی علوم القرآن: تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۴۱۰

یہاں ”مکذبین“ کے دخولِ جنت کی نفی کو اونٹ کے سوئی کے سوراخ میں داخل ہونے پر معلق کیا گیا ہے جو کہ محال امر ہے، پس اسی طرح ”مکذبین“ کے لئے دخولِ جنت بھی محال ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۲۰)

كُلُّ حَرْفٍ زَيْدٍ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ لِلتَّكْيِيدِ فَهُوَ قَائِمٌ مَقَامَ إِعَادَةِ الْجُمْلَةِ  
مَرَّةً أُخْرَى. (۱)

#### حاصل قاعدہ

کلام عرب میں تاکید کے لئے زائد کیا جانے والا حرف دوبارہ جملہ کے اعادہ کرنے کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مثال..... فَيَكِيدُ وَالكَ كَيْدًا (يوسف: ۵)

ترجمہ: ورنہ وہ تدبیر کریں گے تیرے خلاف (بری) تدبیر۔

مذکورہ بالا مثال میں لفظ ”كَيْدًا“ کا اضافہ ہے تو گویا کہ پورے جملے کا دوبارہ اعادہ کیا گیا، اب تقدیری عبارت ہوگی:

ای فیکیدوا لک فیکیدوا لک۔

### حذف سے متعلق چند اہم قواعد

۱..... لا تقبل دعوى الحذف إلا بدليل۔ بغیر دلیل کے حذف کا دعویٰ معتبر نہیں۔

۲..... حذف خلافِ اصل ہے اس لئے یہاں دو امر کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) البرهان فی علوم القرآن: تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۷۱ / الإتيان فی علوم

القرآن: النوع السادس والخمسون، ج ۳ ص ۲۲۰

اول: جب حذف اور عدم حذف دونوں کی گنجائش ہو تو عدم حذف اولیٰ ہے۔  
 دوم: جب حذف قلیل و کثیر دونوں کی گنجائش ہو تو قلیل پر اکتفاء اولیٰ ہے۔  
 ۳..... جس مقام پر حذف ذکر کے مقابلہ میں زیادہ مناسب ہو تو وہاں حذف کا عمل  
 ذکر سے بہتر ہوگا۔

۴..... کلام اللہ کے محذوفات میں جہاں مختلف احتمالات ہوں تو وہاں احسن کو اختیار  
 کرنا اولیٰ ہوگا کہ یہی بلاغت قرآن کے شایانِ شان ہے۔  
 ۵..... کلام محذوف کے متعلق مجمل اور مبین دونوں کا احتمال ہو تو مبین کو مقدر ماننا بہتر ہوگا۔

### قاعدہ نمبر (۱۲۱)

كُلُّ حَرْفٍ لَهُ مَعْنَى مُتَبَادِرٌ ثُمَّ اسْتَعْمِلَ فِي غَيْرِهِ فَإِنَّهُ لَا يُتْرَكُ ذَلِكَ  
 الْمَعْنَى الْمُتَبَادِرُ بِالْكُلِّيَّةِ بَلْ يَبْقَى فِيهِ رَائِحَةٌ مِنْهُ وَيَلَا حَظُّ مَعَهُ (۱)

### حاصل قاعدہ

جس حرف کو اس کے معنی متبادر سے ہٹا کر دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہو اس میں  
 معنی اول کی بوباقی رہتی ہے اور معتبر بھی ہوتی ہے۔

مثال..... قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ (الحجر)

ترجمہ: یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے۔

### تطبیق

یہاں ”علی“، ”إلی“ کے معنی میں لایا گیا ہے اور ”علی“ کا معنی ہے ”استعلاء“  
 اور ”استقرار“ پس اس میں اشارہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کو حق اور ہدایت پر استعلاء  
 کے ساتھ استقرار حاصل ہے یعنی ہدایت پر پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے ہیں۔

(۱) الکلیات لأبی البقاء: فصل فی المتفرقات، ج ۱ ص ۹۹



## قاعدہ نمبر (۱۲۲)

كُلُّ فِعْلٍ لِلَّهِ تَعَالَى مَذْكُورٌ فِي الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ يَصِحُّ فِيهِ إِضْمَارُ لَفْظِ  
الْجَلَالَةِ "اللَّهُ" وَإِنْ لَمْ يَسْبِقْ ذِكْرُهُ لِتَعَيُّنِهِ فِي الْعُقُولِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

قرآن میں جو افعال اللہ تعالیٰ کے مذکور ہیں، ان کو اگرچہ اللہ کی طرف نسبت کئے  
بغیر ذکر کیا گیا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ یہ نسبت ذہنوں میں  
متعین ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (البقرة: ۲۲)

ای انزل اللہ۔

مثال نمبر ۲..... خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ (الأنعام: ۱)

ای خلق اللہ۔ جعل اللہ۔

## قاعدہ نمبر (۱۲۳)

كُلُّ مَا أَضَافَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَى نَفْسِهِ فَلَهُ مِنَ الْمَزِيَّةِ وَالْإِخْتِصَاصِ عَلَى  
غَيْرِهِ مَا أَوْجَبَ لَهُ الْإِصْطِفَاءَ وَالْإِجْتِبَاءَ - (۲)

## حاصل قاعدہ

جن چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے ان کو دوسروں کے مقابلہ میں  
فضیلت اور امتیاز حاصل ہے، نیز ان کے عند اللہ مقبول اور منتخب ہونے کی دلیل ہے۔

(۱) الکلیات لأبی البقاء: فصل الألف والضاد، ج ۱ ص ۱۸۷

(۲) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: اختیارة سبحانه وتعالى من الأماكن والبلاد خیرها وأشرفها،

تنبیہ

جو چیزیں اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف منسوب اور مضاف ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:  
پہلی قسم: وہ جو مقتضی تشریف نہ ہو، جیسے:

إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ (المائدة: ۱۱۸)

ترجمہ: اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں۔

أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۖ (الزمر)

ترجمہ: آپ ہی (قیامت کے روز) اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ فرمادیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔

یہاں نفس مضمون سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ اضافت بغرض تشریف و اکرام نہیں بلکہ ان دونوں آیتوں میں یعنی اضافت الی اللہ سے مقصود بندوں کی بارگاہِ خداوندی میں مقہوریت و مغولیت کو بتلانا ہے۔

دوسری قسم: وہ جو مقتضی کرامت ہو، جیسے ”وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَسْتَوْنَ..... إلخ“ یہ اضافت سیاقِ مدح میں وارد ہے اس لئے مقتضی کرامت ہے۔  
قاعدہ مذکورہ بالا اسی نوعِ ثانی کے متعلق ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مخلوقات میں جس کی نسبت اللہ کی طرف مقامِ مدح میں ذکر کی گئی ہو اس کے عند اللہ مصطفیٰ اور مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

مثال نمبر ۱..... لِيُعْبَادُوا لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۖ (الزخرف)

ترجمہ: (اور مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ غمگین ہوں گے۔

یہاں عبودیتِ اصطفا مراد ہے، پس یہ اضافت مقتضی تکریم و تشریف ہے۔

مثال نمبر ۲..... فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا (مریم: ۱۷)

ترجمہ: پس اس حالت میں ہم نے اپنے فرشتے (جبریل) کو بھیجا۔

یہاں روح سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

مثال نمبر ۳..... نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ③ (الشمس)

ترجمہ: اللہ کی (اس) اونٹنی سے اور پانی پینے سے خبردار رہنا۔

مثال نمبر ۴..... فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا (الكهف: ۶۵)

ترجمہ: سو (وہاں پہنچ کر) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو

پایا جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی۔

ان تمام مثالوں میں اضافت تکریم و تشریف کی غرض سے ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۲۴)

كُلُّ مَا كَانَ مِنَ الْأَوْصَافِ أَبْعَدَ مِنْ بِنْيَةِ الْفِعْلِ فَهُوَ أَبْلَغُ ①

حاصل قاعدہ

جو وصف فعل کے وزن سے جتنا بعید ہوگا وہ اسی قدر بلیغ ہوگا۔

تشریح

اس قاعدہ کی علت یہ ہے کہ چونکہ اسم میں ثبوت و دوام کا مفہوم ہوتا ہے، اور فعل میں

تجدد اور حدوث کا، اس لئے جو وصف فعل کے وزن سے جس قدر دور ہوگا اسی قدر اس کو اسم

سے قرب ہوگا اور اس میں معنی وصفی زیادہ بلیغ انداز میں پایا جائے گا۔

مثال..... الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ① (الفاتحة)

”الرَّحْمَنِ“ ”الرَّحِيمِ“ سے بلیغ ہے اس لئے کہ یوں کہا جاتا ہے ”رحم یرحم

رحمًا فهو راحم و رحیم“ مثال مذکور میں ”رحمن“ راحم اور رحیم کے مقابلہ میں وزن فعل

(رَحِمَ) سے زیادہ دور ہے اس لئے اس میں رحمت کا معنی بھی زیادہ ہے۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد العاشر: الوصف، ج ۱ ص ۳۴۰

## قاعدہ نمبر (۱۲۵)

كُلُّ مَعْنَى مُسْتَنْبَطٍ مِّنَ الْقُرْآنِ غَيْرِ جَارٍ عَلَى اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ فَلَيْسَ  
مِنْ عُلُومِ الْقُرْآنِ فِي شَيْءٍ (۱)

## حاصل قاعدہ

قرآن کریم سے اخذ کردہ ہر ایسا نکتہ جو زبان عربی کے مزاج و اسلوب سے عدول کر کے مستنبط کیا گیا ہو اس کا علوم قرآنی سے کوئی تعلق نہیں۔

## تشریح

قرآن کریم عربوں کی زبان اور ان کے مزاج و محاورہ کو سامنے رکھ کر نازل کیا گیا ہے، لہذا قرآن فہمی کے لئے عربوں کی فہم اور ان کا طریقہ استنباط ہی معتبر ہوگا اس سے ہٹ کر جو مضمون مستنبط کیا گیا ہو اس کو قرآنی علوم میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اس قاعدہ کی رو سے ملاحظہ اور زنادقہ کی تفسیریں باطل ہو جاتی ہیں، جو اصول عربیت سے ہٹ کر اپنے باطل مدعی کی موافقت کے لئے کئی گئی ہیں، نیز اس سے فرقہ باطنیہ کی تاویلات و تفسیرات کا باطل ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے جو نصوص کتاب اللہ میں ہیر پھیر کر کے اپنے مسلک کے اثبات میں کی گئی ہیں۔

اسی طرح حسابِ جمل کے ذریعہ مستخرج کئے ہوئے نکتے بھی اس قاعدہ کی رو سے قرآنیات سے خارج ہیں، نیز قرآن سے استنباط کردہ فہمی مسائل جو اصول عربیت کے موافق نہیں ہے اسی قسم میں داخل ہیں، اسی طرح بعض حضرات رسم عثمانی سے کچھ مسائل استنباط کرتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں۔

(۱) الموافقات فی اصول الشریعة: کتاب الأدلة الشرعية، الدلیل الأول، ج ۲ ص ۲۲۳

## تطبیق مثال: ملاحظہ کی تفسیروں کے چند نمونے

۱..... هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾ (آل عمران)

ترجمہ: یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لئے واضح اعلان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت۔

فرقہ بیانیہ کا سرغنہ جس کا نام تھا ”بیان بن سمعان“ وہ کہا کرتا تھا کہ یہاں ”بیان“ سے میں ہی مراد ہوں۔

۲..... فرقہ منصور یہ کارئیس ابو منصور جس کا نام ”کسف“ تھا، وہ کہا کرتا تھا ”وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ“ میں کسف سے مراد میں ہی ہوں۔

۳..... عبید اللہ شیبی جس کا لقب مہدی تھا اس کے دو درباری تھے، جن سے وہ مدد لیا کرتا تھا ایک کا نام ”نصر اللہ“ اور دوسرے کا نام ”فتح اللہ“ رکھا تھا، اور کہتا تھا کہ ”إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝“ میں تمہارا ہی ذکر آیا ہے۔

## استنباط مسائل میں تحریف آیات کے چند نمونے

۱..... فَإِنْ كُنَّ امْرَأَاتٌ لَّكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء: ۳)

ترجمہ: تو نکاح کر لو ان عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے۔

بعض حضرات نے اس آیت سے نو عورتوں سے نکاح کے جواز پر استدلال کیا ہے، اس طور پر کہ ثنی سے دو اور ثلاث سے تین اور رباع سے چار اس طرح مجموعی طور پر کل نو عورتوں سے نکاح کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

یہ تفسیر عربیت کے اصول و قواعد سے میل نہیں کھاتی ہے، اس لئے کہ اہل عرب ثنی و ثلاث وغیرہ جیسے اعداد میں ہر لفظ کا معنی انفراداً مراد لیتے ہیں سب کا حاصل اور مجموعہ مراد نہیں لیتے۔

۲..... حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ (المائدة: ۳)

ترجمہ: تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت۔

”لَحْمُ الْخِنْزِيرِ“ سے بعض لوگوں نے خنزیر کی چربی حلال ہونے پر استدلال کیا ہے، یہ تفسیر اصول عربیت کے موافق نہیں ہے، کیوں کہ اہل عرب کبھی اعظم منافع کو ذکر کر کے کل شئی مراد لیتے ہیں اور یہ اسی قبیل سے ہے، گوشت اعظم المنافع ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا ورنہ مراد خنزیر کا ہر جزء ہے۔

اپنے مذہب کی موافقت کے لئے آیات میں تحریف کے نمونے

۱..... وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ (الأعراف: ۱۷۹)

ترجمہ: اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انس دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں۔

بعض منکرین تقدیر نے ”وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ“ کی تفسیر ”القینا فی جہنم“ سے کی ہے، اس طور پر کہ ”ذَرَأْنَا“ مہموز کو معتل کے معنی میں قرار دیا، جب کہ ”ذَرَأْنَا“ مہموز کے معنی ہیں پیدا کرنا اور ”ذری“ معتل کے معنی ہیں بکھیرنا، گرانا، ڈالنا، کیونکہ ”ذرا“ کو اپنے معنی پر رکھا جائے تو تقدیر کا اثبات ہوتا ہے جس کے انکار پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔ یہ تفسیر اصول عربیت سے بالکل منحرف ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔

۲..... وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء)

ترجمہ: اور موسیٰ سے تو اللہ تعالیٰ براہ راست ہم کلام ہوا۔

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ واجب الوجود انسانوں سے بالمشافہ کلام نہیں کرتا، اس لئے انہوں نے آیت میں ”كَلَّمَ“ کو ”كَلَّمَ“ بمعنی جرح سے مشتق مانا ہے اور آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکمت کے پنجوں سے زخمی کیا۔

یہ تفسیر عربی اسلوب و قواعد سے معارض محض ہے، اور اپنے مذہب فاسد کی حمایت کے لئے کی گئی تحریف کا ایک نمونہ ہے اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

## باطنیہ کی تفسیر کے چند نمونے

وَوِثَّ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ (النمل: ۱۶)

ترجمہ: اور داؤد کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام سلیمان ہوئے۔

باطنیہ نے سلیمان کی تفسیر امام سے کی ہے اور داؤد کی تفسیر ”علم نبی“ سے کی ہے یعنی امام علم نبی کے وارث ہوئے۔

اس فرقہ نے قرآن کی بہت سی آیات میں اس طرح کی تفسیریں کی ہیں جن کا الفاظ اور اصول عربیت سے کوئی واسطہ نہیں، یہاں تک کہ قرآن میں وارد شدہ بعض کلمات کے معانی اپنی طرف سے متعین کر لئے ہیں جس سے ان کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ لفظ غسل کی تفسیر ”تجدید عہد“ سے کرتے ہیں اور لفظ طہور کی تفسیر کرتے ہیں ”امام کی متابعت کے علاوہ ہر مذہب کے اعتقاد سے بیزاری کرنا“۔

اسی طرح ان کے نزدیک صیام کا معنی ہے ”کشفِ ستر سے رکنا“۔

کعبہ کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، باب کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں۔ اسی طرح صفا سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مروہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۱۲۶)

كُلَّمَا عَظُمَ الْإِهْتِمَامُ كَثُرَ التَّكْيِيدُ<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

جو چیز جس قدر اہم ہوتی ہے اس میں اسی قدر زیادہ تاکید لائی جاتی ہے۔

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الحادی عشر: التوكید، ج ۱ ص ۲۵۵

## تشریح

یہ قاعدہ ماسبق میں گزر چکا ہے کہ اہل عرب کے یہاں جو بات اہم اور قابل اعتناء ہوتی ہے اس کو بصیغہ تاکید ذکر کرتے ہیں، اسی طرح جو مضمون جس قدر زیادہ اہم ہوتا ہے اسی قدر تاکید زیادہ لائی جاتی ہے، نیز معلوم ہونا چاہئے کہ کبھی مخاطب کے لحاظ سے بھی تاکید کا اضافہ کیا جاتا ہے، یعنی مخاطب کا انکار جس درجہ کا ہوتا ہے اسی اعتبار سے تاکید لائی جاتی ہے، جیسے:

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝۱۰ (الانفطار)

ترجمہ: اور تم پر تمہارے (سب اعمال) یاد رکھنے والے (فرشتے) مقرر ہیں۔  
یہاں اہمیت مضمون کے پیش نظر ”إِنَّ“ اور ”لَام“ دو دو تاکیدیں لائی گئی ہیں۔  
مثال نمبر ۱..... إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝۱۱ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝۱۲ (الانفطار)  
ترجمہ: یقین رکھو کہ نیک لوگ یقیناً بڑی نعمتوں میں ہوں گے، اور بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے۔

مثال نمبر ۲..... وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۳ (الحجر)

ترجمہ: اور جہنم ایسے تمام لوگوں کا طے شدہ ٹھکانہ ہے۔

مثال نمبر ۳..... إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝۱۴ (اللیل)

ترجمہ: یہ سچ ہے کہ راستہ بتلانا ہمارے ذمے ہے۔

ان تمام آیات میں اہمیت مضمون کے پیش نظر تاکیدات لائی گئیں۔ ان سب آیات میں ”إِنَّ“ اور ”لَام“ دو دو تاکیدیں لائی گئی ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۱۲۷)

لَا زَائِدَ فِي الْقُرْآنِ - (۱)

(۱) البحر المحيط فی اصول الفقہ: مباحث الكتاب، مسألة: لا زائد فی القرآن، ج ۲ ص ۲۰۰



## حاصل قاعدہ

قرآن کریم میں کوئی حرف زائد نہیں (یعنی بے فائدہ)

قرآن چونکہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار کا ایک نمونہ ہے، اور حشو و زائد فصاحت و بلاغت کے منافی و معارض ہے، کیوں کہ زیادتی دو حال سے خالی نہیں، یا تو ایسی زیادتی ہوگی جس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا یا ایسی زیادتی جو کسی فائدہ پر مشتمل ہوگی مگر اس کے حذف سے کلام میں کوئی خلل نہ پیدا ہو، اور یہ دونوں قسمیں کلام کے نقائص میں سے ہیں، اور جس طرح ذات باری تعالیٰ منزہ عن النقائص ہے اسی طرح اس کا کلام بھی منزہ ہے، لہذا قرآن کو حشو و زائد سے پاک رکھا گیا۔

سوال: یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ مفسرین کرام تو بہت سارے مواقع پر لکھتے ہیں ما زائدہ ہے، باء زائدہ ہے، من زائدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب: مفسرین کا بعض کلمات کو زائدہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کلام کی مراد اصلی کے اعتبار سے وہ زائد ہیں یعنی اگر یہ حرف زائد نہ ہوتا تب بھی کلام کا معنی اصلی حاصل ہو جاتا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کلمات (زائدہ) کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ کلمہ زائدہ عموماً دوسرے معانی کے ساتھ تاکید کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً ”فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ“ اور ”عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ“ ان دونوں آیتوں پر کلمہ ”ما“ زائد ہے مگر کسی نہ کسی معنی پر مشتمل ہے، تو ہر حرف زائد میں فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے کوئی کوئی نکتہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۲۸)

لَا يُبْحَثُ عَنْ مُّبْهَمٍ أَخْبَرَ اللَّهُ بِاسْتِثْنَائِهِ بَعْلِمِهِ۔

## حاصل قاعدہ

جس امر مبہم کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص ہونے کی خبر دی ہو اس پر اطلاع کے درپے ہونا حاصل ہے۔

## تشریح

قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کو اللہ رب العزت نے مبہم رکھا ہے، اس کا علم مخلوق میں کسی کو نہیں دیا، ایسے مبہمات دو قسم پر ہیں۔

## پہلی قسم

جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے صراحت کر دی ہو کہ اس کا علم میرے علاوہ کسی کے پاس نہیں، جیسے یوں کہا ”لا یعلمہ إلا اللہ“ وغیرہ۔

## دوسری قسم

ان مبہمات کی ہے جن کو اللہ نے فقط مبہم رکھا ہوا اپنے ساتھ اختصاص علم کی صراحت نہ کی ہو۔

دونوں قسموں کے مبہمات کی تعیین و تفصیل اور اس کی جزئیات کے درپے ہونا تضحیح اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں، البتہ قسم اول کے متعلق تلاش و جستجو کرنا اور ہی زیادہ بے سود اور مذموم ہے، کیوں کہ جس امر کے علم سے متعلق خود اللہ نے نفی کر دی ہو اس پر اطلاع پانا کسی طرح ممکن نہیں۔ پس ان مبہمات کے درپے رہنا علم الہی سے منازعہ و مقابلہ کے مترادف ہے۔ قاعدہ مذکورہ اسی قسم سے متعلق ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (الأنفال: ۶۰)

ترجمہ: اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔

آیت مذکورہ سے قبل ”وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ“ میں ان کفار کا بیان تھا، جو بدر کی لڑائی میں شرکت سے بچ نکلے تھے، ان کے متعلق مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کے خلاف ہر طرح کی طاقتیں اور قوتیں صرف کرو، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ“ کہ ان کے علاوہ کفار کی ایک اور جماعت ہے مگر

اس جماعت کی بابت اللہ تعالیٰ نے کچھ تفصیل و تبیین نہیں فرمائی بلکہ فرمایا: ”لَا تَعْلَمُوهُمْ“ کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے تمہیں نہیں ہے، پس اس جماعت کے متعلق تحقیق و جستجو کرنا سعی لا حاصل ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَىٰ النَّفَاقِ ۚ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۗ (التوبة: ۱۰۱)

ترجمہ: اور کچھ تمہارے گرد و پیش والے دیہاتیوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں

ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں کہ آپ (بھی) ان کو

نہیں جانتے (کہ یہ منافق ہیں بس) ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں دو قسم کے منافقین کا بیان ہے:

اول: وہ منافقین جن کا نفاق ان کے اقوال و افعال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

ظاہر ہو چکا تھا۔

دوم: وہ منافقین جن کے نفاق کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھی، اس گروہ

کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”لَا تَعْلَمُوهُمْ“ کہ ان کا علم ہمارے پاس ہے،

تمہیں نہیں ہے، پس اب اس جماعت پر اطلاع پانے کے درپے ہونا سعی لا حاصل کے سوا

کچھ بھی نہیں ہے۔

مثال نمبر ۳..... وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۗ (ابراہیم: ۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی

نہیں جانتا۔

اس آیت کا سیاق یہ ہے کہ اس سے کفار مکہ کو قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود کے

واقعات و انجام سے عبرت دلائی گئی ہے ”الَّذِينَ يَأْتِكُم مِّنَ الَّذِينَ نَبَّأُوا بِالنَّبِيِّينَ أَنِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّن دُونِ اللَّهِ فَذَلِكُمْ الَّذِي نَبَّأُوا بِكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ“

”وَ عَادٍ وَ ثَمُودَ“ پھر اس کے بعد فرمایا کہ عاد و ثمود کے بعد انہی کی روش پر چلنے والی اور بھی

قومیں ان کے بعد آئیں مگر اس قوم کے متعلق اللہ نے کچھ خبر نہیں دی بلکہ یوں کہا ”لَا

يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ“ کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، پس ان کے متعلق بحث و جستجو کرنا اللہ کے علم غیب پر اطلاع کے درپے ہونا ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۲۹)

لَا يُقَدَّرُ مِنَ الْمَحْذُوفَاتِ إِلَّا أَفْصَحُهَا أَوْ أَشَدُّهَا مُوَافَقَةً لِلْغَرَضِ - (۱)

#### حاصل قاعدہ

ایسے محذوفات مقدر مانے جائیں جو فصیح اور مقصود کے زیادہ موافق ہیں۔

مثال..... جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيًّا لِلنَّاسِ (المائدة: ۹۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام امن

کا ذریعہ بنایا ہے۔

بعض کے نزدیک تقدیر آیت ”جعل الله نصب الكعبة“ اور بعض کے نزدیک لفظ

”حرمة“ محذوف مان کر ”جعل الله حرمة الكعبة“ تقدیر بتائی ہے، یہ دوسری تقدیر

زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں فصاحت اور مقصدیت اول سے زیادہ ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۳۰)

لَا يَكُونُ الْقَسْمُ إِلَّا بِاسْمِ مُعْظَمٍ - (۲)

#### حاصل قاعدہ

معظم چیز ہی کی قسم کھائی جاتی ہے۔

(۱) الإتيان في علوم القرآن: النوع السادس والخمسون، ج ۳ ص ۲۰۰

(۲) الإتيان في علوم القرآن: النوع السابع والستون، ج ۳ ص ۵۴ / البرهان في علوم القرآن: تابع

النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۴۰

## تشریح

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اسمائے عظمیٰ کے ذریعہ سات مقامات پر قسم کھائی ہے، اس کے علاوہ مقامات پر بعض مخلوقات کی بھی قسم بھی کھائی جیسے: والتین و الزيتون، والطور، والصفات، والشمس، واللیل، والضحیٰ وغیرہ، اور جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے ان میں سب سے زیادہ معظم اور مخم وہ قسم ہے جو اللہ نے اپنی ذات کے ساتھ کھائی ہے۔

مثال نمبر ۱..... وَالتَّيْنِ وَ الزَّيْتُونِ ۝ وَ طُورِ سَيْنِينَ ۝ وَ هَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝ (التین)

ترجمہ: قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی۔

یہاں اللہ رب العزت نے انجیر، زیتون، طور سیناء، بلد امین کی قسم کھائی ہے، پس یہ قسم ان اشیاء کے معظم و محترم ہونے پر دل ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ (النجم)

ترجمہ: قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔

مثال نمبر ۳..... وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ (الضحیٰ)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب اُس کا اندھیرا بیٹھ جائے۔

مثال نمبر ۴..... وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ (الفجر)

ترجمہ: قسم ہے فجر کے وقت کی اور دس راتوں کی، اور جفت کی اور طاق کی۔

## امر کی تعریف

امر وہ لفظ ہے جس کے ذریعے جزم کے ساتھ کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے، چاہے صیغہ

امر سے ہو، جیسے: "أَقِيمُوا الصَّلَاةَ" یا جملہ خبریہ سے ہو لیکن مقصود مطالبہ ہو، جیسے:

"وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلِينَ كَامِلِينَ"

نہی کی تعریف

نہی وہ لفظ خاص ہے جس میں کسی فعل سے جزم کے ساتھ روکا گیا ہو، چاہے صیغہ نہی

سے ہو، جیسے: "لا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" یا لفظ نہی سے، جیسے: "يَنْهَىٰ عَنِ

الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ" یا امر کے صیغہ میں کسی بات سے روکا گیا ہو، جیسے:

"وَذُرُوا الْبَيْعَ" یا تحریم کا لفظ استعمال کیا گیا ہو، جیسے "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ" یا احلال

ہونے کی نفی کی گئی ہو، جیسے: "وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا"

### قاعدہ نمبر (۱۳۱)

لَا يُمْتَنُ بِمَمْنُوعٍ- (۱)

حاصل قاعدہ

شئی محظور کو مقام امتنان میں ذکر نہیں کیا جاتا۔

تشریح

متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے احسانات جتلائے ہیں، اور جن امور کو

لے کر احسان جتلایا ہے وہ تمام امور از قبیل مباح ہیں کیونکہ امر ممنوع کے ذریعہ احسان

نہیں جتلایا جاتا۔

تطبیق مثال

أَفْرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿۱۳﴾ ءَأَنْتُمْ تَرْزَعُونَہَا أَمْ نَحْنُ الرَّزَّاعُونَ ﴿۱۴﴾ (الواقعة)

(۱) بدائع الفوائد: فائدة: الامتناع بممنوع، ج ۳ ص ۷/ البرهان فی علوم القرآن: النوع الثانی

والثلاثون، ج ۲ ص ۱۴

ترجمہ: اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کا تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو چوراچورا کر دیں۔  
یہاں زراعت کو مقام امتنان میں ذکر کیا گیا ہے، لہذا اس سے اس کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۳۲)

لَا يَجِلُّ الْقَوْلُ فِيْ أَسْبَابِ النَّزْوْلِ إِلَّا بِالرَّوَايَةِ وَالسَّمَاعِ مِمَّنْ شَاهَدُوا  
التَّنْزِيلَ وَوَقَفُوا عَلَى الْأَسْبَابِ (۱)

### حاصل قاعدہ

شان نزول کا دار مدار ان حضرات سے نقل و سماع پر ہے جنہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا، اور جو شان نزول سے واقف ہیں۔

### تشریح

یعنی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیت کے نزول کے وقت موجود تھے چونکہ وہ جانتے ہیں کہ آیت کس پس منظر اور حالات کے تحت نازل ہوئی ہے، ان ہی سے شان نزول کی بابت معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں، عقل و قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

### تطبیق مثال

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا (البقرة: ۱۸۹)

ترجمہ: اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے

داخل ہو۔

(۱) اسباب نزول القرآن للواحدی: مقدمة المؤلف، ص ۱۰ / العجائب فی بیان الاسباب، المبحث

الثانی، ص ۱۰۰

اس آیت کے شان نزول کا علم حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت سے ہوتا ہے جو ”صحیح بخاری“ میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: <sup>(۱)</sup>

سمعت البراء رضی اللہ عنہ يقول: نزلت هذه الآية فينا كانت

الأنصار إذا حجوا فجاءوا ولم يدخلوا من قبل أبواب بيوتهم، و

لكن من ظهورها فجاء رجل من الأنصار فدخل من قبل باب،

فكانه عير بذلك فنزلت: ليس البر... إلخ۔ <sup>(۱)</sup>

انصار حج کا احرام باندھ لیتے پھر کسی ضرورت سے گھر آنا ہوتا تو سامنے کے

دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے بلکہ پشت کی طرف نقب لگا کر آیا کرتے تھے، ایک

مرتبہ ایک انصاری صحابی سامنے کے دروازہ سے مکان میں داخل ہو گئے تو لوگوں نے ان کو

عار دلایا، اس موقع پر یہ آیت ”لیس البر“ نازل ہوئی۔

### قاعدہ نمبر (۱۳۳)

لِكُلِّ حَرْفٍ مِنْ حُرُوفِ الْمَعَانِي وَجْهٌ هُوَ أَوْلَىٰ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ فَلَا يَجُوزُ

تَحْوِيلُ ذَلِكَ عَنْهُ إِلَىٰ غَيْرِهِ إِلَّا بِحُجَّةٍ۔ <sup>(۲)</sup>

### حاصل قاعدہ

حروف معانی میں ہر حرف کا ایک متعین معنی ہے وہی معنی اولیٰ اور مقدم ہوگا بغیر دلیل

کے اس سے عدول جائز نہیں ہوگا۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ: واتوا البيوت من أبوابها، ج ۳ ص ۸، رقم

الحدیث: ۱۸۰۳

(۲) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۱۴ کے تحت، ج ۱ ص ۱۹۹



## تشریح

حروف دو طرح کے ہیں۔ ۱..... حروفِ مبانی۔ ۲..... حروفِ معانی۔

حروفِ مبانی: ان حروف کو کہا جاتا ہے جن سے کلمات کی ساخت وجود میں آتی ہے ان کا کوئی معنی نہیں ہوتا۔

حروفِ معانی: ان حروف کو کہتے ہیں جن کا کوئی مستقل اور متعین معنی ہو۔

## فائدہ

حروفِ معانی اور ان کے تفصیلات کا جاننا ایک مفسر کے لئے بے حد ضروری ہے کیونکہ ایک حرف مختلف شکلوں میں مختلف معانی میں استعمال کیا جاتا ہے، اور بسا اوقات معانی کی صحیح واقفیت کلام کی صفتِ تضمین کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے، اس لئے یہاں تضمین کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے۔

تضمین کی تعریف و تقسیم: ایک کلمہ میں دوسرے کلمہ کا معنی شامل کر دیا جائے۔ اور یہ تضمینِ اسم، فعل، حرف تینوں کلموں کے اندر پائی جاتی ہے۔

تضمینِ اسم: ایک اسم میں دوسرے اسم کا معنی شامل کر دیا جائے تاکہ وہ اسم دونوں معنوں کو بیک وقت متضمن ہو۔

تضمینِ فعل: ایک فعل دوسرے فعل کے معنی کو متضمن ہو، پھر وہ فعل بیک وقت دونوں معنی کو متضمن ہو باس طور کہ وہ فعل عاۃً جس حرف کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس کی بجائے دوسرے حرف کے ساتھ متعدی ہو۔

تضمینِ حرف: ایک حرف دوسرے حرف کے معنی کو شامل ہو، جیسے ”علی“ کا ”فی“ کے معنی کو شامل ہونا۔

مثال نمبر ۱..... وَإِذَا أَخْلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ (البقرة: ۱۴)

ترجمہ: اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس۔

لفظ "خلاء" باء وصلہ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے مگر یہاں بصلہ "الی" متعدی ہے اس لئے کہ "خَلَوْا إِلَى شَيْطَانِهِمْ" یہاں "صرفوا خلاء ہم إلی شیاطینہم" کے معنی میں ہے، اس اعتبار سے "إلی" کے علاوہ اس مقام پر دوسرے کا استعمال درست نہیں ہے، کیوں کہ "الی" کا ایک متعین معنی ہے جس سے عدول بغیر دلیل کے جائز نہیں۔

مثال نمبر ۲..... عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَ نَهَا تَفْجِيرًا ① (الدھر)

ترجمہ: ایسے چشمہ سے (پئیں گے) جس سے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پئیں گے۔

یہاں "یشرب" فعل کا صلہ "ب" آیا ہے جب کہ "یشرب" کا صلہ "من" آیا کرتا ہے، پس یا تو "ب" "من" کے معنی میں ہے، یا "یشرب" "یرتوی" یا "یتلذذ" کے معنی کو متضمن ہے، اور قاعدہ مذکورہ کی رو سے یہی دوسری وجہ راجح ہے کیوں کہ اس میں "یشرب" بیک وقت شرب اور استلذاذ دونوں معنوں کو متضمن ہو رہا ہے، اور "ب" اپنے معنی معین میں مستعمل ہے۔

مثال نمبر ۳..... أَجَلٌ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ② (البقرة: ۱۸۷)

ترجمہ: تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔

"رفث، إلی" صلہ کے ساتھ نہیں آیا کرتا مگر "رفث" یہاں افشاء کے معنی کو متضمن ہے، پس "إلی" اپنے اصلی معنی میں ہے اور "رفث" میں تضمین ہے۔

مثال نمبر ۴..... فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ ③ (النازعات)

ترجمہ: کیا تجھ کو اس بات کی خواہش ہے کہ تو درست ہو جائے۔ یہاں "إلی" "ان ادعوك" کے معنی کو متضمن ہے۔

مثال نمبر ۵..... وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ ④ (الشوری: ۲۵)

ترجمہ: اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

تاب کا صلہ ”عن“ نہیں آیا کرتا مگر یہاں ”تاب“ ”عفا و صفح“ کے معنی کو متضمن ہے، اور ان دونوں کا صلہ ”عن“ آتا ہے پس ”عن“ اپنے معنی میں ہے۔  
 مثال نمبر ۶..... الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ (ابراہیم: ۳)  
 ترجمہ: ان (کافروں) کو جو دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔  
 یہاں ”علی“ اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہے اور ”یستحبون“ ”یوثرون“ کے معنی کو متضمن ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۳۴)

لَمْ يَقَعْ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَكَرُّرٌ بَيْنَ مُتَجَاوِرِينَ (۱)

#### حاصل قاعدہ

قرآن کریم میں بلا فصل تکرار واقع نہیں ہے۔

قرآن مجید میں کہیں دو آیتیں ایسی نہیں ہیں جو یکے بعد دیگرے ایک ہی الفاظ میں اسی معنی کے ساتھ لوٹائی گئی ہوں، ہاں البتہ دونوں آیتوں کے درمیان کوئی جملہ معترضہ یا ماقبل سے مختلف مضمون پر مشتمل آیت واقع ہوئی ہو تو اس طرح کا تکرار واقع ہوا ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۳۵)

مَا فِي جِسْمِ الْإِنْسَانِ مِنْ أَجْزَاءٍ مُفْرَدَةٍ لَا تَتَعَدَّدُ إِذَا ضُمَّ إِلَيْهَا مِثْلُهَا  
 جَازَ فِيهَا ثَلَاثَةٌ أَوْجُهٌ، الْأَوَّلُ: الْجَمْعُ وَهُوَ الْأَكْثَرُ وَالْأَفْصَحُ،  
 الثَّانِي: التَّنْيِيزُ، الثَّلَاثُ: الْبِأَفْرَادٍ (۲)

(۱) قواعد التفسير: المقصد الرابع والعشرون: التكرار في القرآن، ج ۲ ص ۷۰۳

(۲) قواعد التفسير: المقصد الثالث في قواعد اللغوية، ج ۱ ص ۲۶۵

## حاصل قاعدہ

انسان کے جسم میں جو عضو طاق ہے یعنی جفت نہیں ہے (مثلاً سر، ناک، پیٹ، دل) اگر ان اعضاء میں سے کسی کی اضافت دو شخصوں کی طرف کرنی ہو، مثلاً کہنا ہو کہ تم دونوں کا سر، تم دونوں کی ناک، تو جائز ہے کہ اس عضو کو واحد، ثنئیہ، جمع تینوں شکلوں میں استعمال کریں، لیکن جمع کے ساتھ استعمال کرنا افسح و ابلغ و اشہر ہے، مثلاً یہ کہنا صحیح ہوگا: ”راسکما، راساکما، روسکما“ مگر آخر الذکر ابلغ ہے۔

مثال..... إِنَّ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا (التحریم: ۴)

ترجمہ: (اے نبی کی بیویو!) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کر لو (تو یہی مناسب ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل مائل ہو گئے ہیں۔

اس آیت میں ثنئیہ کی طرف اضافت کرتے ہوئے ”قلوب“ کو جمع لایا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۳۶)

مَتَى جَاءَتْ "بَلَىٰ أَوْ نَعَمْ" بَعْدَ كَلَامٍ يَتَعَلَّقُ بِهَا الْجَوَابُ وَلَيْسَ قَبْلَهَا مَا يَصْلَحُ أَنْ يَكُونَ جَوَابًا لَهُ فَاعْلَمْ أَنَّ هُنَاكَ سُؤَالَ مُقَدَّرًا لَفْظُهُ لَفْظُ الْجَوَابِ - (۱)

## حاصل قاعدہ

”بلی“ اور ”نعم“ جو الفاظِ جواب میں سے ہیں اگر یہ ایسے کلام کے بعد آئیں جو کلام اس قابل نہ ہو کہ اس کا جواب بن سکے تو سمجھ لو کہ وہاں کوئی سوال مقدر ہے جس کا یہ جواب ہے۔

(۱) البرهان فی علوم القرآن: النوع السابع والأربعون، ج ۴ ص ۲۶۴ : يسفتا رداة (۶)

مثال نمبر ۱..... بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ

(البقرة: ۱۱۲)

ترجمہ: جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے

شخص کو اس کا عوض ملتا ہے اس کے پروردگار کے پاس پہنچ کر۔

یہاں سوال مقدر ہے:

اليس من اسلم وجهه لله له اجره عند ربه إلخ۔

مثال نمبر ۲..... بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ (البقرة: ۸۱)

ترجمہ: (آگ تمہیں) کیوں نہیں (چھوئے گی) جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں

اور ان کی بدی انہیں گھیر لیتی ہے۔

یہاں بھی سوال مقدر ہے یعنی ”اليس من كسب سيئة۔۔۔ إلخ“ کے جواب میں

”بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً“ وارد ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۳)

مَتَىٰ عَلَّقَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عِلْمَهُ بِالْأُمُورِ بَعْدَ وُجُودِهَا كَانَ الْمُرَادُ بِذَلِكَ

الْعِلْمِ الَّذِي يَتَرْتَّبُ عَلَيْهِ الْجَزَاءُ۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

جب اللہ تعالیٰ کسی فعل کے وجود پر اپنے علم کو موقوف کریں تو مراد اس سے اس فعل کا

انجام (جزاء و سزاء) مرتب کرنا ہوتا ہے۔

تشریح

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے خواہ وہ شئی وجود میں آچکی ہو یا ابھی معدوم ہو، پھر بھی

(۱) القواعد الحسان فی تفسیر القرآن: القاعدة الثامنة والأربعون، ص ۱۲۳

کہیں کہیں کسی شئی کے وجود پر اپنے علم کا موقوف ہونا ظاہر کرتے ہیں، یعنی یوں کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا تا کہ ہم یہ جان لیں تو ایسی جگہوں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کام سے پہلے نہیں جانتے تھے۔

تو اس کا جواب اس قاعدہ سے نکلتا ہے کہ اس قسم کے مواقع پر علم سے مراد اس کا جاننا نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کی جزا و سزا اور نتیجہ کو مرتب کرنا ہوتا ہے۔ پس ”ہم جان لیں“ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس پر نتیجہ کو مرتب کریں، اور نتیجہ اگرچہ اللہ کے علم ازلی ابدی میں معلوم و معین ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نتائج افعال، اعمال کے وجود میں آنے کے بعد ہی مرتب فرماتے ہیں۔ لہذا نتیجہ کو صدورِ عمل پر موقوف کر دیتے ہیں۔

مثال نمبر ۱..... يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْيَبَلُوكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالَهُ أَيْدِيكُمْ وَ  
رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ (المائدة: ۹۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تمہیں شکار کے کچھ جانوروں کے ذریعے ضرور آزمائے گا جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی زد میں آجائیں گے تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون ہے جو اسے دیکھے بغیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔

ای لیجزی من یخافہ۔

مثال نمبر ۲..... وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ

يَتَّقِلْبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۗ (البقرة: ۱۴۳)

ترجمہ: اور جس (سمت) قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو

محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے اور کون

اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

مثال نمبر ۳..... وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا

الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۗ (الحديد)

ترجمہ: اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں جنگی طاقت بھی ہے اور (اس کے

علاوہ) لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں، اور یہ اس لئے تاکہ

اللہ تعالیٰ جان لے کہ بغیر دیکھے اس کے اور اس کے رسولوں کی (یعنی دین حق

کی) کون مدد کرتا ہے۔

مثال نمبر ۴.... وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿۱۰﴾ (العنکبوت)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ایمان لائے ہیں،

اور وہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ منافق ہیں۔

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کے جاننے سے مراد آخرت میں ان کو جزاء و سزا

دینی ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۳۸)

الْمُقَرَّرُ فِي عِلْمِ الْحَدِيثِ أَنْ تَفْسِيرَ الصَّحَابِيِّ الْمَتَّعَلِقِ بِسَبَبِ

النُّزُولِ لَهُ حُكْمُ الرَّفْعِ۔<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

صحابی کی وہ تفسیر جس کا تعلق شان نزول کے ساتھ ہو یہ تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

توضیح قاعدہ

شان نزول کی دو قسمیں ہیں۔ ۱.... صریح۔ ۲.... غیر صریح۔

صریح: جس میں راوی شان نزول ہونے کی صراحت کر لے، مثلاً یوں کہے: ”سبب

نزول هذه الآية كذا“

یا کوئی واقعہ یا سوال ذکر کرتے اس کے بعد کہے: ”فنزلت“ یا ”ونزلت“ یا ”ثم

نزلت“

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة البقرة آیت نمبر ۲۲۲ کے تحت، ج ۱ ص ۹۲

یایوں کہے: ”فاوحی اللہ الی نبیہ“  
 غیر صریح: جس میں صحابی یوں کہے ”نزلت الآیة فی کذا“ یعنی شان نزول ہونے  
 کی تصریح نہ کرے، ایسی روایات میں شان نزول اور آیت کی تفسیر دونوں کا احتمال ہوتا ہے،  
 اس لئے مذکورہ قاعدہ قسم اول سے متعلق ہے۔ قسم ثانی پر انطباق کے سلسلے میں اختلاف ہے،  
 یعنی غیر صریح سبب نزول کو شان نزول قرار دیا جائے گا یا نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔  
 فائدہ: کبھی شان نزول کی صراحت ایک روایت میں نہیں ہوتی مگر دوسری روایت  
 میں صراحت آجاتی ہے، یہ بھی قسم اول میں داخل ہے۔  
 لہذا شان نزول کی معرفت کے لئے تمام روایات کا استقراء اور تفحص ضروری ہے۔  
 تنبیہ: مذکورہ قاعدہ اعلیٰ اور اکثری ہے کبھی روای کوئی قصہ ذکر کر کے ”فنزلت“ یا  
 ”فکنا نقول و فیہ نزلت“ وغیرہ کے الفاظ ذکر کرتا ہے مگر وہ شان نزول نہیں ہوتا ہے۔

مثال برجزء اول: جس میں شان نزول ہونے کی صراحت ہو

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۗ (البقرة: ۱۴۴)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے

دیکھ رہے ہیں، چنانچہ ہم تمہارا رخ ضرور اُس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو

تمہیں پسند ہے۔

اس کے شان نزول کے متعلق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد قدومه المدينة ستة

عشر شهرا نحو بیت المقدس، ثم علم اللہ عز وجل ہوی نبیہ

صلی اللہ علیہ وسلم، فنزلت قد نری تقلب۔۔۔ الآیة (۱)

ترجمہ: ہم نے مدینہ منورہ پہنچ کر سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے

(۱) سنن الدار قطنی: کتاب الصلاة، باب التحویل الی الکعبۃ، ج ۲ ص ۱۱، رقم الحدیث: ۱۰۷۲



نماز پڑھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی منشاء کچھ اور

دیکھی (یعنی یہ کہ قبلہ بیت اللہ کو بنا دیا جائے) تو اس موقع پر یہ آیت نازل

ہوئی: قد نری تقلب۔ الخ۔

اس روایت میں قصہ ذکر کرنے کے بعد راوی نے کہا: ”فنزلت“ پس اس کا سبب

نزول ہونا متعین ہو گیا۔

مثال برجز ثانی: شان نزول غیر صریح ہو

اخرج البخاری بسندہ عن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قوله

تعالیٰ: وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بأیدیکم إلی التهلکة، قال:

نزلت فی النفقة۔<sup>(۱)</sup>

اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ سبب نزول ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”نزلت فی

النفقة“ کہہ کر آیت کی مراد بتلائی جا رہی ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ اس کا تعلق مسئلہ نفقہ

سے ہے۔

مثال برجز ثالث: بعض روایات میں سبب نزول کی صراحت ہو

بعض میں نہ ہو

كانت اليهود تقول: إذا أتى الرجل امراته من دبرها فی قبلها كان

الولد أحوول، فنزلت: نساوكم حرث لكم۔<sup>(۲)</sup>

اس روایت میں سبب نزول کی صراحت موجود ہے، جب کہ دیگر روایات میں سبب

نزول کی صراحت موجود نہیں ہے۔

(۱) صحیح البخاری: کتاب تفسیر القرآن، باب قوله: وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا إلخ، ج ۶

ص ۲۷، رقم الحدیث: ۴۵۱۶

(۲) صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب جواز جماعة امراته فی قبلها، ج ۲ ص ۱۰۵۸، رقم الحدیث: ۱۴۳۵

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت کے متعلق دو طرح کی روایات ہیں بعض میں سبب نزول کی صراحت ہے بعض میں نہیں۔

### قاعدہ نمبر (۱۳۹)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِذَا أَرَادَتْ بَيَانَ الْوَعْدِ أَوْ الْوَعِيدِ عَلَى فِعْلٍ أَنْ تُخْرِجَ أَسْمَاءَ أَهْلِهِ بِذِكْرِ الْجَمِيعِ أَوْ الْوَاحِدِ دُونَ الْإِثْنَيْنِ إِلَّا إِذَا كَانَ الْفِعْلُ إِنَّمَا يَقَعُ مِنْ إِثْنَيْنِ<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

اہل عرب وعدہ یا وعید کو صیغہ واحد یا جمع کے ذریعہ بیان کرتے ہیں، صیغہ ثننیہ کے ساتھ نہیں بیان کرتے مگر یہ کہ فعل ہی ایسا ہو جس کا وجود دو کے بغیر ناممکن ہو۔

### تشریح

اہل عرب ایسا تو کہتے ہیں کہ ”الذین يفعلون كذا فلهم كذا، و الذی يفعل كذا فله كذا“ لیکن ”الذان يفعلان كذا فلهما كذا“ نہیں کہتے الا یہ کہ فعل کا وقوع دو کے بغیر ناممکن ہو، جیسے زنا اس کی وعید کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاذُوهُمَاۗ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرَضْنَا عَنْهُمْۗ إِنَّ

اللَّهُ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۱۱﴾ (النساء)

ترجمہ: اور تم میں جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں ان کو اذیت دو، پھر اگر توبہ

کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ

قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

۱۱۵۶: ۲۱۵۶: ۲۱۵۶: ۲۱۵۶

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الرابع وجوه مخاطباته، ج ۱ ص ۳۳۵

## قاعدہ نمبر (۱۴۰)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِذَا تَطَاوَلَتْ صِفَةُ الْوَاحِدِ الْإِعْتِرَاضُ بِالْمَدْحِ وَالذَّمِّ بِالنَّصْبِ أَحْيَانًا وَبِالرَّفْعِ أَحْيَانًا. (۱)

حاصل قاعدہ

جب کسی شے کی توصیف میں تطویل مقصود ہوتی ہے تو اہل عرب اعراب میں تبدیلی لا کر کبھی منصوب اور کبھی مرفوع عبارت پیش کرتے ہیں۔

تشریح

ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ اختلاف اعراب سے معانی متنوعہ و متفننہ کی طرف اشارہ ہو اور سامع کی تشیط طبع کا باعث ہو۔

مثال نمبر ۱..... وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ

الْبَأْسِ ۗ (البقرة: ۱۷۷)

ترجمہ: اور جب کوئی عہد کر لیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں،

اور تنگی اور تکلیف میں، نیز جنگ کے وقت، صبر اور استقلال کے خوگر ہوں۔

”وَالصَّابِرِينَ“ یہاں اہل ایمان کی صفات کی تطویل و تفصیل مقصود تھی تو اعراب میں

تبدیلی کا لحاظ کیا گیا، چنانچہ رفع کے بعد نصب اختیار کرتے ہوئے ”وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ“

کے بعد ”وَالصَّابِرِينَ“ لایا گیا۔

مثال نمبر ۲..... لَكِنِ الرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ (النساء: ۱۶۲)

(۱) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۱۷۷ کے تحت، ج ۳ ص ۲۵۲

ترجمہ: لیکن ان میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں اور جو (ان میں) ایمان لے آنے والے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے پاس بھیجی گئی اور (اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے بھیجی گئی تھیں اور جو (ان میں) نماز کی پابندی کرنے والے ہیں اور جو (ان میں) زکوٰۃ دینے والے ہیں۔

### قاعدہ نمبر (۱۴۱)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِذَا خَاطَبَتْ إِنْسَانًا وَ ضَمَّتْ إِلَيْهِ غَائِبًا فَأَرَادَتْ الْخَبَرَ عَنْهُ، أَنْ تُغْلِبَ الْمُخَاطَبَ فَيَخْرُجُ الْخَبْرُ عَنْهُمَا عَلَى وَجْهِ الْخِطَابِ۔<sup>(۱)</sup>

#### حاصل قاعدہ

اہل عرب بسا اوقات ایسا کرتے ہیں کہ جب کسی خبر میں مخاطب و غائب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو مخاطب کو غلبہ دیتے ہوئے صیغہ خطاب استعمال کرتے ہیں، اور یہ خبر غائب کی طرف سے بھی کافی ہو جاتی ہے۔

مثال..... وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۳۷﴾ (البقرة)  
ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دیں واقعی اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

#### تشریح

”إِيمَانَكُمْ“ مذکورہ آیت کریمہ تحویل قبلہ من بیت المقدس الی الکعبۃ کے موقع پر نازل ہوئی، اس موقع پر مسلمانوں کو یہ سوال ہوا کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کی نمازوں کا کیا ہوگا، جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے پڑھتے اس دنیا سے چل بسے، تو آیت

(۱) تفسیر الطبری: سورة المائدة آیت نمبر ۳۸ کے تحت، ج ۱۰ ص ۳۹۰

نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا، اور اس میں گزرے ہوئے مسلمانوں کی نمازوں کے بارے میں بتا دیا کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں بلکہ ان کا اجر ان کو ملے گا، یہاں بیان ان مؤمنین کا چل رہا ہے جو اس دنیا سے گزر گئے اس لحاظ سے غائب کا صیغہ استعمال کرنا مناسب تھا، مگر چونکہ حاضرین اور زندوں کو بھی اپنی نمازوں کے متعلق اندیشہ تھا اس لئے ان حاضرین کو غائبین پر غلبہ دیتے ہوئے خطاب کا صیغہ استعمال کیا گیا مذکورہ بالا قاعدے کی رو سے۔

### قاعدہ نمبر (۱۴۲)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ إِضَافَةُ أفعالِ الْأَسْلَافِ إِلَى الْأَبْنَاءِ وَخِطَابِ الْأَبْنَاءِ  
وَإِضَافَةُ الْفِعْلِ إِلَيْهِمْ وَهُوَ لَا بَأْسَ بِهِمْ<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

اہل عرب کا معمول ہے کہ آباء کے افعال کو ابناء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

مثال..... ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۷﴾ (البقرة)

ترجمہ: پھر تم نے ان کے پیٹھے پیچھے یہ ستم ڈھایا کہ گائے کے پھڑے کو معبود

بنالیا۔

”اتَّخَذْتُمْ، وَأَنْتُمْ“ آیت کریمہ میں مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے

یہود کو بنایا گیا ہے اور اتخاذ عجل اور ظلم کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ یہ افعال ان

سے نہیں بلکہ ان کے اسلاف سے صادر ہوئے تھے۔

(۱) معالم التنزیل للبعثی: سورة الأعراف آیت نمبر ۱۹۰ کے تحت، ج ۲ ص ۲۵۸ / اللباب فی علوم

الکتاب: سورة الأعراف آیت نمبر ۱۸۹ کے تحت، ج ۹ ص ۲۲۲

مثال نمبر ۲..... وَإِذْ نَجَّيْنَاهُ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمُ سَوَاءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ (البقرة: ۴۹)

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔

مثال نمبر ۳..... قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (البقرة)

ترجمہ: اگر تم واقعی (تورات پر) ایمان رکھتے تھے تو اللہ کے نبیوں کو پہلے زمانے میں کیوں قتل کرتے رہے؟

ان آیات میں آباء کے افعال کی نسبت ابناء کی طرف کی گئی ہے، فرعون کے ظلم و ستم سے نجات ان کے آباء و اجداد کو دی گئی تھی، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا قتل ان کے آباء و اجداد نے کیا تھا لیکن منسوب ابناء کی طرف کئے گئے۔

### قاعدہ نمبر (۱۴۳)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ التَّعْبِيرُ عَنِ الْمَاضِي بِالْمُضَارِعِ لِإِفَادَةِ تَصْوِيرِ الْحَالِ  
الْوَاقِعِ عِنْدَ حَدُوثِ الْحَدَثِ (۱)

حاصل قاعدہ

اہل عرب ماضی کی صورت حال کی منظر کشی کے لئے صیغہ مضارع استعمال کرتے

ہیں۔

تشریح

ماضی کی جگہ مضارع لا کر یہ اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ واقعہ ماضی کا ہے مگر

(۱) قواعد التفسیر: المقصد الرابع وجوه مخاطباته، ج ۱ ص ۲۹۰

ایسا ہم اور ناقابل فراموش ہے کہ گویا اس کا منظر اس وقت بھی آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔

مثال نمبر ۱..... أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ (الحج: ۶۳)

ترجمہ: (اور اے مخاطب!) کیا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی

برسایا جس سے زمین سرسبز ہوگئی۔

اس میں ”أصبحت“ کی جگہ ”تصبح“ استعمال کیا گیا، کیوں کہ اس صورت میں زمین کی ہریالی اور شادابی کی منظر کشی مؤکد اور بلیغ انداز میں ہو جاتی ہے، اور یہی وضاحت آیت میں مقصود ہے۔

مثال نمبر ۲..... وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرة: ۱۰۲)

ترجمہ: البتہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر کفر کا ارتکاب کرتے تھے۔

مثال نمبر ۳..... قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ (البقرة)

ترجمہ: اگر تم واقعی (تورات پر) ایمان رکھتے تھے تو اللہ کے نبیوں کو پہلے زمانے

میں کیوں قتل کرتے رہے؟

ان آیات میں بھی ”علم“ اور ”قتل“ فعل ماضی کی جگہ ”یعلمون“ اور ”تقتلون“ فعل مضارع کا صیغہ لایا تا کہ ان افعال قبیحہ کی واضح طور پر منظر کشی ہو سکی۔

## قاعدہ نمبر (۱۴۴)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ الْعَطْفُ بِالْكَلَامِ عَلَى مَعْنَى نَظِيرٍ لَهُ قَدْ تَقَدَّمَ وَإِنْ

خَالَفَ لَفْظُهُ لَفْظُهُ (۱)

حاصل قاعدہ

اہل عرب دو یا زائد متقارب المعنی مضامین کو بصورت عطف ذکر کرتے ہیں اگرچہ

ان کے الفاظ مختلف ہوں۔

(۱) تفسیر الطبری: سورة البقرة آیت نمبر ۲۵۹ کے تحت، ج ۵ ص ۳۳۸

## تطبیق مثال

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا (البقرة: ۲۵۹)  
ترجمہ: یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر  
ایسے وقت گزر ہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی۔

اس کا عطف ما قبل کی آیت: ”أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ“ پر ہے گویا عبارت یوں ہے  
”أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ“ اور یہ عطف اس لئے کیا گیا ہے کہ دونوں کا مضمون  
ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۴۵)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَبْتَدِيَ الْكَلَامَ فِي أُسْلُوبٍ وَتَنْتَقِلَ إِلَى أُسْلُوبٍ  
آخَرَ تَجْدِيدًا لِنَشَاطِهِ وَذَلِكَ يُسَمَّى التَّفَاتًا<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعدہ

اہل عرب مخاطب کی تشبیہ طبع کے لئے کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب میں  
منتقل کر دیتے ہیں اور اسی کا نام التفات ہے۔

## تشریح

کلام عرب کے محاسن کی ایک اہم کڑی صنعت التفات ہے، جس کا حاصل ہے ایک  
اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف کلام کو منتقل کرنا، جیسے:

حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِّ وَجَرَّيْنَبِهِمْ-

(۱) البرهان فی علوم القرآن: تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۳۱۴ / الكلبيات لأبي البقاء:

فصل الألف واللام، ص ۱۷۰



میں ”جَرَيْنَ بِكُمْ“ ہونا چاہیے تھا مگر اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔

التفات کا فائدہ دو قسم کا ہے۔ ۱..... عام فائدہ۔ ۲..... خاص فائدہ۔

عام فائدہ: ”التفنن والتنشيط“ یعنی کلام کا لطف بڑھانا۔

چونکہ انسان فطری طور پر نئی نئی باتوں اور نئے نئے اسلوب کو پسند کرتا ہے اس لئے التفات کے ذریعہ کلام سے پیدا ہونے والی اکتاہٹ اور پیش آنے والی پراگندگی کو دور کر کے سامع میں تازہ دلچسپی اور نیا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔

خاص فائدہ: موقع اور محل کی مناسبت سے کسی باریکی یا اہم نکتہ کا حاصل کرنا جو مواقع کے اختلاف سے مختلف اور کثیر الانواع ہیں۔

### اقسام التفات

یوں تو التفات کی بہت ساری قسمیں ہیں مگر مشہور التفات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱..... التفات حقیقی ۲..... التفات حکمی

التفات حقیقی: وہ التفات ہے جو ضمیروں میں پایا جائے اس کی چھ صورتیں ہیں:

۱..... تکلم سے خطاب کی طرف: ”وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ“

اس کی اصل ہے ”وإليه أرجع“

۲..... تکلم سے غیبت کی طرف: ”إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۗ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ“ اس کی

اصل ہے ”لنغفر لك“

۳..... خطاب سے تکلم کی طرف: ”قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا

تَمْكُرُونَ“

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مخاطب کی جگہ رکھ کر کلام فرمایا ہے۔

۴..... خطاب سے غیبت کی جانب: ”حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ“

اس کی اصل ہے ”وجرین بکم“

۵..... غیبت سے تکلم کی جانب: ”الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا“

اس کی اصل ہے ”فساقه“

۶..... غیبت سے خطاب کی طرف: ”وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ

شَيْئًا إِذَا“ اس کی اصل ہے ”لقد جاؤوا شیئاً إذا“

التفاتِ حکمی: اصلاً تو یہ التفات نہیں مگر تبدیلی اسلوب اور مقصدیت و افادیت میں

التفاتِ حقیقی کے قریب قریب ہے، اور اس کی بنیادی تین قسمیں ہیں:

۱..... قسم اول ۲..... قسم ثانی ۳..... قسم ثالث

### قسم اول: التفات فی الجمل

یعنی قرآن پاک کے اندر التفات کی ایک ایسی انوکھی قسم بھی پائی جاتی ہے جو کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی، اور وہ یہ ہے کہ متکلم اپنے کلام میں دو بالترتیب ذکر کی ہوئی چیزوں کو مقدم کرے پھر ان میں سے پہلے امر کی خبر دے کر اس کے خبر دینے سے روگردانی کرتا ہوا دوسرے امر کی خبر دینے لگے، اس کے بعد پھر امر اول کی خبر دے۔

اس کی مثال ہے: إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ۔ اس میں

متکلم ایک صفت کی خبر دینے کی طرف پہنچا اور کہا ”وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ“ پھر خدا تعالیٰ

کی خبر دینے سے پلٹتا ہوا دوبارہ انسان کی خبر دینے لگا اور کہا ”وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ“

### قسم ثانی: التفات فی الأعداد

یعنی واحد، ثننیہ، جمع میں سے کسی ایک سے کلام کرتے ہوئے دوسرے کی طرف کلام

کو منتقل کر دینا، اس کی چھ صورتیں ہیں:

۱..... واحد سے ثننیہ کی طرف: قَالُوا اجِئْنَا لَتَلْفِتَنَّا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا

وَتَكُونَنَّ لَكُمْ الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ۔ اس کی اصل ہے ”لك الكبرياء“

۲..... واحد سے جمع کی طرف: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ۔ اس کی اصل ہے  
”اذا طلقت“

۳..... تثنیہ سے واحد کی جانب: ۱..... فَمَنْ رَبُّكُمَا يُمُوسَى۔ ۲..... فَلَا  
يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى۔

۴..... تثنیہ سے جمع کی طرف: وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّأَ لِقَوْمِكُمَا  
بِمِصْرَ بُيُوتًا وَأَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً۔

۵..... جمع سے واحد کی طرف: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ۔ اس کی اصل  
ہے: وبشروا المؤمنین۔

۶..... جمع سے تثنیہ کی طرف: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا  
مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا  
تُكذِّبِينَ۔ اس کی اصل ہے ”فبای الاء ربکم تکذبون (صیغہ جمع کے ساتھ)

### قسم ثالث: التفتات الأفعال

یعنی ماضی، مضارع یا امر میں سے کسی ایک سے کلام کرتے ہوئے دوسرے کی طرف  
کلام کو موڑ دینا، اس کی بھی چھ صورتیں ہیں:

۱..... ماضی سے مضارع کی جانب: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ  
اللَّهِ۔ اس کی اصل ہے: وصدوا عن سبیل اللہ۔

۲..... ماضی سے امر کی طرف: قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ۔ اولاً  
”أَمَرَ رَبِّي“ ماضی سے کلام ہے پھر صیغہ امر سے۔

۳..... مضارع سے ماضی کی طرف: وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزَعٌ۔ اس کی اصل  
ہے: فيفزع۔

۴..... مضارع سے امر کی طرف: قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ۔

۵.... امر سے ماضی کی جانب: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدُنَا۔

۶.... امر سے مضارع کی طرف: وَإِنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقَوْهُ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ

تُحْشَرُونَ۔

## قاعدہ نمبر (۱۴۶)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تُخْبِرَ عَنْ غَيْرِ الْعَاقِلِ بِخَبَرِ الْعَاقِلِ إِذَا نَسَبَتْ  
إِلَيْهِ شَيْئًا مِّنْ أَفْعَالِ الْعُقَلَاءِ۔<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

اہل عرب غیر عاقل کے لئے ایسا صیغہ استعمال کرتے ہیں جو عاقل کے ساتھ خاص ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس غیر عاقل کی طرف افعال عقلاء میں سے کوئی فعل منسوب ہو۔

مثال نمبر ۱.... وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ كُلُّ

لَهٗ قِنْدٌۭوٰنٌ ﴿۱۳﴾ (البقرة)

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے، (حالانکہ) اس کی

ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ

ہے اسی کا ہے، سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں۔

”مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ میں کلمہ ”مَا“ وارد ہے جس کی دلالت غیر عاقل پر ہوتی

ہے، اور آخر میں ”قِنْدٌۭوٰنٌ“ جمع مذکر سالم کا صیغہ وارد ہے جو عاقل کے لئے آتا ہے، غیر

عاقل کے لئے عاقل کا صیغہ اس لئے استعمال کیا گیا کہ یہاں غیر عاقل کی طرف عقلاء کے

افعال میں سے ایک فعل (قنوت یعنی قانت سجدہ ریز ہونا) کی نسبت کی جا رہی ہے۔

(۱) البحر المحيط فی التفسیر: سورة الكهف آیت نمبر ۷۷ کے تحت، ج ۷ ص ۲۱۰

مثال نمبر ۲..... اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَ

الْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ① (یوسف)

ترجمہ: جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہا اے ابا جان! میں نے گیارہ

ستارے اور سورج اور چاند کو اپنے روبرو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

مثال نمبر ۳..... فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ الَّتِي تَأْكُلُ أَنتَ وَالنَّاسُ بِعَيْنِ ①

(حم السجدة)

ترجمہ: اور اس سے اور زمین سے کہا: چلے آؤ، چاہے خوشی سے یا زبردستی۔

دونوں نے کہا: ہم خوشی خوشی آتے ہیں۔

پہلی آیت میں سورج، چاند، ستارے غیر عاقل ہیں، اور دوسری آیت میں زمین اور

آسمان غیر عاقل ہیں، ان دونوں کے لئے ”ساجدین“ اور ”طائعين“ جمع مذکر کے صیغے

لائے جو عقلاء کے لئے آتے ہیں، تو یہاں غیر عاقل کے لئے عقلاء کے صیغے اس لئے لائے

گئے کہ ان کی طرف عقلاء کے افعال میں سے ایک فعل (سجدہ) اور (خوشی خوشی) آنے کی

نسبت کی جارہی ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۷۷)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تُدْخِلَ الْأَيْفَ وَاللَّامَ فِي خَبَرٍ "مَا وَالَّذِي" إِذَا

كَانَ الْخَبَرُ عَنْ مَعْهُودٍ قَدْ عَرَفَهُ الْمُخَاطَبُ وَالْمُخَاطَبُ وَإِنَّمَا يَأْتِي

بِغَيْرِ الْأَيْفِ وَاللَّامِ إِذَا كَانَ الْخَبَرُ عَنْ مَجْهُولٍ غَيْرِ مَعْهُودٍ وَلَا

مَقْصُودٍ قَصْدَ شَيْءٍ بَعِيْنِهِ- (۱)

## حاصل قاعدہ

جب کسی معہود و متعین شئی کے متعلق جو متکلم اور مخاطب کو معلوم ہو خبر دینا ہو تو اہل

(۱) تفسیر الطبری: سورة یونس آیت نمبر ۸۱ کے تحت، ج ۱۵ ص ۱۶۱

عرب ”ما“ اور ”الذی“ کی خبر میں الف لام داخل کرتے ہیں، اور جب کسی مجہول شئی کے بارے میں خبر دینا ہو تو خبر میں الف لام داخل نہیں کرتے۔

جزء اول کی مثال..... فَلَمَّا آتَقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ

(یونس: ۸۱)

ترجمہ: پھر جب انہوں نے (اپنی لائٹھیوں اور رسیوں کو) پھینکا (اور وہ سانپ بن کر چلتی ہوئی نظر آئیں) تو موسیٰ نے کہا کہ یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے جادو ہے۔

”السِّحْرُ“ ما کی خبر ہے، اس وقت وہ سحران لوگوں کے درمیان معروف و معلوم تھا اس لئے اس پر الف لام لایا گیا۔

جزء ثانی کی مثال..... إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ (النور: ۱۱)

ترجمہ: یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔

اس میں ”عُصْبَةٌ“ نکرہ ہے، الف لام کے ساتھ نہیں لایا گیا کیونکہ لوگوں کی نظر میں یہ جماعت معلوم و متعین نہیں تھی۔

## قاعدہ نمبر (۱۴۸)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَذُكِرَ شَيْئًا مِنَ الْوَاحِدِ أَوِ التَّثْنِيَةِ أَوِ الْجَمْعِ  
وَالْمُرَادُ غَيْرُهُ كَمَا تُخَاطَبُ الْوَاحِدَ وَتُرِيدُ غَيْرَهُ۔

حاصل قاعدہ

اہل عرب کبھی واحد، تشنیہ اور جمع میں سے کوئی ایک صیغہ بول کر دوسرا صیغہ مراد لیتے ہیں، اسی طرح کسی متعین شخص کو مخاطب بنا کر کسی اور کو مراد لیتے ہیں۔

۱..... علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

إن العرب تخاطب الواحد خطاب الاثنين-<sup>(۱)</sup>

۲..... علامہ بغوی رحمہ اللہ (متوفی ۵۱۰ھ) فرماتے ہیں:

و العرب قد تخاطب الواحد بلفظ الجمع-<sup>(۲)</sup>

۳..... علامہ قرطبی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

قال الخليل و الأخفش هذا الكلام العرب الفصيح أن تخاطب

الواحد بلفظ الاثنين-<sup>(۳)</sup>

نوٹ: اس قاعدہ میں چند جزئیات ہیں ہر ایک کی مثال بالترتیب دی جاتی ہے۔

(الف) مثال: وہ واحد جس سے مراد جمع ہے:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ (الانفطار)

اس میں انسان مفرد بول کر سارے انسان مراد ہیں۔

(ب) مثال: وہ واحد جس سے مراد تثنیہ ہے:

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُمُوسَى ۝ (طہ)

یہاں کہا گیا: ”یموسیٰ“ مگر مراد موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں ہیں۔

(ج) مثال: وہ تثنیہ جس سے مراد جمع ہے:

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (الملك: ۴)

مراد یہاں ”گرات“ ہے یعنی بار بار نگاہ ڈالنا۔

(د) مثال: وہ تثنیہ جس سے مراد واحد ہے:

(۱) تفسیر الطبری: سورة یونس آیت نمبر ۸۹ کے تحت، ج ۱۵ ص ۱۸۵

(۲) معالم التنزیل للبغوی: سورة النساء آیت نمبر ۹۷ کے تحت، ج ۱ ص ۲۸۵

(۳) تفسیر القرطبی: سورة ق آیت نمبر ۲۳ کے تحت، ج ۱۷ ص ۱۶

الْقِيَا فِي جَهَنَّمَ (ق: ۲۴)

تثنیہ مذکور ہے اور مراد واحد (مالک، دازوغہ جہنم) ہے، یعنی الْقِيَا۔

(ھ) مثال: وہ جمع جس سے مراد واحد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ (الحجرات: ۴)

منادی ایک ہی شخص تھا مگر صیغہ جمع لایا گیا۔

(و) مثال: وہ جمع جس سے مراد تثنیہ ہے:

قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝ (لحم السجدة)

اس میں ”طَائِعِينَ“ جمع ہے مگر مراد اس سے تثنیہ ہے یعنی ”طَائِعِينَ“

(ز) مثال: خطاب کسی کو اور مراد کوئی اور ہو:

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ (البقرة)

اس میں مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مراد اہل ایمان ہیں، کیوں کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی ذات سے شک کیا شائبہ شک بھی ممکن نہیں۔

## قاعدہ نمبر (۱۴۹)

(۱) مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تَسْتَكْرِهَ الْجَمْعَ بَيْنَ ثِنْتَيْنِ فِي لَفْظٍ وَاحِدٍ۔

حاصل قاعدہ

اہل عرب ایک لفظ میں دو تثنیہ کو جمع کرنا پسند نہیں کرتے۔

مثال..... إِنَّ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا (التحریم: ۴)

ترجمہ: (اے نبی کی بیویوں!) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کر لو (تو یہی مناسب

ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل مائل ہو گئے ہیں۔

(۱) فتح القدير للشوكاني: سورة التحريم آيت نمبر ۴ کے تحت، ج ۵ ص ۲۹۹



یہاں پر اصلاً ”قَلْبًا كَمَا“ ہونا چاہئے تھا مگر مذکورہ اصول کے پیش نظر ”قُلُوبًا كَمَا“ کہا گیا۔

## قاعدہ نمبر (۱۵۰)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ تُعْبَرَ بِالْمَاضِي عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ تَنْبِيْهَا عَلَى تَحَقُّقِ الْوُقُوعِ-

### حاصل قاعدہ

اہل عرب شئی کے تحقق اور وقوع کو بتلانے کے لئے مستقبل کو ماضی سے تعبیر کرتے ہیں۔

إنه عبر بالماضي عما سيقع في المستقبل تنزيلا لتحقيق الوقوع  
(۱) منزلة الوقوع۔

فالتعبير عنه بصيغة الماضي للتأكيد والدلالة على تحقق الوقوع  
(۲) حتماً۔

إيثار صيغة الماضي للدلالة على تحقيق الوقوع لا محالة لأن  
(۳) الماضي متيقن الوجود۔

### تشریح

ایک شئی جس کا وقوع مستقبل میں متیقن ہوتا ہے، اس کے یقینی ہونے کو بتلانے کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آئندہ واقع ہونے والی یہ شئی اس قدر یقینی ہے گویا ماضی میں واقع ہو چکی ہے۔

(۱) أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن: سورة مريم آيت ۳۰ کے تحت، ج ۳ ص ۴۱۶

(۲) تفسیر ابي السعود: سورة الصفات آيت ۵۰ کے تحت، ج ۷ ص ۱۹۲

(۳) روح البيان: سورة هود آيت ۹۹ کے تحت، ج ۳ ص ۱۸۳

مثال نمبر ۱..... وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَنُزِعُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن

شَاءَ اللَّهُ<sup>ط</sup> (النمل: ۸۷)

ترجمہ: جس دن صور میں پھونک ماری جائی گی سو جتنے آسمان وزمین والے ہیں سب گھبرا جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے۔

اس دن اہل ارض و سماء کا گھبرانا ایک یقینی اور واقعی شئی ہے اس لئے بجائے ”فیفزع من فی السموت“ کے ”فزع من فی السموت“ سے تعبیر کیا۔

مثال نمبر ۲..... وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ

اللَّهُ<sup>ط</sup> ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنظُرُونَ<sup>١٦</sup> (الزمر)

ترجمہ: اور صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین میں جتنے ہیں وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

اس آیت میں ”نُفِخَ“ ماضی مجہول ذکر کیا گیا مگر مراد ”يُنْفَخُ“ فعل مضارع ہے تو چونکہ نفخ صور یقینی بات ہے اس لئے اس کو ماضی سے تعبیر کیا۔

مثال نمبر ۳..... وَبَرَزُوا لِلَّهِ (ابراہیم: ۲۱)

ترجمہ: اور یہ سب لوگ اللہ کے آگے پیش ہوں گے۔

اس آیت میں ”بَرَزُوا“ صیغہ ماضی بمعنی مضارع کے ہے یعنی ”يَبْرِزُونَ“ کہ اس دن پیش ہوں گے، چونکہ یقینی بات ہے اس لئے ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

مثال نمبر ۴..... وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً<sup>١٧</sup> وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ

مِنْهُمْ أَحَدًا<sup>١٨</sup> (الكهف)

ترجمہ: اور (اس دن کو دھیان رکھو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے، اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی ہے، اور ہم ان سب کو گھیر کر اکٹھا کر دیں گے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

اس آیت میں ”حَشْرُنْهُمْ“ صیغہ ماضی بمعنی مضارع ”نَحْشُرْهُمْ“ کے ہے کہ ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے۔

### قاعدہ نمبر (۱۵۱)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ أَنْ يُضَيَّرُوا لِكُلِّ مُعَايِنٍ نِكْرَةً كَانَ أَوْ مَعْرِفَةً هَذَا  
وَهَذِهِ- (۱)

#### حاصل قاعدہ

اہل عرب شئی معین سے پہلے ”ہذا“ یا ”ہذہ“ مضمّر مانتے ہیں۔ خواہ وہ شئی مشاہد معرفہ ہو یا نکرہ۔

مثال ۱..... سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا (النور: ۱)

ای ہذہ سورۃ۔

مثال نمبر ۲..... الرَّاسُ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ (ابراہیم: ۱)

ای ہذا کتاب۔

مثال نمبر ۳..... بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (التوبة: ۱)

ای ہذہ براءۃ۔

### قاعدہ نمبر (۱۵۲)

مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ تَحْوِيلُ الْفِعْلِ عَنْ مَوْضِعِهِ إِذَا كَانَ الْمُرَادُ بِهِ  
مَعْلُومًا- (۲)

(۱) تفسیر الطبری: سورة التوبة آیت نمبر ۱ کے تحت، ج ۱۴ ص ۳۹

(۲) تفسیر الطبری: سورة هود آیت نمبر ۲۸ کے تحت، ج ۱۵ ص ۲۹۸

## قاعدہ نمبر (۱۵۴)

مَهْمَا أَمَكَّنَ حَمْدُ الْفَاطِظِ الْقُرْآنِ عَلَى عَدَمِ التَّرَادُفِ فَهُوَ  
الْمَطْلُوبُ (۱)

## حاصل قاعدہ

الفاظ قرآنیہ کو حتی المقدور عدم ترادف اور تغایر پر محمول کیا جائے گا۔  
تطبیق مثال: اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (البقرة: ۱۵۷)  
ترجمہ: ان لوگوں پر ان کے رب کی جانب سے خصوصی عنایتیں اور رحمت  
ہے۔

صلاة یہاں ”ثناء اللہ علی عبدہ فی الملاء الاعلیٰ“ (اللہ کالملاء اعلیٰ میں اپنے  
بندے کی تعریف کرنا) کے معنی میں ہے اور رحمت اپنے مشہور معنی میں ہے۔  
مثال نمبر ۱..... فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْنًا (النساء)  
ترجمہ: تو تم اس کو کھا و مزے دار اور خوشگوار سمجھ کر۔  
یہاں ”هَنِيْنًا“ ”الْخَالِصُ مِنْ كُلِّ مَكْدَرٍ“ کے معنی میں ہے اور ”مَرِيْنًا“  
”مَحْمُوْدٌ الْعَاقِبَةُ“ کے معنی میں ہے۔

مثال نمبر ۲..... قَالَ اِنَّهَا اَشْكُوْا بَيْتِيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ (يوسف: ۸۶)  
ترجمہ: میں تو اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں۔  
حزن کا معنی غم ہے اور ”بث“ اس سے زائد ایک معنی پر مشتمل ہے وہ یہ ہے کہ وہ غم  
جسے چھپایا جائے پھیلایا نہ جائے۔

(۱) البحر المحيط فی اصول الفقہ: مباحث الترادف، مسألة الترادف خلاف الأصل، ج ۲ ص ۳۶۰

مثال نمبر ۳..... إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكِّ مُرِيبٍ ۝ (السبا)

ترجمہ: کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔

شک اور ریب کے مابین فرق یہ ہے کہ ریب میں شک سے زیادہ معنویت ہے بایں طور کہ ریب اس شک کو کہا جاتا ہے جس میں تہمت نہ ہو۔

مثال نمبر ۴..... فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۝

(آل عمران: ۱۴۶)

ترجمہ: سونہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں اور نہ ان کا زور گھٹا اور نہ وہ دبے۔

”وہن“ کہتے ہیں ”انکسار الجِدِّ بِالْخَوْفِ“ کو اور ”ضعف“ نام ہے نقصان قوت کا اور ”استكانت“ اظہارِ ضعف پر بولا جاتا ہے۔

مثال نمبر ۵..... وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً

وَيَنْدَاءً ۝ (البقرة: ۱۷۱)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کو اپنا لیا ہے ان (کو حق کی دعوت دینے) کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص ان (جانوروں) کو زور زور سے بلائے جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہیں سنتے۔

ندا کہتے ہیں ”رفع الصوت بماله معنی“

دعا عام ہے رفع صوت اور خفض صوت دونوں کو کہتے ہیں۔

## قاعدہ نمبر (۱۵۵)

مَهْمَا امْكَنَّ حَمْلُ كَلَامِ الشَّارِعِ عَلَى التَّشْرِيعِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى مُجَرَّدِ

سوم: وہ آیات جن کے احکام (مضامین) کی مشروعیت ان کے نزول کے بعد ہوئی ہے، یعنی نزول آیات کے کچھ مدت بعد یہ احکام مشروع قرار دیئے گئے۔

## تطبيق امثله

پہلی قسم: جس میں نزولِ آیت کے ساتھ حکم کی مشروعیت ہوئی:

قَوْلٌ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرة: ۱۴۹)

ترجمہ: اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف کرو۔

اس آیت کے نزول کے ساتھ ہی بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا اس سے قبل بیت المقدس

قبلہ تھا۔

دوسری قسم: جس میں نزولِ آیت کے بعد حکم کی مشروعیت ہوئی:

وَآخِرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (المزمل: ۲۰)

یہ سورہ منزل کی آیت کا جز ہے، سورہ منزل کی سورت ہے، اور مکہ میں جہاد و قتال کا امر

نازل نہیں ہوا تھا، مگر مذکورہ آیت میں مجاہدین فی سبیل اللہ کی تعریف کی گئی ہے، پس اس

آیت میں مستقبل میں نازل ہونے والے حکم جہاد کی طرف اشارہ ہے۔

تیسری قسم: جس میں نزولِ آیت سے پہلے حکم کی مشروعیت ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدة: ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھو اور اپنے

ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کرو اور دھو اپنے پیروں کو

(بھی) ٹخنوں سمیت.... اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔

یہ آیت حکم وضو پر مشتمل ہے جو مدینہ میں حکم تیمم کے ساتھ نازل ہوئی، مگر اس سے قبل

بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی نمازیں پڑھی تھیں وہ سب وضو کے ساتھ ہی پڑھی تھیں، پس وضو کا حکم پہلے سے موجود تھا آیت میں اسی حکم کو دہرایا گیا ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۵۷)

نَفْيُ الْأَدْنَىٰ أَبْلَغُ مِنْ نَفْيِ الْأَعْلَىٰ-<sup>(۱)</sup>

### حاصل قاعدہ

ادنیٰ کی نفی اعلیٰ کی نفی سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

کیونکہ جب ادنیٰ کی نفی ہوگی تو اعلیٰ کی نفی خود بخود ہو جائے گی، لیکن اگر اعلیٰ کی نفی کی جائے تو یہ ادنیٰ کو شامل نہیں ہوتی۔

مثال نمبر ۱..... لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (السبا: ۳)

ترجمہ: اس سے پوشیدہ نہیں ہے ذرہ برابر (کوئی چیز) نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔

”مثقال ذرہ“ کی پوشیدگی کی نفی اس سے بڑی ہر چیز کو شامل ہے۔

مثال نمبر ۲..... إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَىٰ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ (البقرة: ۲۶)

ترجمہ: بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ (کسی بات کو واضح کرنے کے لئے) کوئی بھی مثال دے، چاہے وہ مچھر (جیسی معمولی چیز) کی ہو۔

مثال نمبر ۳..... إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ - (النساء: ۴۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

دونوں آیات میں تطبیق واضح ہے۔

مثال نمبر ۴..... قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ (الأعراف: ۶۱)

(۱) البرهان فی علوم القرآن: تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۲۰۳

## قاعده نمبر (۱۵۹)

نَفْيُ التَّفْضِيلِ لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَ الْمَسَاوَاةِ۔<sup>(۱)</sup>

## حاصل قاعده

افضلیت کی نفی مساوات کی نفی کو مستلزم نہیں۔

یعنی کسی وصف کی نفی اسم تفصیل کے صیغہ سے کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وصف میں اس موصوف سے بڑھ کر کوئی دوسرا موصوف نہیں البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کے مساوی کوئی موصوف ہو۔

مثال نمبر ۱..... وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنَ اللَّهِ ۗ (البقرة: ۱۴۰)

ترجمہ: اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو

اس کے پاس من جانب اللہ پہنچی ہو۔

اس میں ”کاتم شہادت“ کو اظلم (یعنی سب سے بڑا ظالم) بتلا دیا گیا، تو اس کا نتیجہ یہ

نکلا کہ اب اس سے بڑا کوئی دوسرا ظالم نہیں ہو سکتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کے مساوی درجہ کا ظالم کوئی ہو۔

## اشباہ و نظائر

مثال نمبر ۲..... وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ (البقرة: ۱۱۴)

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے مسجدوں میں

ان کا ذکر (عبادت) کئے جانے سے روکے۔

مثال نمبر ۳..... وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا (الكهف: ۵۷)

(۱) الإلتقان في علوم القرآن: النوع التاسع والأربعون، ج ۳ ص ۹۸



ترجمہ: اور اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اسی سے روگردانی کرے۔

مثال نمبر ۴..... وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (ہود: ۱۸)

ترجمہ: اور ایسے شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔

### ایک شبہ اور اس کا ازالہ

کبھی کسی کو یہ وہم ہو سکتا ہے مذکورہ آیات میں متعدد مجرمین کو ”أَظْلَمُ“ کہا گیا، حالانکہ جب ایک آیت میں ایک شخص کو ”أَظْلَمُ“ کہہ دیا گیا تو دوسرا کوئی اظلم نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اگر دوسرا بھی اظلم ہو تو پھر دونوں میں سے کسی ایک کو اظلم کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

تو اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں:

پہلا جواب: تو یہ کہ افضلیت کی نفی مساوات کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی۔ لہذا جب ایک آیت میں یہ کہا گیا کہ اس سے بڑا ظالم نہیں ہو سکتا تو اس سے اشارہ ہو گیا کہ اس سے بڑا تو نہیں البتہ اس کے مساوی ہو سکتا ہے، دوسری آیات میں جن مجرمین کو اظلم کہا گیا ہے وہ سب ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ان آیات میں مطلق ”اظلم“ کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود ایک خاص نوع کے ”اظلم“ کی نفی کرنا ہے، یعنی کہ جب کسی مجرم کو کسی جرم کی بناء پر ”اظلم“ کہہ دیا جائے تو یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دنیا کے تمام مجرمین اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور یہ سب سے بڑا مجرم اور ظالم ہے اس سے بڑا کوئی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ خاص اس نوع کے جتنے مجرم ہیں ان میں یہ مجرم اعلیٰ یعنی اظلم ہے۔

اب آیات مذکورہ میں اس جواب کی تطبیق اس طرح ہوگی کہ آیت کریمہ ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ“ میں ”کاتمین“ میں سے ”کاتم شہادت“ سے بڑا ظالم کوئی دوسرا کاتم نہیں ہو سکتا، اسی طرح مانعین میں مانع مسجد سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا ہے، اور اسی طرح دوسری آیات کے اندر بھی۔

## قاعدہ نمبر (۱۶۲)

نَفْيُ الْعَامِّ أَحْسَنُ مِنْ نَفْيِ الْخَاصِّ وَ إِثْبَاتُ الْخَاصِّ أَحْسَنُ مِنْ إِثْبَاتِ الْعَامِّ<sup>(۱)</sup>

حاصل قاعدہ

عام کی نفی خاص کی نفی سے بہتر ہوتی ہے اور خاص کا اثبات عام کے اثبات سے بہتر

ہوتا ہے۔

تشریح

اس کی وجہ یہ ہے کہ عام کی نفی خاص کی نفی سے بہتر ہوتی ہے مگر خاص کی نفی عام کی نفی پر دلالت نہیں کرتی، اسی طرح خاص کا ثبوت عام پر دلالت کرتا ہے مگر اس کے برعکس نہیں ہے۔

خاص کے اثبات کی مثال

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ<sup>ط</sup> (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رسالت کا اثبات کیا گیا ہے جو خاص ہے اور اس کے بالمقابل نبوت ہے، اور خاص کے اثبات سے عام کا اثبات لازم آتا ہے اس لئے رسالت کا اثبات نبوت کے اثبات کو مستلزم ہوا، البتہ اگر نبوت کا اثبات کیا گیا ہوتا تو اس سے رسالت کا اثبات لازم نہیں آتا کیونکہ عام کا اثبات خاص کو مستلزم نہیں ہوتا۔

عام کی نفی کی مثال

يَوْمَ لَا تَنْبُلُكَ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا (الانفطار: ۱۹)

(۱) الإتيان في علوم القرآن: النوع السابع والخمسون، ج ۳ ص ۲۶۳ / البرهان في علوم القرآن:

تابع النوع السادس والأربعون، ج ۳ ص ۴۰۲

ترجمہ: وہ ایسا دن ہے کہ کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کے لئے بس نہ چلے گا۔  
اس میں ”نفس“ عام ہے اور ہر ہر نفس سے ملک و اختیار کی نفی کی جا رہی ہے، پس عام کی نفی نفوسِ خاصہ کی نفی پر دلالت کر رہی ہے کہ قیامت کے دن کسی بڑے سے بڑے دنیوی حکمران کا بھی کوئی اختیار نہ ہوگا۔

## امثلہ

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (الكهف)

ترجمہ: تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

اس آیت میں نکرہ تحت النفی عموم کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کسی ایک پر ظلم نہیں کرے گا تو خصوص کی نفی بھی ہوگئی۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ (آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: اور جنت کے طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان اور زمین۔

اس میں عرض خاص ہے اور طول عام ہے کیونکہ عرض کے لئے طول کا ہونا لازم ہے مگر اس کے برعکس نہیں ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱۶۳)

وَضَعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ المُضْمِرِ وَ عَكْسُهُ إِنَّمَا يَكُونُ لِنُكْتَةٍ (۱)

حاصل قاعدہ

کسی خاص نکتہ کی وجہ سے اسمِ ظاہر کی جگہ اسمِ ضمیر اور اسمِ ضمیر کی جگہ اسمِ ظاہر کا

(۱) الإِتْقَانُ فِي عُلُومِ الْقُرْآنِ: النوع السادس والخمسون، ج ۲ ص ۲۳۵

استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال جزء اول: یعنی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کرنا:

۱..... وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۱﴾ (البقرة)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا

ہے اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والا ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک جگہ ایک اسم کو ذکر کر دیا گیا تو دوبارہ اس کا ذکر بصورتِ اسم نہیں بلکہ بشکل ضمیر کیا جاتا ہے، لہذا یہاں ضمیر کے ساتھ ”وہو بکل شیء علیم“ ہونا چاہئے مگر ضمیر کی بجائے لفظ ”اللہ“ کا تکرار تعظیم و استلذاذ کی غرض سے کیا گیا۔

۲..... أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۗ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۱﴾ (المجادلة)

ترجمہ: یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ ضرور برباد

ہونے والا ہے۔

۳..... مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا (الفاطر: ۱۰)

ترجمہ: جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت خدا ہی کے لئے ہے۔

دوسری آیت میں لفظ ”شیطان“ کا تکرار اُس کی قباحت اور خسارے کے بیان کے

لئے ہے، اور تیسری آیت میں لفظ ”عزت“ کا تکرار ہے۔

مثال جزء ثانی: یعنی اسم ظاہر کی جگہ ضمیر لانا:

۱..... مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ - (البقرة: ۹۷)

ترجمہ: اگر کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا دشمن ہے۔

۲..... اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ (القدر)

ترجمہ: بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔

ان دونوں جگہ پر ”ہ“ ضمیر کی بجائے لفظ ”اللہ“ بشکل اسم ظاہر ہونا چاہئے تھا مگر

اللہ کی عظمت و تعظیم پر دلالت کی غرض سے اسم ضمیر کا استعمال کیا گیا۔

## قاعده نمبر (۱۶۴)

يَحْصُلُ بِمَجْمُوعِ الْمُتَرَادِفِينَ مَعْنَى لَا يُوجَدُ عِنْدَ انْفِرَادِهِمَا. (۱)

حاصل قاعده

ایک ہی جملے میں دو مترادف لفظوں کو جمع کر دینے سے ایسا معنی وجود میں آتا ہے جو معنی ایک لفظ کو ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔

## امثلہ

۱..... إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ (يوسف: ۸۶)

ترجمہ: انہوں نے (یعنی یعقوب علیہ السلام نے) فرمایا کہ میں تو اپنے رنج و غم کی فریاد صرف اللہ سے کرتا ہوں۔

۲..... فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا (آل عمران: ۱۳۶)

ترجمہ: انہوں نے ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں نہ انہوں نے ہمت ہاری اور نہ کمزور پڑے۔

۳..... لَا تَخَفْ دَرًا وَلَا تَخْشَى (طہ)

ترجمہ: نہ تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو کسی قسم کا خوف ہوگا۔

## قاعده نمبر (۱۶۵)

يُسْتَدَلُّ عَلَى إِفْتِرَاقِ مَعَانِي الْحُرُوفِ بِإِفْتِرَاقِ الْأَجْوَابَةِ عَنْهَا. (۲)

(۱) الإتقان في علوم القرآن: النوع الثامن والسبعون، ج ۴ ص ۲۲۹ / البرهان في علوم القرآن:

النوع السادس والأربعون، ج ۲ ص ۴۷۷

(۲) تفسير الطبري: سورة البقرة آيت نمبر ۲۲۳ کے تحت، ج ۴ ص ۴۱۳

## حاصل قاعدہ

مختلف المعانی حروف میں معنی مرادنی کی تعیین ان کے جوابات سے حاصل ہو جاتی ہے۔

## تشریح

جن حروف کے متعدد معانی ہیں مگر وہ سب معانی قریب قریب اور بہت معمولی فرق کے حامل ہیں، جس سے کبھی کبھی داخل اور تو حد کا وہم ہونے لگتا ہے، ایسے مواقع پر جوابات سے معنی مقصود کی تعیین ہو جاتی ہے، مثلاً لفظ ”انی“ یہ ”کیف، این“ اور ”متی“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ سب معانی ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور قریب ہیں، لہذا اب اس کے معنی مقصود کا تعیین جواب پر موقوف ہوگا۔

فَاتُوا حَرْثَكُمْ اَنْ تَشْتُمُوْا (البقرة: ۲۲۳)

ترجمہ: لہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ۔

یہاں حرت (قرینہ) کی وجہ سے ”انی“ کا ”کیف“ کے معنی میں ہونا متعین

ہو گیا۔

## قاعدہ نمبر (۱۶۶)

(۱) يُقَلِّدُ الْمُقَدَّرُ مَهْمَا أَمَكَّنَ لِتَقِلَّ مُخَالَفَةُ الْأَصْلِ۔

## حاصل قاعدہ

جہاں تک ہو سکے کلام میں مقدرات کم ہونے چاہئیں تاکہ خلاف اصل کا ارتکاب کم ہو۔

(۱) الإلتقان فی علوم القرآن: النوع السادس والخمسون، ج ۳ ص ۲۰۰

## تشریح

چونکہ کلام میں اصل ذکر ہے نہ کہ حذف بلکہ حذف کا عمل بوجہ ضرورت اختیار کیا جاتا ہے۔ لہذا ”والضرورة يقدر بقدر الضرورة“ کے تحت کم سے کم محذوف ماننا چاہئے۔

مثال..... وَآتَى يَبْسُنَ مِنَ الْحَيْضِ مَنْ نَسَأَ بِكُمْ إِنْ أُرْتَبِتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ ۖ وَ

أَتَى لَمْ يَحِضْنَ ۗ (الطلاق: ۴)

ترجمہ: اور (تفصیل یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں سے جو عورتیں (بوجہ زیادت سن کے) حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے یقین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا۔

بعض نے کہا ”لَمْ يَحِضْنَ“ کے بعد ”فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ“ مقدر ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ”كذلك“ مقدر مانا جائے تاکہ اعجاز قرآن (اختصار) بھی باقی رہے اور معنی بھی حاصل ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ  
کے پانچ سو سنہری ارشادات

مولانا محمد نعمان  
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ سٹوری ٹاؤن کراچی  
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی



ایازۃ المعجرات کراچی



”قیاس، استحسان، استصحاب حال، مصداق، مرسلہ، عرف و عادت،  
سد ذرائع، قول صحابی، شریع من قبلنا“  
اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی مباحث کے ساتھ

# فِیْقَہِ اِسْلاَمِیِّ کَیْ فِیْلِی مآخِذِ

مولانا محمد نعمان صاحب



اِنْدَاةِ الْمَعْجَارِ فِیْ کَرِیْمِیَّ

# سلف صالحین کے ایمان افروز واقعات

قرآنی لطائف و رموز، مستند احیاء، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علم و عمل، شجرت و تقویٰ اور خوفِ الہی کے نکلنے والی واقعات  
فہم فرست، جو روحِ عفو و حلم، ہمدردی و غمگساری اور علم و عمل پر اُبھارنے والی حکایات و نصائح  
اہل علم کے اقوال و ذریعے مختلف موضوعات پر عمدہ اشعار، علم ادب کے حکیمانہ شہ پارے  
تکمیل و اصلاحات سے مزین

مولانا محمد نعیمان صاحب



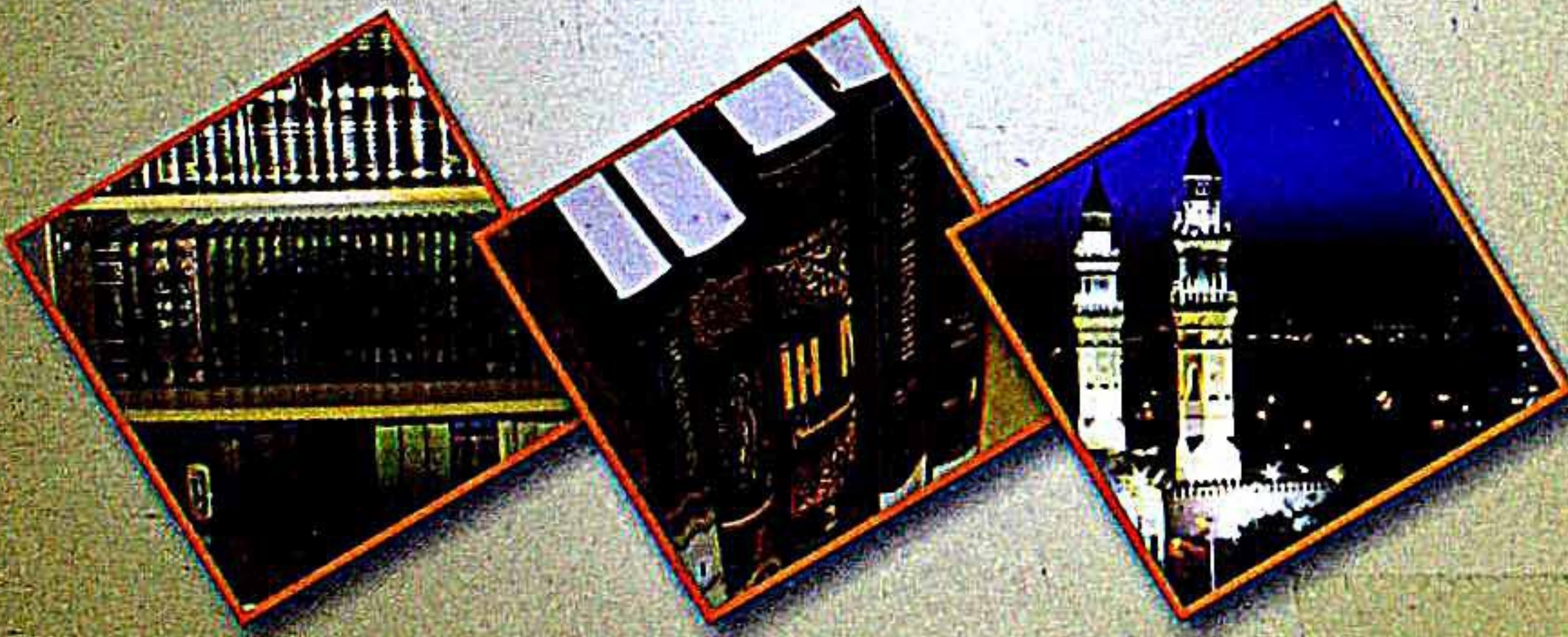
ایازۃ المعجرات بکراچی ۱۴۰۶ھ

جدید اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن



# قواعد التفسیر

فہم التفسیر کے متعلق ہزاروں اوراق کے مطالعہ کے بعد  
۱۶۶ اہم قواعد پر مشتمل نیا علم کیلئے نیا باب تحفہ



تالیف مولانا محمد سعید نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی  
استاد جامعہ انوار العلوم، مہراں ٹاؤن، کورنگی کراچی